اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف ویلور



دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بسم الله الرحمن الرحيم

سالنامہ ۱۴۳۴ھ | م 2013ء | شمارہ نمبر ۵۲

اللطیف ویلور

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰحضرت مولانا مولوی

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور۔

مولانا مولوی

ابو صالح عماد الدّین سیّد شاہ محمّد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی

ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء، ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ م 20 جون 2013ء بروز جمعرات

سرپرست

مولانا مولوی ڈاکٹر **ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری**

یم،اے،پی،ایچ،ڈی،

ناظم دارالعلوم لطیفیہ۔حضرت مکان۔ویلور

معاون

سید شاہ محمد طاہر قادری

مدیرانِ مسئول

حضرت مولانا مولوی **پی، محمد ابوبکر ملیباری** لطیفی قمری

مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور۔

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر **ابو النعمان بشیر الحق قریشی لطیفی**

یم،اے،پی،ایچ،ڈی؛

مدرس دارالعلوم لطیفیہ۔ویلور۔

نمائندگان طلباء

۱	سید عروس احمد سقاف	تنجاوَر
۲	حسین احمد	گنگاوتی
۳	عرفان	وانمباڑی
۴	عمران	ہسور
۵	حسن	مدراس
٦	روشن ضمیر	بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۳۴ھ مطابق 2013ء

منظومات

مناجاتِ قربیؒ

پیشکش:
سید شاہ محمد طاہر قادری

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ (۱۱۱۸ھ ۱۱۸۲ھ) نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال تھی۔

آپ کے دیوان میں پہلے حمد ہے پھر نعت ہے۔ اسکے بعد ۸۸ غزلیات ہیں، ابیات تقریباً ۱۹۷۶ ہیں۔ دیوان مناجات اور دعا پر اختتام پذیر ہے۔ حضرت قربیؒ کا کلام آپ کے دیوان سے ترتیب وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

ہے احمد و محمد سر خیل انبیا کا
بے میم احد کو آیا ہے عین اوخدا کا

وہ شاہ اگر عرب ہے بے عین عین رب ہے
جو کچھ کہے سو سب ہے دُر لجۂ صفا کا

ہے ذات اس کی مطلق اوچ عبد ہور وہی حق
حق سوں کتا ہوں یو حق نیں یوں بچن ریا کا

اوچ آسماں زمین اوبحر و درِ ثمیں او
در ہر مکاں مکیں او کل باغ اصطفا کا

حسنِ ازل کا مظہر بے واسطہ اوسرور
ہر حسن جگ میں یکسر ہے پرتو اس بہا کا

او افضل البشر ہے او شافع حشر ہے
ہر جا وہی نشر ہے سالار اصفیا کا

جو جگ منے ہے پیدا جو چیز ہے ہویدا
ہے اس کے مکہ کی شیدا او اصل ہے ولا کا

شاہِ جہاں وہی ہے نورِ عیاں وہی ہے
مقصودِ جاں وہی ہے عشاقِ بے نوا کا

جو چیز ہے جہاں میں جو نام ہے وہاں میں
جو بے عیاں نہاں ہے (وہ) نام مصطفیٰ کا

☆☆☆☆☆☆☆

رُباعِیاتِ اَمجدؔ

حضرت امجدؔ حیدر آبادی

حضرت امجد حیدر آبادی علیہ الرحمہ رباعیات کی دنیا میں اپنی ایک مستقل اور جداگانہ شناخت رکھتے ہیں ان کی رباعیات میں تصوف کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ حضرات صوفی منش امجد کے کلام کو حرز جان سمجھتے ہیں۔

اہل دل حضرات کی خدمت میں رباعیات امجد حصہ اول مطبوعہ ۱۳۸۸ھ کے نسخہ سے چار رباعیات پیش ہیں۔

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ

انسان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں
ہرجان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں
یہ کلمہ طیبہ کے جزو نہیں
ایمان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں

سبحان ربی الاعلیٰ

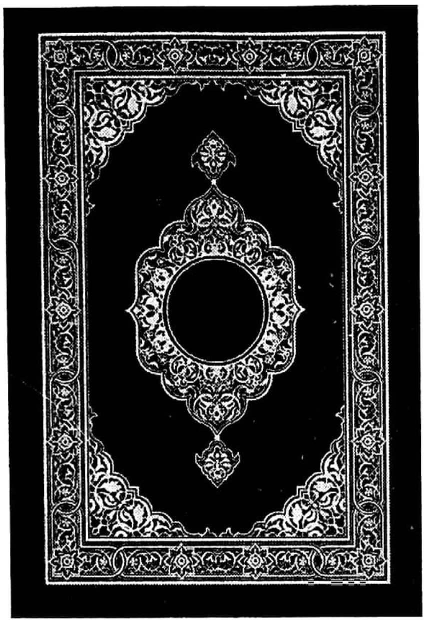
زنجیر در عرش ہلاتا ہوں میں
اللہ غنی کسے بلاتا ہوں میں
سجدہ کے بہانے دل کی بیتابی سے
قدموں پہ کسی کے لوٹ جاتا ہوں میں

نازبر نیاز

اس سر بہ زمیں شاخ کا پھل اعلیٰ ہے
عامل معمولی ہے عمل اعلیٰ ہے
پوچھو نہیں سجدہ کر نیوالوں کے دماغ
سر خاک میں لب پہ ربی الاعلیٰ ہے

فنائے ہستی

بے فائدہ کب ہے جب سائی اچھی
طاعت میں نہیں ہے خود نمائی اچھی
اک سجدہ میں خاک کردیا ہستی کو
حضرت! تم سے دیاسلائی اچھی



افتتاحیہ

ادارہ

آسمانی کتابوں میں قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جوسب سے آخر میں نازل ہوئی اور یہی وہ عالم گیراور غیر منسوخ صحیفہ ہے جو رہتی دنیا تک انسانوں کی رہنمائی اور رہبری کرتا رہیگا۔ اور اسکے قوانین اور احکام بھی اس قدر مضبوط و مستحکم اور وسیع و ہمہ گیر اور مفید و نافع ہیں کہ وہ ہر دور اور ہر ملک میں ساری قوموں کو اپنی طرف متوجہ اور مائل کرتے رہیں گے۔ اور جسکی وجہ سے وہ قومیں بھی جو اس کے اوپر ایمان نہیں رکھتی ہیں وہ بھی اسکے اصول وضوابط اور احکام وقوانین کی صحت ودرستگی اور افادیت کا اعتراف اور اقرار کرتی رہیں۔ اور خواہی نہ خواہی اور خوشی وناخوشی اس پر عمل کئے بغیر رہ نہ پائیں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں یہ پیشن گوئی کردی ہے کہ قرآن ہر گھر میں داخل ہوجائے گا۔ خواہ لوگ اسے خوشی سے داخل کریں یا حالات کے دباؤ اور تقاضہ سے مجبور ہوکر داخل کریں۔ آج یہ پہلو دنیا کے سامنے آچکا ہے۔ مغربی ملکوں میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ خوشی خوشی اسلام قبول کررہے ہیں اور ان میں خاصی تعداد عورتوں کی بھی ہے مغربی اور یوروپی ممالک میں پھیلی ہوئی انارکی وسفاکی، درندگی وحیوانی اور جنسی رستم رانی سے تنگ آکر اسلام کے سایہ انسانیت میں چلی آرہی ہے، اور یہ قرآن کریم کو اپنے گھروں میں خوشی خوشی داخل کرنے کی ایک روشن مثال ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ حالات کے دباؤ اور تقاضہ سے مجبور ہوکر اپنے گھروں میں قرآن کریم کو داخل کرنے کی مثال جرائم کے سدباب کے حوالہ سے سامنے آرہی ہے بعز عزیز وذل ذلیل (مشکوٰۃ)

اور خود ہمارے ملک ہندوستان میں یہ محسوس کیا جارہا ہے اور اعتراف کیا جارہا ہے کہ ہمیں بھی جرائم کی روک تھام کے لئے اسلام کی طرح سخت سزائیں نافذ کرنی چاہئے، اسی وقت ہمارے ملک میں جرائم کا طوفان تھم سکتا ہے۔ چنانچہ سال گذشتہ دسمبر ۲۰۱۱ء کے وسط میں پیش آنے والے اجتماعی عصمت ریزی کے خوف ناک اور شرم ناک واقعہ کو دیکھتے ہوئے ارباب حل وعقد اور مختلف رفاہی وتعمیری تنظیموں اور علمی وفلاحی اداروں نے یہاں تک کہہ دیا کہ زنا بالجبر کے مرتکبوں اور مجرموں کو برسرعام سولی پر لٹکایا جائے تاکہ اس منظر سے دوسروں کو عبرت اور نصیحت حاصل ہوسکے۔ ان حالات کے تحت جسٹس ورما کمیشن تشکیل دیا گیا اور اس نے اپنی سفارشات مرتب کرکے حکومت تک پہنچادیا تاکہ یہ مسودہ تعزیراتِ ہند کتاب میں شامل ہوجائے جو تمام جرائم کی سزاؤں پر مشتمل ہوتی ہے۔

قرآن کریم نے ایسے جرائم اور گناہ جن کی وجہ سے قوم وملک کے نظام میں خلل اور فساد واقع ہوجائے اور انسانیت دم توڑ دے، ان کا ارتکاب کرنے والوں کو بڑی سخت سزائیں تجویز کی ہے، تاکہ سماج سے ان کا مکمل خاتمہ ہوجائے اور دوسروں کے لئے سامان عبرت ہوجائے۔ کتاب وسنت میں لوگوں کی جان ومال اور عزت کی حفاظت کے لئے جو قوانین ہیں، وہ حدود، قصاص اور تعزیرات کہلاتے ہیں۔ جن جرائم کی سزا متعین ہے وہ حدود اور قصاص ہے اور جن کی سزا متعین نہیں ہے وہ تعزیرات ہیں۔

کتاب وسنت کی رو سے چوری کرنے، شراب پینے، پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے اور زنا کرنے والے پر حد جاری کرنے کا حکم ہے اور یہ چاروں جرم ایسے ہیں کہ ان کے مجرموں کے ساتھ کسی قسم کی نرمی وآسانی، رورعایت اور سفارش وشفاعت کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کسی رئیس اور اونچے گھرانہ کی عورت سے چوری کا جرم ثابت ہوگیا تو بعض لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے محبوب صحابی حضرت زید کو بھیجا تاکہ وہ آپؐ سے اس موضوع پر سفارشی گفتگو کرسکے۔ نبی کریم ﷺ کو جب یہ محسوس ہوا تو حضرت زید سے تعجب اور حیرت کے ساتھ کہا، تم اللہ کے حدود میں سفارش کے خواہاں ہو، نفاد حد سے تحفظ فراہم نہیں کیا جاسکتا، خواہ کسے باشد۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی اصلاح اور تہدید وتاکید کے خیال سے یہودیوں کے کردار کی وضاحت فرمائی اور ارشاد فرمایا، یہود سماج کے کمزور طبقہ پر سزائیں نافذ کرتے تھے اور طاقت ور لوگوں کو سزائیں نہیں دیتے تھے، اور وہ حیلہ سازی سے حرام کو حلال قرار دیتے تھے لہٰذا تم ایسا ہرگز نہیں کرنا، لا تستحلوا محارم الله بادنی الحیل۔

یہودیوں کے اندر ایک مزاج یہ بھی تھا کہ وہ اپنے خاص چہیتے مجرموں کی سزاؤں میں آسان صورتوں اور سہولتوں کے متلاشی رہتے تھے۔ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں چند یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نوجوان جوڑے کو پکڑ کر لائے اور آپؐ سے عرض کیا کہ انہوں نے آپس میں زنا کیا ہے،اپنی مذہبی اور قانونی کتاب توراۃ کو پس پشت ڈال کر اس مقدمہ کو بارگاہ رسالت میں لانے سے ان کا منشاء یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زنا کے جرم پر کوئی آسان سزا تجویز کردیں تو اسی کو اختیار کرلیا جائے تاکہ یہودی سماج میں یہ بات پھیلنے نہ پائے اور ذلت ورسوائی سے نجات مل جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمایا، ان ہی سے پوچھا کہ توراۃ میں زنا کا حکم کیا ہے۔ اب وہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے اور حضور اکرم ﷺ کی جانب متوجہ ہوکر عرض کیا، توراۃ میں زنا کا حکم یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کے منہ پر کالک لگائی جائے اور انہیں گدھے پر اس طرح سوار کیا جائے کہ گدھے کے منہ کی طرف ان کی پیٹھ ہو اور گدھے کی دم کی طرف ان کا منہ ہو، اور انہیں شہر میں ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے گھمایا جائے، نبی کریم ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا، شاید تم جھوٹ بول رہے ہو، بہتر یہی ہے کہ توراۃ لے آؤ، اب یہود توراۃ لانے سے انکار نہیں کرسکے، بادل نخواستہ انہیں توراۃ لانا ہی پڑا۔ جب نسخہ لایا گیا تو ایک یہودی عالم نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے ان آیتوں کو پڑھنا شروع کیا جن میں زنا کا حکم تھا۔ اس نے ایک جگہ پر انگلی رکھ کر آگے بڑھ گیا، نبی کریم ﷺ کے پہلو میں ایک یہودی نومسلم حضرت عبداللہ بن سلام بیٹھے ہوئے تھے جو توراۃ کے عالم تھے، انہوں نے قاری توراۃ سے کہا، اس جگہ کی فلاں آیت پڑھئے، چنانچہ اس آیت میں صاف لکھا تھا کہ زنا کی سزا رجم ہے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فیصلہ صادر فرمایا تمہاری مذہبی کتاب کے مطابق زنا کی سزا رجم ہوگی۔

اسلام نے حدود کے اجراء اور نفاذ میں کسی قسم کی سفارش، کسی منصب وعہدہ کی رعایت اور کسی نرم رویہ کی گنجائش نہیں رکھی ہے، البتہ تعزیرات کے معاملہ میں خلیفۂ وقت اور حاکم شہر کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ مجرموں کی حالت اور جرائم کی نوعیت اور وقت وماحول کے تقاضہ اور شروفساد کے اندیشہ وانسداد اور قیام امن وغیرہ کو سامنے رکھتے ہوئے سزائیں تجویز کرسکتا ہے۔

موجودہ زمانے میں بڑھتی ہوئی بدکاریاں، سفاکیاں، شہوت رانیاں، ہم جنس پرستیاں، چوریاں، فتنہ سامانیاں، درندگیاں یہ صاف اعلان کررہی ہیں کہ قیامت کا وقت قریب آرہا ہے اور یہ دنیا زوال وفنا کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے، نبی کریم ﷺ کی پیشن گوئیاں حرف بہ حرف صادق ہوتی جارہی ہیں، چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا قیامت کے قریب

لوگ شراب کو پانی کی طرح پینے لگ جائیں گے، زناکاری عام ہو جائے گی، عورتوں کی اتنی کثرت ہوگی کہ ایک مرد کے مقابلہ میں چالیس عورتیں ہوں گی۔ عورتیں لباس پہن کر بھی برہنہ اور ننگی نظر آئیں گی، لڑکیاں اتنی آزاد اور نافرمان ہوں گی کہ وہ اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا سلوک کریں گی جیسا کہ ایک مالکن اپنی نوکرانی اور خادمہ کے ساتھ پیش آتی ہے۔ نااہل و کم ظرف اور بداخلاق لوگ اونچے اونچے عہدوں پر فائز ہو جائیں گے، جاہل اور بے علم اشخاص قوموں کی قیادت کریں گے، خود گمراہ رہیں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کردیں گے۔ کسی آدمی کی عزت محض اسکے شر سے محفوظ رہنے کے لئے ہوتی رہیگی، انسانوں کو قتل کرنا ایک عام اور معمولی سی بات ہو جائے گی، ہر جگہ قتل ہی قتل کا منظر دکھائی دے گا۔

آج یہ ساری نشانیاں ظہور پذیر ہو چکی ہیں نہ صرف ہمارا ملک بلکہ اکثر و بیشتر ممالک بے حد متفکر اور حیران و پریشان ہیں کہ کس طرح سے ان برائیوں اور بدکاریوں کو اپنے ملکوں سے پاک وصاف کیا جائے، اس مقام پر ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ کسی بھی سماج کو اس طرح کی نجاستوں اور آلائشوں سے پاک وصاف رکھنے کے لئے حکومتوں کے ایوان میں قوانین پاس کرنے اور تعزیرات کی کتابیں شائع کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

جب تک لوگوں کی کردار سازی نہ کی جائے اور ان کے ذہنوں میں انقلاب پیدا نہ کیا جائے، یہاں تک کہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان کے دل کسی انسان کو تکلیف میں دیکھ کر بے چین اور مضطرب نہ ہو جائیں، ان کے ذہن میں کسی خاتون کے ساتھ بدکاری کو گناہ اور جرم کا احساس پیدا نہ ہو جائے۔ شراب کو زہر سمجھنے لگیں، اور ہر طرح کی گندگی کو گندگی اور گناہ کو گناہ تصور کرنے لگیں، اس طرح کی ذہنیت اور حسیت ہی انسان کو ہر طرح کے جرم اور گناہ سے بچا سکتی ہے۔

اور یہ عظیم کام صرف کردار سازی سے ہو سکتا ہے، قانون سازی اور سزاؤں سے نہیں ہو سکتا، البتہ جن لوگوں کی فطرت صالح ہو وہ اس نوع کے گناہوں سے اپنی فطرت کے باعث محفوظ رہتے ہیں خواہ سماج میں کیسی ہی برائیاں پل رہی ہوں، اس مقام پر حضرت جعفر طیار کے کردار کو ایک مثال اور نمونہ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

حدیث کی کتابوں میں حضرت جعفر طیار کا کردار اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے اندر چار عمدہ اور بہترین خصلتیں موجود تھیں۔ جن کی وجہ سے اللہ نے انہیں محبوب رکھا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ان خصلتوں کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو فرمایا: خدا کے رسول ﷺ: میں نے کبھی شراب نہیں پی، اس لئے کہ میں مانتا تھا کہ شراب سے عقل زائل ہو جاتی ہے، اور میں نے کبھی کسی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا کیونکہ میری عقل اس حقیقت سے باخبر تھی کہ مجھے یہ کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور میں نے کبھی زنا نہیں کیا، اس لئے کہ میرے نزدیک یہ بات انتہائی غیرت اور شرم

والی تھی کہ اپنی بیوی رکھتے ہوئے کسی دوسری عورت کے ساتھ بدکاری کروں، اور میں نے کبھی جھوٹ نہیں کہا، کیوں کہ دروغ گوئی میں مجھے کمینہ پن اور رذالت اور بزدلی کا احساس ہوتا تھا۔

اس مقام پر شراب بندی سے متعلق روسی اور امریکی قوم کی روداد کا کچھ حصہ پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا جسکے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ کردار سازی کے ذریعہ ہی جرائم اور گناہوں کا سد باب ہوسکتا ہے۔

سوویت قوم جو دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ قوم تسلیم کی جاتی ہے، اسکی شراب نوشی کا یہ عالم ہے کہ گذشتہ صدی کے نصف اول میں وہاں تقریباً ہر خاندان شراب کا عادی تھا۔ اور بنت عنب کے ساتھ عشق محبت اور وارفتگی و دیوانگی کا یہ عالم تھا کہ ہر خاندان اپنے لئے مخصوص شراب تیار کرتا تھا اور خاندان کا ہر فرد استعمال کرتا تھا۔ اور سوویت قوم کا ایک فرد روزانہ اوسطاً بیس لیٹر شراب پیا کرتا تھا، سوویت حکومت نے دیکھا کہ ملک میں ایک آدمی چوبیس گھنٹوں میں بیس لیٹر شراب پی رہا ہے تو پورے ملک میں شراب پینے کی مقدار کیا ہوگی اور اس کی وجہ سے پیش آنے والے پیچیدہ مسائل کتنے ہوں گے، ان تمام خطرات کو محسوس کرتے ہوئے حکومت نے چاہا کہ شراب بندی کا قانون ملک میں نافذ کیا جائے۔ اسکے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ شراب کے استعمال کی مقدار متعین کردی اور اسکے ذخیرہ کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے پبلک جگہوں میں اسکے آزادانہ استعمال پر پابندی عائد کردی لیکن قانون کی بالا دستی اور گرفت اس مہذب قوم کے لئے چنداں سود مند ثابت نہ ہوسکی۔ (فی ظلال القرآن علامہ سید قطب شہید مصری)

سوویت قوم سے بھی بڑھ کر عظیم المیہ امریکی قوم کا ہے جس کا آفتاب علم وتمدن، نصف النہار سے متجاوز ہو چکا ہے، اس قوم کو شراب سے دور رکھنے کے لئے کانگریس نے ۱۹۱۹ء میں تمام ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اندر شراب کی ساخت و پرداخت خرید وفروخت اور درآمد و برآمد کو غیر قانونی قرار دیا تاکہ امریکہ سے شراب کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے، شراب کی مضرتوں سے اور قباحتوں کو قوم کے ذہن نشین کرانے کے لئے ساڑھے چھ کروڑ ڈالر خرچ کرڈالے۔ ۱۹ ارب صفحات پر شراب کے خلاف لٹریچر شائع کیا۔ اور کئی سال تک اینٹی سیلون لیگ، خطبات، تصاویر، میجک لانٹرن، سینما اور کئی ایک جدید طریقوں سے لوگوں کے سامنے شراب کی ساری برائیوں کو بے نقاب کیا۔ لیکن امریکی عوام پر کوئی مفید اثر مرتب نہ ہوسکا۔ بالآخر حکومت نے تشدد کے بل بوتے شراب بند کرنا چاہا لیکن قوت وطاقت کا استعمال بھی بے سود رہا، چنانچہ شراب پر پابندی کا زمانہ جسکی کل مدت صرف چودہ سال ہے اتنے قلیل عرصہ میں امریکی قوم پر تنفیذ قانون کے مصارف کا بوجھ 45 کروڑ پونڈ پڑا۔ اور صرف جرمانوں کی رقم ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ حاصل ہوئی۔ اور تقریبا چالیس کروڑ اور چالیس لاکھ کی مالیت

کی املاک ضبط ہوئی، اور 534335 افراد جیل کی کوٹھریوں میں بند کیے گئے اور دوسو آدمی اس قانون کے نافذ کرنے میں ہلاک ہوگئے۔ (تنقیحات)

جان ومال کے یہ عظیم اور ہولناک نقصانات کے باوجود شراب نوشی اور شراب سازی میں کمی نہیں بلکہ زیادتی ہوگئی اوراسی کے ساتھ ہمہ قسم کی برائیاں بھی سر اٹھانے لگیں۔ چنانچہ جوں ہی حکومت نے شراب خانوں کو بند کیا تو ہزاروں شراب خانے خفیہ طور پر وجود میں آنے لگے، اور پوشیدہ طور پر شراب کی ساخت، اسکی خرید وفروخت اور درآمد برآمد کا سلسلہ قائم ہوگیا، اور شراب ایک ایسا پرمنفعت پیشہ بن گئی کہ ہر چھوٹے بڑے شہر میں ہزاروں شراب خانے خفیہ طور پر قائم ہونے لگے۔ چنانچہ یہ انتہائی تعجب کی بات ہے کہ شراب بندی کا قانون نافذ ہونے سے پہلے سارے امریکہ کے اندر شراب تیار کرنے کے کارخانوں کی تعداد صرف چار سو تھی، لیکن شراب بند ہونے کے بعد صرف ایک سال کی مدت میں حکومت نے 79437 کارخانوں پر چھاپہ مارا اور 93831 بھٹیوں پر قبضہ کیا۔ اتنی کثیر تعداد میں کارخانوں اور بھٹیوں کو پکڑنے کے بعد بھی شراب بندی کے ہائی کمشنر نے یہ بیان دیا کہ ہم ان کارخانوں اور بھٹیوں کا صرف دسواں حصہ پکڑ سکے ہیں۔ حکومت کی کڑی نگرانی اور سخت قوانین کے نفاذ کے باوجود مئے سازی مئے فروشی اور مئے نوشی میں کوئی کمی واقع نہ ہوسکی۔

شراب پر سخت پابندی عائد کرنے کی وجہ سے شراب کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور بہت سی سستی شرابیں تیار ہونے لگیں جو صحت کے لئے زہر سے کچھ کم نہ تھیں۔ علانیہ طور پر شراب نہ ملنے کی وجہ سے لوگ ان ہی سستی شرابوں کو مہنگے داموں میں خریدتے اور پیتے رہے جسکی وجہ سے لوگوں کی صحت عامہ بری طرح متاثر ہونے لگی، چنانچہ شراب بندی کے زمانے میں صرف ۱۹۲۶ء کے ایک سال میں الکحل کے اثرات سے بیمار ہونے والے لوگوں کی تعداد گیارہ ہزار اور مرنے والوں کی تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بنت عنب برابر اپنے نئے نئے عاشق پیدا کررہی تھی اور ان عشاق پر کوئی بھی قانون قابو نہ پاسکا۔ اور یہ قوم صرف ایک سال میں بتیس کروڑ گیلن شراب پی لی، شراب کی اس کثرت نے سارے معاشرہ کو گندہ کردیا۔ ہزاروں قسم کی برائیاں چوری، قتل اور زنا کی واردات عام ہوگئیں، امریکہ کی نیشنل کرائم کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر کرنل موس نے یہ بیان دیا کہ اس وقت امریکہ کے تین آدمیوں میں سے ایک آدمی جرائم پیشہ ہے۔

یہ تفصیل پڑھنے کے بعد سوویت اور امریکی قوم کی نفسیات کا مطالعہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ شراب بندی کے معاملہ میں روس اور امریکہ جیسی طاقتور حکومتیں دم توڑ دیں، جب کہ ان کے پاس جدید ذرائع اور قوت وطاقت اور بے پناہ وسائل

کی مدد حاصل رہی، اسکے برعکس سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک ایسی قوم سے سابقہ پڑا جو شراب نوشی میں ان دونوں سے کچھ کم نہ تھی۔ اسکے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے جدید ذرائع اور وسائل اور مادی قوتیں اور طاقتیں حاصل نہ تھیں لیکن اسکے باوجود آپؐ نے ساری عرب قوم کو شراب سے دور رکھنے میں وہ عظیم الشان کامیابی حاصل کی جسکی مثال اقوام اور ممالک کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ نبی کریمؐ کا ایک قاصد تنہا اپنی زبان سے قوم کو آواز دیتے ہوئے گلی کوچوں میں گشت لگاتا ہے اور یہ اعلان کرتے پھرتا ہے، اے قوم شراب حرام ہو چکی ہے۔ **ایھا القوم ان الخمر قد حرمت۔** اے قوم شراب حرام ہو چکی ہے اس ایک آواز پر قوم اور ملک کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ رگ و پے میں سمائی ہوئی محبوب ترین چیز لمحوں میں ان کی نگاہوں میں حقیر ہو جاتی ہے۔ بغیر کسی تشدد اور خفگی کے خود عرب قوم اپنے ہی ہاتھوں سے شراب سڑکوں پر بہادیتی ہے۔ قوم کا ہر فرد اس پیغام کو سننے کے بعد اپنی قوم کے دوسرے افراد تک یہ بات پہنچانے میں منہمک ہو جاتا ہے کہ شراب حرام ہو چکی ہے، ایک مقام پر شراب کا دور چل رہا تھا۔ ایک صاحب شراب کا پیالہ منہ سے لگانے جارہے تھے کہ اچانک ایک آدمی دوڑتے ہوئے آیا اور بڑی عجلت کے ساتھ ان کے سامنے وہ آیت تلاوت کی جس کی رو سے شراب حرام قرار پائی، اسی وقت ان کے لبوں سے پیالہ چھوٹ گیا اور ایک قطرہ بھی آیت کریمہ سن لینے کے بعد حلق سے نیچے نہیں اتر سکا۔

سیاق میں ایک عرب قوم اور دوسری سوویت اور امریکی قوم کے تجربات، احوال اور کوائف شراب بندی سے متعلق پیش کئے گئے ہیں۔ ایک ہی نوعیت کے دو واقعات میں انجام کا یہ بھیانک فرق کیوں واقع ہوا۔ اس مسئلہ پر غور وفکر کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ سماج کی اصلاح کے لئے صرف سخت ترین اور اذیت ناک سزاؤں کا اجراء کافی نہیں ہے۔ یہ سزائیں مجرموں کو جسمانی اذیت تو پہنچاسکتی ہیں لیکن ان کے قلب وذہن کو طہارت اور روح کو نظافت نہیں دے سکتی ہیں۔ اس لئے سزائیں نافذ کرنے سے پہلے لوگوں کے قلب وذہن اور روح کو پاک وصاف کرنا چاہئے، ضمیر کو بیدار کرنا چاہئے اور باطن کا تزکیہ کرنا چاہئے۔ اور اسکے ساتھ ان عوامل اور اسباب اور محرکات کا انسداد کرنا چاہئے جن کے اثر سے آدمی کا قلب وذہن گندہ اور ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے سب سے پہلے عرب قوم کے نفوس اور قلوب اور ذہنوں کو پاک وصاف اور روشن ومنور کیا اور شراب کے تعلق سے تدریجی پہلو یہ اختیار کیا۔ پہلے اس کے نقصانات کی زیادتی کو بیان کیا اور اسکے فوائد کی قلت بیان کیا تاکہ عقل مند آدمی خود بخود اس چیز سے دور ہو جائے، پھر دن میں پنج وقتہ نمازوں کے وقت شراب پینے سے منع کیا، اس سے

شراب پینے کی عادت خود بخود چھوٹ گئی، لوگوں کے مزاج اور منہاج میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور وہ خود ہی شراب سے دور ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ قرآن کے ان جملوں فھل انتم منتھون سے سارے ملک میں نہ صرف شراب بندی عمل میں آگئی بلکہ اس چیز سے نفرت پیدا ہوگئی جسکے نتیجہ میں مدینہ منورہ میں جو منظر دیکھنے میں آیا پھر چشم فلک نے ایسا نظارہ پھر نہیں دیکھا۔

اسلام نے شراب اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والے شرور و مفاسد اور نقصانات کی نشاندہی کرتے ہوئے لوگوں کو اس سے دور رہنے کی تلقین نہایت موثر لب ولہجہ میں کی، اسکے باوجود بھی جو لوگ اس سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرتے ہیں تو ان کے اوپر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ عہد نبویؐ میں شراب پینے والے کو جوتوں، چپلوں اور سخت مضبوط لکڑیوں سے برسرعام پیٹا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں صحابہ کرام نے اس سزا کو ناکافی تصور کیا اور افتراء کی حد پر قیاس کرتے ہوئے ۸۰ اسّی کوڑے مانے پر اجماع کیا جو شرعی دلیل وحجت کے لحاظ سے کتاب وسنت کے بعد کا درجہ ہے اور اجماع صحابہ پر مبنی یہی قانون تسلسل اور تواتر کے ساتھ نافذ العمل رہا۔

اسلام میں جن جرائم پر حد کی سزا مقرر ہے، ان میں سے ایک جرم زنا ہے، اور اسکا تعلق عورت کی ذات سے ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے عورت کے لئے خاص احکام دیئے تاکہ اس ہلاکت خیز جرم اور گناہ کا خاتمہ عورت ہی کے ذریعہ کیا جائے اور یہ ایسے احکام اور قوانین ہیں جن کے ذریعہ یقینی طور پر زنا کاری کا سد باب ہوسکتا ہے۔

عورتوں سے متعلق یہ احکام دیئے گئے ہیں کہ وہ مردوں کی طرف نظریں اٹھا کر نہ دیکھیں اور نگاہ پڑ جائے تو ہٹالیں، اس ممانعت کا تعلق براست جنسی رجحان اور شہوت سے ہے اگر کسی ضرورت کے تحت کسی مرد کو دیکھنے اور بات کرنے کی حاجت وضرورت پیش آئے تو یہ پہلو ممانعت کے دائرہ میں نہیں ہے۔

عورتیں اپنے بناؤ سنگھار، زیب وزینت، حسن وجمال کو دوسروں پر ظاہر نہ کریں اور اپنی سج دھج دکھاتی نہ پھریں اور اپنے لباس اور اپنے زیورات اور دیگر آرائش جمال کو ظاہر نہ کریں اور ان چیزوں کے ذریعہ اپنے جلوۂ حسن کو نمایاں نہ کرے البتہ اپنے شوہر، سسر، باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا اور نابالغ بچہ کے سامنے یہ چیزیں نمایاں ہوجائیں تو چنداں حرج نہیں تاہم ان رشتہ داروں کے ساتھ بھی اظہار زیب وزینت سے احتیاط کرنی چاہئے۔

عورتیں اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ ولیضربن نخمورھن علی جیوبھن کے نزول کے بعد مسلمان عورتوں میں دوپٹہ رائج کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آج کل کی صاحبزادیوں کی طرح بس

اسے بل دے کر گلے کا ہار بنالیا جائے۔ بلکہ یہ تھا کہ اسے اوڑھ کر سر، کمر، سینہ سب اچھی طرح ڈھنک لئے جائیں۔ اہل ایمان خواتین نے قرآن کا یہ حکم سنتے ہی فوراً جس طرح اسکی تعمیل کی، اسکی تعریف کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سورۂ نور نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سن کر لوگ اپنے گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انہوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں کو اسکی آیات سنائیں۔ انصار کی عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو آیت ولیضربن نخمورھن کے الفاظ سن کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی ہو، ہر ایک اٹھی اور کسی نے اپنا کمر پٹہ کھول کر اور کسی نے چادر اٹھا کر فوراً اس کا دوپٹہ بنایا اور اوڑھ لیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت جتنی عورتیں مسجد نبویؐ میں حاضر ہوئیں، سب دوپٹے اوڑھے ہوئے تھیں۔ اسی سلسلے کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ مزید تفصیل یہ بتاتی ہیں کہ عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے کپڑے چھانٹے اور ان کے دوپٹے بنائے۔ (تفہیم القرآن)

عورتیں ایسے رشتہ داروں کے ساتھ تنہائی میں نہ رہیں جن سے ان کا نکاح ہو سکتا ہے اور کسی بھی اجنبی مرد کے ساتھ اکیلی کسی بھی وقت تنہائی میں نہ رہیں کیونکہ یہ تنہائی اور خلوت عورت و مرد کے لئے جنسی جذبات میں تحریک کا باعث ہوتی ہے۔

عورتیں مردوں کے مجمع سے الگ تھلگ رہیں اور اختلاط سے دور رہیں اور کسی بھی اجنبی مرد کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بڑھ کر بات چیت نہ کریں۔

عورتیں ایسا عریاں لباس نہ پہنیں جس سے جسم کے اعضاء نمایاں ہوسکیں اور ایسا پتلا لباس بھی نہ پہنیں کہ ان کا بدن اندر سے جھلکے، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت اسماء بنت ابی بکر آ پہنچیں تو اس وقت ان کے جسم پر باریک اور پتلا لباس تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فوراً اپنا منہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے چہرہ اور ہاتھ کے سوا اسکے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔

عورتیں گھروں میں رہیں کسی ضرورت ہی سے باہر جائیں۔ اور حجاب کا اہتمام کریں۔ کیونکہ بے حجابی سے بہت سے مفاسد پھوٹ پڑتے ہیں اور یہ اس قدر عام ہین کہ چنداں وضاحت کی ضرورت نہیں۔

غرض اسلام نے عورتوں کو بے حجابی، عریانی، نظر بازی، فحش زبانی اور التفات شہوانی سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے اور یہی وہ عناصر اور عوامل ہیں جن سے بدکاری کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

عورتوں کے علاوہ مردوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اجنبی عورتوں کے ساتھ میل جول بات چیت اور رہن سہن سے اپنا دامن بچائے رکھیں۔

ان تعلیمات اور احکامات کے باوجود بھی کوئی مرد اور عورت اس جرم کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے سخت ترین سزا یہ تجویز کی گئی ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہیں تو سنگ سار کیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے مارے جائیں۔

اسلام ایک دین فطرت ہے اس نے فطرت کے تقاضوں سے چشم پوشی نہیں کی ہے بلکہ ان تقاضوں کو صحیح رنگ اور درست آہنگ کے ساتھ پورا کرنے کی تاکید فرمائی، جنسی خواہشات کی تکمیل ہر مرد اور عورت کی ایک فطری اور طبعی ضرورت ہے اس سے کوئی بھی مرد اور عورت بے اعتناء اور بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اسلام نے رہبانیت اور تجرد کی زندگی گذارنے سے منع کیا، اور نکاح کے ذریعہ اس جذبہ کی تسکین اور تکمیل کا حکم دیا اور کہا کہ نکاح کو اس قدر آسان بناؤ کہ زنا مشکل ہوجائے، یہاں تک اجازت دے دی کہ اگر کسی شخص کو ایک بیوی سے سیرابی اور آسودگی حاصل نہیں ہورہی ہے تو وہ چار بیویوں کو عدل وانصاف کے ساتھ اپنے نکاح میں رکھے لیکن زنا کا دروازہ نہ کھولے۔

اسلام نے اپنے متبعین کو رہبانیت اور تجرد سے دور رکھا۔ جن قوموں نے عورت سے دوری اور مہجوری کو اپنی مذہبیت اور روحانیت کا کمال تصور کیا اور راہبانہ زندگی کو ترجیح تو دے دی لیکن اس غیر فطری نظریہ حیات کو سنبھال نہ سکیں اور جوں ہی جنسی جذبات اور خواہشات کا الاوا ابل پڑا تو روحانیت سسکنے لگ گئی۔ اور جن قوموں نے نکاح کے مقدس رشتہ کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے مرد و زن کے درمیان غیر آئینی جنسی تعلق کو پر کیف زندگی کی معراج تصور کیا اور آزادانہ زندگی کو ترجیح دی تو شہوت اور عریانیت نے صنف نازک سے حیا کی قبا اتار دی اور اسے سماج میں بے توقیر اور بے سہارا کردیا اور اسے صرف مرد کی تسکین کا ذریعہ ٹھہرایا، میاں بیوی کا مقدس رشتہ ٹوٹ گیا۔ خاندان بکھر گئے، حسب اور نسب کا تحفظ وتقدس ختم ہوگیا۔ اور ناجائز نسل وجود میں آگئی اور انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔ آج دنیا کو احساس ہورہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور ہدایات، انسان کی فطرت کے موافق ہیں۔ جن سے انحراف، فطرت سے بغاوت ہے اور فطرت سے بغاوت، انسان کے لئے ہلاکت ہے۔

ہلاکت خیزی کا یہی وہ منظر نامہ ہے جسے دیکھ کر مغربی خواتین اپنی آزادانہ اور وحشیانہ زندگی سے تنگ آگئی ہیں اور وہ اسلام کے قوانین کو گلے لگا رہی ہیں اور اس طرح اسلام کا کلمہ مغربی خاندانوں میں خوشی خوشی پڑھا جارہا ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے لہٰذا اسے جتنا دباتے رہیں گے اتنا وہ ابھرتا ہی رہیگا۔

وما علینا الا البلاغ

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

قرآن وسنت اسلامی تعلیمات کے ایسے سرچشمے ہیں جنکی حیات بخش اور نورانی عرفانی موجیں انسان کی فکری وعملی اوراخلاقی وروحانی زندگی کی آبیاری کرتی ہے، اس آب حیات سے سیراب ہوئے بغیر اسلامی تعلیمات کا کامل فہم اوران پر عمل ناممکن ہے گویا انسانی زندگی کو ہر حیثیت سے ان تعلیمات کا پابند ومطیع بنادینا اس راہ مستقیم کا پالینا ہے جس پر گامزن ہونے کی التجا انسان شعوری یا لاشعوری طور پر ہمہ وقت اپنے خالق اکبر سے کرتا ہے ہر نماز میں انسان راہ راست پر چلنے کی دعا حصول ہدایت کیلئے اسکی اس تڑپ کی دلیل ناطق ہے، انسان کو سیدھا راستہ دکھانے والی یہ تعلیمات سرچشمہ ہدایت بن جاتی ہیں اور طالبان خیر انہیں سے اکتساب نور کرتی ہے۔

آغاز سال نو مورخہ ۱۱ شوال ۱۴۳۳ھ مطابق ۳۰ ماہ اگست 2012ء کو ہوا۔ ہر ریاست سے آنے والے طلباء کو داخلہ دیا گیا۔

دورۂ حدیث مورخہ ۲۵ شوال ۱۴۳۳ھ بروز جمعرات صبح ٹھیک دس بجے دارالعلوم کے ہال میں ہوا جسکی صدارت ڈاکٹر مولانا ابومحمد سید شاہ محمد عثمان قادری مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے کی صحیح البخاری وصحیح المسلم کا آغاز ہوا اور ناظم موصوف کی دعاؤں کے ساتھ یہ مجلس بحسن خوبی ختم ہوئی۔

افتتاحی اجلاس مورخہ ۱۷ ستمبر 2012ء بروز پیر دوپہر ۳ بجے بزیر صدارت مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری صاحب زید مجدہ ناظم دارالعلوم لطیفیہ منعقد ہوا۔

اس جلسے میں خصوصی مہمان کی حیثیت سے حضرت مولانا مفتی سید نیاز احمد جمالی اور مولانا مولوی عبدالرزاق لطیفی صاحب مدعو تھے، مولانا عبدالرزاق صاحب نے طلباء سے خطاب فرماتے ہوئے کہا طلباء پہلے اپنے اندر دلچسپی پیدا کریں اور خوب محنت کر کے علم حاصل کریں نیز مولانا سید نیاز احمد صاحب جمالی پرنسپل جمالیہ عربی کالج پرمبور، مدراس نے عربی زبان میں طلباء سے خطاب فرمایا جس میں علم کی فضیلت پر پُر از معلوماتی مواد رہا اور پھر اردو زبان میں اسکا ترجمہ بھی کردیا

اس طرح ناظم دارالعلوم کی دعاؤں پر یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

نوید مسرت بحمد اللہ امسال بھی ترولور یونیورسٹی کے مختلف امتحانات میں طلباء شریک اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔

امتحانات ہر سال کی طرح اساتذہ کرام کی نگرانی میں ششماہی و سالانہ امتحانات ہوتے ہیں۔ششماہی امتحانات مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق 3 ماہ فروری 2013ء ہوئے اور ہفتہ بھر جاری رہے نیز ۲۵ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق 5 جون 2013ء سالانہ امتحانات شروع ہوئے ۳ شعبان تک جاری رہے۔

عباپوشی وعطائے اسناد ناظم دارالعلوم کی زیر صدارت مورخہ ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۳4ھ مطابق 20 جون 2013ء بروز جمعرات، دارالعلوم کا سالانہ جلسہ بڑے پیمانہ پر منعقد ہوا جسمیں محبان مدرسہ وعلم دوست حضرات، قابل ترین علماء مدعو تھے۔نیز ناظم موصوف کے دست فیض اقدس سے فارغین طلباء کو اسناد پیش کی گئیں۔

تقسیم انعامات اسی دن بعد نماز عصر ایک دوسری نشست منعقد ہوئی جس میں درسیات، مقابلہ تحریر وتقریر اور گیمس واسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو انعامات سے نوازا گیا نیز عہدیداروں کو ان کے خدمات کے صلہ میں مختلف قسم کے انعامات سے سرفراز کیا گیا۔

ہدیہ تشکر ادارہ تمام مدیران اخبارات کا تہہ دل سے مشکور وممنون ہے، جنھوں نے دارالعلوم کے تمام کارروائیوں کو اپنے اخبارات میں اولین وقت پیش فرمایا۔

بالخصوص ادارہ عالی جناب سید الیاس صاحب ویلوری کا تہہ دل سے مشکور وممنون ہے جنھوں نے اپنے خاص وقتوں کا لحاظ کرتے ہوئے دارالعلوم کے اس رسالہ اللطیف کی اشاعت وتزئین میں مصروف رہے، اللہ تعالیٰ تمام مخلصان و معتقدان دارالعلوم کو دنیا وآخرت میں کامیابی وسرخ روئی عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ والہ وصحبہ اجمعین۔

جواہر القرآن

(سورۂ فتح اور اصحاب رسولؐ)

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی:

اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انسانوں ہی میں سے چند افراد کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور کار نبوت کی انجام دہی کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذات گرامی سے شروع ہوا۔ اور ساتویں صدی عیسوی میں پیدا ہونے والے ایک عظیم انسان سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات پر اختتام پذیر ہوا۔ اس طویل عرصہ میں مختلف علاقوں میں حضرات انبیاء مبعوث ہوتے رہے، جنکی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی ان حضرات کرام منجانب اللہ خصوصی کمالات اور خوبیوں حاصل رہیں جن کے باعث وہ عام انسانوں سے جدا گانہ نظر آتے تھے، ہر نبی کو ایک ایسی ممتاز اور منفرد چیز دی جاتی رہی جو اسکی پہچان اور ایک شناخت بن جاتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خصوصی اور امتیازی معاملہ یہ رہا کہ تمام نبیوں کو جو جو کمالات اور خصوصیات دی گئی تھیں وہ سب آپ کی ذات میں جمع کردی گئیں۔ آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری حضور اکرم کو حاصل ہونے والی نعمتوں میں سے دو نعمتیں خصوصی معجزہ کے طور پر دی گئیں، ایک قرآن کریم، دوسری حضرات صحابہؓ۔

قرآن کے مثل کتاب اور صحابہ کے مثل رفقاء کرام کسی نبی اور رسول کو مل نہ سکے اور یہ دونوں معجزات قرآن کریم اور اصحاب رسول علمی اور تاریخی نقطۂ نظر سے اپنی انفرادیت اور امتیازیت برقرار رکھے ہیں اور رہتی دنیا تک ان دونوں کی یہ امتیازی شان عدیم المثال رہیگی اور یہ بات علمی وتحقیقی اور تاریخی اعتبار سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے

پہلے رسولوں کو جو کتابیں دی گئی ہیں وہ صرف اس نبی کی امت اور اسکے جغرافیائی خطۂ ارض کے حالات و مسائل اور تقاضوں سے جڑی رہیں۔ اسکے برعکس نبی کریم ﷺ کو جو کتاب دی گئی وہ کسی خاص قوم، خاص خطۂ زمین اور کسی خاص زمانے کے ساتھ مربوط نہیں ہے بلکہ وہ رہتی دنیا تک سارے انسانوں کی ہدایت کے لئے مخصوص ہے۔ اسی لئے یہ کتاب اپنے زمانۂ نزول کے بعد بھی تاریخ کے ہر دور میں نئی ترقیات کے ساتھ اپنی حالت کو برقرار رکھتے چلی آ رہی ہے۔ ایسے مواقع اور حالات کسی نبی کی کتاب کو میسر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ سابق آسمانی کتابیں، نبیوں کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنی اصلی حالت کھو بیٹھیں، اور ان کتابوں کے اولین حامل اور داعی حضرات دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے بعد آنے والی نسلوں میں یہ روایتی اور زبانی سرمایہ تحریف و تبدیلی کی نذر ہوتا چلا گیا۔ پھر اس سرمایہ کو دوسری زبانوں میں منتقل کیا جانے لگا تو ان تراجم نے اصل کتاب کے مطالب اور معانی کے اندر حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی اور لوگ وحی کے اصل متن سے دور اور نا آشنا ہوتے چلے گئے اور ان کی نظر و فکر تراجم پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

دنیا میں نبی کریم ﷺ کی آمد سے علم و قلم اور تحقیق کا آغاز ہوا۔ ایک علمی و تحقیقی دور کی شروعات کے لئے جو اجزاء اور عناصر مطلوب اور مقصود ہوتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں بالقوۃ کی حالت میں رہے۔ وہی دور نبوت کے بعد بالفعل کے روپ ظاہر ہونے لگے۔ اور یہ سلسلہ تاریخ کے ہر دور میں جاری رہا اور انشاء اللہ آنے والے ادوار میں بھی جاری رہیگا۔ عہد نبوت کے بعد سے علم و قلم اور تحقیق و ایجاد کے تسلسل کو دیکھتے ہوئے عہد نبوی کو علم و تحقیق کا مصدر کہا جائے تو ایک صحیح تعبیر ہوگی۔ آپؐ ہی کی ذات سے جہالت کا دور ختم ہو گیا اور علم کا دور شروع ہوا اور آپ نے دنیا میں اپنی آمد کا مقصد ہی یہ بیان کیا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں بعثت معلما، انبیائے کرام کی تاریخ میں یہ پہلی آواز تھی جو سرزمین مکہ سے اٹھی اور دور دور تک پھیلتی چلی گئی۔

انبیائے کرام کی نبوتوں اور سیرتوں کے باب میں نبی کریمؐ کی نبوت اور سیرت کو عالم گیر حیثیت دی گئی۔ وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا، اور آپ کی نبوت پر سلسلۂ نبوت کو مکمل کر دیا ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین، اسی اختتام نبوت کے باعث آپؐ کی نبوت کو دوام حاصل ہوا اور آپ نے اعلان کر دیا لا نبی بعدی، میرے بعد کوئی نہیں ہوگا۔ تکمیل نبوت، تحفیظ قرآن کا سبب بن گئی، اسی لئے تمام آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں صرف قرآن کریم کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اسکا محافظ بن گیا، انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون، جس چیز کا محافظ اللہ ہو، ظاہر ہے کہ اسکی شان یہی ہونا چاہئے جسکا ذکر خود اللہ نے اپنے

کلام میں کیا لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه ،قرآن میں باطل کی آمیزش کسی جہت اور کسی پہلو سے ہو نہ پائے گی۔

وحی محمدی اور سیرت محمدی کے درمیان نہایت عمیق اور غیر منفصل ربط ہے جن کے مابین انفصال اور مغائرت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، سیرت، قرآن ہے اور قرآن، سیرت ہے۔

بقول حضرت عائشہؓ کا ن خلقه القرآن ،قرآن حضور کی سیرت ہے، بقول مولانا روم، گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود، قرآن کی حفاظت کے ساتھ ساتھ دوسری لائق اعتناء اور قابل توجہ امر صاحب قرآن کی سیرت کا تحفظ تھا۔ اسکی حفاظت عہد نبوی اور دور صحابہ و تابعین میں زبانی روایتوں کے ذریعہ ہوتی رہی پھر تحریری صورت میں یہ روایتیں درایت کی روشنی میں منظم اور مدون اور مرتب ہوئیں جن کو تدوین حدیث کا نام دیا ہے۔ حدیث کا اثاثہ دور نبوت میں بھی تحریر میں رہا لیکن وہ قلیل مقدار میں تھا۔

سیرت طیبہ کی حفاظت میں اصحاب رسول کا بنیادی کردار رہا ہے اور علمی طور پر سیرت ان ہی حضرات کرام سے محفوظ رہی۔ ان حضرات کی زندگی نبی کریمؐ کی زندگی کا آئینہ اور عکس رہی اس طرح سیرت انسانی قالب میں ڈھلتی رہی، پھر وہ نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتی رہی۔

نبی کریمؐ کے رفقاء و مصاحبین جیسے افراد انبیاء کی تاریخ میں کسی نبی کو میسر نہ ہو سکے وہ اپنی مثال خود تھے جن کی نظیر نہ ان سے پہلے تھی نہ آج تک وجود میں آئی اور نہ ہی آئندہ ممکن ہے۔ یہ ناممکن اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ اصحاب رسول کوئی عام انسانی گروہ نہ تھا وہ تو نبی کریمؐ کا ایک معجزہ تھا، پیغمبر کی وفات کے بعد اس نوع کے معجزہ کا ظہور کیونکر ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اصحاب رسول، انسانیت کا خلاصہ اور عطر تھے، ان حضرات کرام کی زندگیوں کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے۔ اللہ نے ان کی تخلیق قرآن اور سیرت کے تحفظ کے لئے کی تھی۔ نبی کریمؐ نے میدان عرفات میں اپنی زندگی کا جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس وقت اصحاب رسول کی تعداد قریباً ڈیڑھ لاکھ تھی اتنی بڑی تعداد میں انبیائے سابقین میں سے کسی نبی کے رفقاء اور مصاحبین نہ تھے۔

اس موقعہ پر آپؐ نے اپنے اصحاب سے کہا تھا، لوگو! اگلے سال ہم تم اس مقام پر شاید اکھٹے نہ ہوں، میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچاؤ یہاں حاضر نہیں ہیں، میں تمہارے درمیان قرآن کریم چھوڑے جا رہا ہوں اسکو تھامے رہو، کبھی گمراہ نہ

ہوں گے۔

نبی کریمؐ کی آمد چھٹی صدی عیسوی کے نصف ثانی میں ۵۷۰ء میں ہوئی اور آپ ساتویں صدی کے پہلے دہے ۶۱۰ء میں منصب نبوت پر فائز ہوئے اور ساتویں صدی کے چوتھے دہے کے آغاز میں ۶۳۲ء میں دنیا سے رخصت ہوئے قرآن کریم کا نزول تیئیس سال میں مکمل ہوا جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت قرآن کریم مختلف اجزاء میں لکھا ہوا تھا۔ اصحاب رسول نے قرآن کو جمع کرنے اور مدّون کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ ان حضرات نے اس عظیم کام کی انجام دہی کے لئے ایک جماعت کی تشکیل کی۔ اور اسکے سربراہ حضرت زید بن ثابت انصاری کو مقرر کیا، جن کی نگرانی میں تمام انصار اور تمام مہاجرین نے مل جل کر تدوین قرآن کے کام کو مکمل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق اس کام کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھے ہوئے رات دن اسی میں لگے رہے۔ اجزائے قرآنی کا تقابل حفاظ کرام کے حافظے سے کیا گیا اور حفاظ کے حافظے کا تقابل اجزائے قرآنی سے کیا گیا۔

اور یہ ساری کارروائی امت کی موجودگی اور ان کے علم میں انجام پائی اور منتشر اجزائے قرآنی کو مدون کرتے ہوئے ایک مجلد کتاب کی صورت دی گئی، متعدد نسخے تیار کئے گئے اور مختلف شہروں کی مسجدوں میں رکھے گئے جہاں سے لوگ قرآن کی نقلیں اتار کر اپنے ساتھ لے جانے لگے، جہاں جہاں اسلام پھیلتا گیا وہاں وہاں قرآن گھر گھر پہنچتا رہا، اس طرح سے ایک تسلسل ہوگیا۔ جو ایک ہزار سال تک قائم رہا، پرنٹنگ پریس کی ایجاد سے نقل نویسی کے دور ختم ہوگیا۔ پریس، حفاظت قرآن میں غیر معمولی اور وسیع کردار ادا کرنے لگا۔ اس طرح سے قرآن کی حفاظت اور اشاعت کا سلسلہ وسیع پیمانہ پر ساری دنیا میں پھیل گیا۔ چنانچہ ہر دور میں قرآن سے متعلق اجماعی، حفاظتی اور اشاعتی عمل تسلسل اور تواتر کے ساتھ جاری ہوگیا۔ اور یہ اعزاز قرآن کے سوا کسی اور آسمانی کتاب کو نصیب نہ ہوسکا۔

قرآن اور سیرت کی حفاظت سے متعلق موافق حالات عہد نبوت ہی سے پیش آتے رہے اسکے بعد کے ادوار میں علم وقلم اور وقت کی تیز رفتار ترقیوں کے ساتھ قرآن اور سیرت کی حفاظت اور اشاعت کی نئی نئی راہیں متعین ہوتی رہی ہیں۔ قرآن اور سیرت کا یہ وقیع سرمایہ اور اثاثہ بغیر کم وکاست کے پوری حفاظت وصیانت کے ساتھ امت میں نسلاً بعد نسلاً پہنچتا رہا، یہ اصحاب رسول کی امانت دارانہ اور دیانت دارانہ طبیعت کا صدقہ ہے جو انہوں نے عنداللہ مسئولیت کے خوف واحساس سے قرآن اور صاحب قرآن سے منسلک ایک ایک چیز کو اپنے بعد والوں کو سونپ دیا، ایسی نظیر اور مثیل کسی نبی کے اصحاب کے ہاں نہیں ملتی ہے۔

اصحاب رسول کی ایک نمایاں اور منفرد شان یہ ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ سابقہ آسمانی صحیفوں اور اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کی مذہبی وعوامی روایتوں میں ان کی بعض علامات اوران کے بعض حالات پائے جاتے ہیں۔ یہ بات مذہبی اور تاریخی حیثیت سے کافی مشہور ہے کہ یہود ونصاریٰ نبی کریمؐ کو آپ کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی سے جانتے تھے۔ توراۃ اور انجیل میں آپ کے امّی ہونے کی صراحت ہے اور آپ کی اصلاحی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے اور یہاں تک بات مشہور تھی کہ اہل کتاب نبی کریمؐ کو ایسا ہی جانتے تھے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو جانتے ہیں۔

غرض حضورﷺ کے احوال وکوائف کے ساتھ ساتھ کسی قدر اصحاب رسول کے احوال سے بھی یہود ونصاریٰ واقف تھے۔ صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ سے متعلق بعض روایات ملتی ہیں کہ اہل کتاب کے علماء اور مشائخ ان دو حضرات کرام سے واقف تھے حضرت صدیقؓ کے بارے میں حضرت جبیر بن مطعم کی ایک روایت جمع الفوائد کے حوالہ سے مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔

حضرت جبیر اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک مرتبہ شام گئے تھے جہاں ان کی ملاقات ایک یہودی عالم سے ہوئی تو اس نے ان سے پوچھا، کیا تم مکہ مکرمہ کے باشندے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں، پھر اس نے پوچھا، سنا گیا ہے کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، کیا یہ خبر سچ ہے۔ انہوں نے جواب دیا، ہاں، یہ خبر صحیح ہے، میں مدعی نبوت کو اچھی طرح سے جانتا ہوں، وہ ہمارے ہی قبیلہ قریش کے آدمی ہیں۔

اس گفتگو کے بعد وہ یہودی مجھے اپنے گھر لے گیا، میں نے دیکھا اس نے قلم سے نبی کریم کے حلیہ مبارک کا خاکہ کھینچا ہے اور آپ کے پیچھے ایک اور آدمی کا خاکہ ہے۔

میں نے نبی کریمﷺ کی شبیہ مبارک کو پہچان لیا لیکن دوسرے شخص کو پہچان نہ سکا یہ دیکھ کر اس نے کہا، ان سے پہلے جو انبیاء آتے تھے تو ان کے بعد بھی انبیاء ہوتے تھے لیکن اب اس نبی کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے یہ آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد خلفاء ہوں گے، یہ دوسرا شخص ان کا پہلا خلیفہ ہوگا۔

اہل کتاب کے علماء کو حضرت عمر بن خطاب کے تعلق سے کچھ زیادہ ہی معلومات تھیں اور وہ آپ کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے چنانچہ شام کے کلیسا کے ایک راہب نے حضرت عمر کو دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ یہ نبی آخر الزمان کے دوسرے خلیفہ ہوں گے اور ہمارا یہ علاقہ ان کے زیر تسلط آجائے گا۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حضرت عمر کے بارے میں ایک روایت ازالۃ الخفاء میں درج کی ہے جو

نہایت دلچسپ اور عجیب وغریب ہے۔

یہ واقعہ حضرت عمر بن خطاب کے سفر بیت المقدس سے تعلق رکھتا ہے۔آپ کے دور خلافت میں بیت المقدس فتح ہوا۔ اسکی فتح کے وقت حضرت عمر دار الخلافت مدینہ منورہ میں تھے یہودیوں اور عیسائیوں کے ارباب حل وعقد نے خواہش ظاہر کی کہ خلیفہ وقت فلسطین تشریف لائیں۔ ہم ان سے ملاقات کے متمنی ہیں ہمارے اور ان کے درمیان بعض امور ومعاملات، گفتگو کے ذریعہ طے پانے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو سب کی رائے یہی رہی کہ آپ یہ سفر اختیار کریں۔آپ کا یہ سفر انتہائی اہم اور تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔اس موقعہ پر آپ نے جو فیصلے اور اقدامات کئے ہیں۔ان کی افادیت آج بھی برقرار ہے۔آپ نے یہ سفر اپنے ایک غلام کے ساتھ کیا تھا۔اس موقعہ پر آپ نے جس طرح کے عدل ومساوات اور سادگی وبے نفسی کا اظہار کیا اسکی مثال پیش کرنے سے آج بھی دنیا قاصر ہے۔

حضرت عمر اپنے غلام کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اونٹ ایک ہی تھا۔آپ چند کیلومیٹر تک اونٹ پر سوار رہتے، غلام پیدل چلتا، پھر آپ اتر جاتے، غلام اونٹ پر سوار ہو جاتا، آپ پیدل چلتے، یہی سلسلہ باری باری چلتا رہا یہاں تک کہ فلسطین پہنچ گئے۔ جب شہر میں داخلہ کا وقت آیا تو عجیب اتفاق کہئے کہ اونٹ پر بیٹھنے کی باری غلام کی آ گئی آپ نیچے اتر گئے، غلام نے عرض کیا، آپ اونٹ پر بیٹھے رہئے، آپ خلیفہ وقت ہیں اہل کتاب کے بے شمار علماء ومشائخ، احبار ورہبان اور سرکردہ افراد آپ کے استقبال کے لئے کھڑے نظر آرہے ہیں۔ میرا اونٹ پر بیٹھنا غیر مناسب ہے۔ غلام اصرار کرتا رہا لیکن آپ نے اسکی ایک نہ مانی۔ اور کہا، باری تو تمہاری ہے میں کیسے بیٹھ سکتا ہوں، غلام ہی کو اونٹ، پر بٹھایا اور خود نکیل پکڑے ہوئے پیدل چلنے لگے، جب شہر میں داخل ہوئے تو ہزاروں کے مجمع نے آپ کو آ گھیرا، اہل کتاب کے علاوہ صحابہ کرام اور مقامی مسلمانوں کی خاصی تعداد تھی، یہود ونصاریٰ نے یہ منظر دیکھا تو حیران رہ گئے اور خلیفہ کی سادگی سے بھی غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے کہ عالم اسلام کا عظیم حکمران جس کے بدن پر لباس بھی اس منصب کے شایان شان نہیں ہے بلکہ معمولی کپڑے بدن پر ہیں۔ کسی قسم کی ظاہری شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کی کوئی علامت نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس سفر میں اپنے خطابات سے مسلمانوں اور اہل کتاب دونوں کو مستفیض فرمایا۔ مقام جابیہ میں ایک خطاب کے بعد آپ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اس وقت ایک نہایت ضعیف بوڑھا شخص آپ سے آ کر ملا

اور آپ کے ہاتھوں میں ایک کاغذ تھما دیا۔ آپؓ نے اس کاغذ کو بہت غور اور توجہ کے ساتھ دیکھا اور بار بار مسلسل دیکھتے رہے اور اس وقت آپ کے چہرہ پر حیرت و تعجب کے آثار نمایاں تھے۔ کچھ دیر بعد آپ بوڑھے شخص سے مخاطب ہوئے اور اس سے فرمایا۔ اے بزرگ راھب یہ نہ میری ملکیت ہے اور نہ ہی میرے بیٹے کی ملکیت ہے۔ یہ تو مسلمانوں کی ملکیت ہے اور میں اس اثاثہ اور سرمایہ کا متولی ہوں جس طرح کوئی شخص کسی یتیم کے مال و اسباب اور جائیداد کا متولی اور سرپرست ہوا کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر راھب تو آپ کی بات کو سمجھ گیا لیکن دوسرے لوگ جو وہاں موجود تھے، کچھ سمجھ نہ سکے کہ اس بوڑھے نے اس کاغذ میں کیا لکھا تھا اور حضرت عمر یہ جواب کس لئے دے رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ ہی حاضرین سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ میں جوان تھا۔ اور دور جاہلیت میں ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ جب ہمارا قافلہ واپس ہوا اور کچھ دور چلا گیا تو اس وقت مجھے یاد آیا کہ میرا کچھ سامان وہاں رہ گیا ہے جہاں قافلہ پڑاؤ ڈالا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، تم لوگ آگے بڑھو میں اپنا سامان لے کر آپ لوگوں سے آ کر مل جاؤں گا۔ آپ میری فکر نہ کریں، قافلہ آگے بڑھا اور میں پیچھے چلا اور اپنا بھولا ہوا سامان لے لیا اور وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ کچھ دور جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں دوسرے راستہ پر چل پڑا ہوں اور اپنے قافلہ سے جا نہیں مل سکتا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں اپنے قافلہ سے بچھڑ گیا ہوں، اسی سوچ اور فکر میں آگے بڑھتا رہا کہ رات ہو گئی، ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور میں بہت تھک گیا تھا اور چاہتا تھا کہ یہیں کہیں ٹھہر جاؤں، اسی اثناء میں مجھے ایک روشنی نظر آئی تو میں اسی سمت چل پڑا، قریب پہنچ کر دیکھا تو یہ عیسائیوں کا کلیسا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ میں کلیسا کے بر آمدے میں ٹھہر گیا مجھے نیند آ گئی تو وہیں سو گیا۔ صبح میرے آنکھ کھلی تو کلیسا کا راھب اندر سے دروازہ کھول رہا ہے، میں اٹھ بیٹھا اور میرے پاس آیا، اور میرے چہرے کو بہت غور سے دیکھنے لگا، پھر مجھ سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو، اور یہاں کیسے آ پہنچے، میں نے کہا میں مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہوں، اس نے میرا نام پوچھا، میں نے بتلا دیا، والد کا نام پوچھا، میں نے بتلا دیا، پھر اس نے میرے قبیلہ کا نام پوچھا، میں نے بتلا دیا، اسکے علاوہ بھی کچھ اور باتیں پوچھی، میں نے بتلا دیا۔

اسکے بعد وہ مجھے کلیسا کے اندر لے گیا اور بڑی شفقت کے ساتھ پیش آیا، مجھ سے کہنے لگا، میرا خیال ہے کہ تم بھوکے ہو، میں تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کئے دیتا ہوں، یہ کہہ کر چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے بہترین کھانے کا

انتظام کر دیا۔ اور بڑی محبت سے مجھے کھلایا اور پلایا، میں کچھ دیر کلیسا میں ٹھہرا رہا، اس کے بعد میں نے راہب سے چلے جانے کی اجازت چاہی تو اس نے کہا، آپ سے میری ایک گذارش ہے، یہ کہتے ہوئے اس نے میری جانب ایک کاغذ بڑھا دیا اور کہنے لگا آپ اس کاغذ پر صرف اتنا لکھ دیجئے کہ اس کلیسا سے متعلق جو جائیداد ہے، میں نے کلیسا کے حق میں بحال رکھی ہے۔

راہب کی یہ باتیں سن کر میں کافی حیران اور ششدر رہ گیا، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ راہب اس طرح کی باتیں مجھ سے کیوں کر رہا ہے۔ میں نے کہا، یہاں کے کیلسا کی جائداد سے میرا کیا تعلق ہے۔ میں تو بھٹکا ہوا ایک اجنبی اور مسافر ہوں، اور اتفاق سے تمہارے پاس آ پہنچا ہوں۔

یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی راہب وہی باتیں کرتا رہا، جس سے میری الجھن بڑھتی جا رہی تھی، اور وہ میری جانب اس کاغذ کو آگے بڑھاتا ہی رہا اور یہ کہتا ہی رہا کہ برائے کرم آپ اس کاغذ پر اتنا لکھ دیجئے جو میں آپ سے مسلسل کہہ رہا ہوں، اس کے غیر معمولی اصرار سے میرے دل میں خیال آیا کہیں یہ شخص میرے ساتھ مذاق اور مزاح تو نہیں کر رہا ہے۔

پھر بھی میں نے راہب سے کہا، آپ نے میرے ساتھ ایک نازک وقت میں حسن سلوک کیا، اور بڑی اپنائیت سے مجھے کھلایا پلایا اور اپنے پاس ٹھہرایا، آپ مجھ سے غیر متعلق اور غیر موزوں بات کہہ کر مکدر نہ کیجئے اور مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ اتنا سب کچھ کہنے اور سننے کے باوجود راہب نے پھر وہی رٹ لگائی تو میں سوچ لیا کہ اب مجھے یہاں سے نکلنا ہی چاہئے اور مجھے اپنی منزل پہنچنے کی جلدی بھی تھی، میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ راہب کے حسب خواہش اپنے قلم سے یہ بات لکھ کر یہاں سے چلتا بنوں۔ چنانچہ میں نے راہب کے ہاتھ سے یہ کاغذ لے لیا اور لکھ دیا کہ اس کلیسا سے متعلق جو زمین و جائیداد ہے میں نے اس کلیسا کے حق میں بحال رکھی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ حاضرین و سامعین کی جانب متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا یہ وہی کاغذ ہے جو اس وقت یہ بوڑھا راہب مجھے بتلا رہا ہے اور یہ وہی راہب ہے جس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اور یہ میری ہی تحریر ہے جو میں نے اس کو لکھ دی تھی۔ اب یہ جناب راہب میری اس تحریر کو بنیاد بنا کر یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس کلیسا کی جاگیر پر آپ قبضہ نہ کریں اور اسی حالت پر برقرار رکھیں۔

حاضرین نے جب یہ ساری باتیں حضرت عمرؓ کی زبانی سنیں تو اس بوڑھے راہب کی جانب متوجہ ہوئے اور اس

سے سوال کیا کہ آپ کو حضرت عمرؓ سے متعلق یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ اس علاقہ پر وہ قابض ہو جائیں گے اور یہاں کی ساری چیزیں ان کی تحویل میں آ جائیں گی۔ راہب نے جواب دیا، حضرت عمرؓ جب کلیسا میں آ کر ٹھہرے تو میں نے ان کے چہرہ پر وہ ساری علامتیں دیکھ لی جو ہماری مذہبی روایتوں میں ملتی ہیں اور ہمارے مذہبی صحیفوں میں یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ ان کا اقتدار بیت المقدس پر قائم ہوگا۔ میں نے ان کا نام اور دیگر تفصیلات پوچھا تو وہ ہماری معلومات کے مطابق اور موافق تھیں جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ یہی وہ نوجوان ہے جو نبی آخر الزمان کا خلیفہ ہوگا اور اسی کے ہاتھ بیت المقدس فتح ہوگا اور یہ سرزمین، خلافت اسلامیہ کے قلمرو میں چلی جائیگی۔

توراۃ اور انجیل میں اصحاب رسول سے متعلق آئی ہوئی بعض باتوں کی تصدیق وحی محمدی نے بھی کی ہے، ان کی صراحت اور ثقاہت کے بارے میں اس سے بڑھ کر مستند پہلو اور کیا ہوسکتا ہے کہ وحی کی توثیق ایسی وحی کے ذریعہ ہورہی ہے جو تحریف وتبدیل اور تنسیخ سے محفوظ ہے۔ اگر آج دنیا میں توراۃ اور انجیل کے صحیح اصل نسخے پائے جاتے تو قرآن کریم سے تقابل کرتے ہوے اس حقیقت کو نمایاں کیا جاسکتا ہے جو قرآن کریم بیان کررہا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ توراۃ اور انجیل تحریف کا شکار ہو چکے ہیں اور ان میں تبدیلی اور تغیر کا اعتراف اور اقرار خود یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور فضلاء نے کیا ہے۔

قرآن کریم میں اصحاب رسول کی ایک علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات اور کیفیات پائی جائیں گی جن سے وہ پہچانے جائیں گے، اور وہ قدسی صفات ہوں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب توراۃ استثناء میں نبی کریمؐ کی آمد مبارک کا ذکر کرتے ہوے اصحاب رسول کے لئے قدسیوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں، اصحاب رسولؐ کی فوجیں جب شام میں داخل ہوئیں تو شام کے عیسائی کہتے تھے کہ مسیح کے حواریوں کی جو شان ہم سنتے تھے یہ تو اسی شان کے لوگ نظر آتے ہیں۔

تحریف شدہ توراۃ میں نبی آخر الزمان سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی صفات کا ذکر سفر استثناء میں بھی موجود ہے۔

یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرئیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند، سینا سے آیا، اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ اور فاراں کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، اور اسکے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت، ان کے لئے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اسکے سارے مقدس (ہمراہی) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

مذکورہ اقتباس میں آئندہ کی باتوں کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے جو توراۃ کا اسلوب اور طرز ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ جو بشارت سنائی ہے کہ کوہ فاران سے ایک نبی مبعوث ہوگا، جسکے ہاتھ میں آتشی شریعت ہوگی، اور اسکے ساتھ دس ہزار مقدس اصحاب ہوں گے، جو اللہ کے رضا وخوشنودی کے خواہاں اور طلبگار رہوں گے، اور اسکی باتوں کو بسر وچشم قبول کریں گے اور وہ نبی، اپنے لوگوں سے بڑی محبت والفت رکھے گا۔

یہ پیشن گوئی پیغمبر عرب اور ان کے اصحاب کے سوا کسی اور پیغمبر اور اسکے اصحاب پر صادق نہیں آتی۔ اسکے مصداق سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ ہی کے اصحاب ہیں۔

اس لئے کہ کوہ سعیر اور کوہ فاراں، یہ ان پہاڑیوں کا سلسلہ ہے جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک پھیلا ہوا ہے، اور یہی حضور اکرم ﷺ کی بعثت اور آپ کی نبوت کا مرکز رہا ہے۔ اور اس نبی کے ہاتھوں میں آتشی شریعت ہوگی، وہ بجز قرآن کریم کے دوسری کتاب ہو ہی نہیں سکتی، جس کی حدت اور صحت میں کوئی کمی واقع نہ ہوسکی اور وہ تحریف کا شکار نہ ہوسکی۔ اور تمام آسمانی کتابوں میں وہی محفوظ رہ سکی اور اسی نے اپنی تکمیل کا اعلان کیا اور اسی سے سارے انسانوں کی رہبری اور قیادت کا دعویٰ کیا۔ یہ وہ پہلو ہیں جو صرف آتشی شریعت ہی کے ہوسکتے ہیں، اس نبی کے ساتھ دس ہزار انفاس قدسی ہوں گے، وہ حضور اکرم ﷺ کے اصحاب ہی ہیں کیونکہ فتح مکہ کے موقعہ پر اصحاب رسول کی تعداد دس ہزار ہی تھی۔ اور وہ نبی اپنی امت سے بے حد پیار کرتا ہے۔ یہ صفت بجز سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور پیغمبر کی نہیں ہے۔ قرآن نے اور پیغمبر کی سیرت نے اسکی تصدیق کردی۔ حريص عليكم بالمؤمنين رئوف رحيم۔

اور اس نبی کی امت بالخصوص ان کے اصحاب، اللہ کی ساری باتوں کو قبول کرلے گی چنانچہ یہ ایک روشن اور مسلم حقیقت ہے کہ اطاعت الٰہی اور طاعت پیغمبرؐ میں اصحاب رسول نے جو نظیر قائم کی ہے بجز ان کے کسی نبی کے اصحاب نے پیش نہیں کی۔

انجیل متی اور مرقس میں اصحاب رسولؐ کی صفت کو ایک تمثیل کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اسکی تائید اور تصدیق سورہ فتح کی ایک آیت میں ہے۔

''اور اس (حضرت مسیحؑ) نے کہا، خدا کی بادشاہی ایسی ہے، جیسے کوئی آدمی، زمین میں بیج ڈالے، اور رات کو سوئے، اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے، پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا۔

وہ رائی کے دانے کے مانند ہے جب کہ زمین میں بویا جاتا ہے، زمین کے سب بیجوں میں چھوٹا ہوتا ہے، مگر جب بو دیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے، اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کرتے ہیں۔

مولانا سید سلیمان لکھتے ہیں:

کون نہیں جانتا کہ اسلام کی جسمانی و روحانی اور ظاہری و باطنی دونوں بادشاہوں کے جلوس وموکب کا دن، فتح مکہ کا دن ہے۔ اور آسمانی بادشاہی کی یہ تمثیل پوری ہوئی کہ (سیدنا) محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نام ایک کاشتکار نے ایک بیج زمین میں ڈالا اور اس سے سینکڑوں ہزاروں خوشے پیدا ہوئے اور اس نے آسمانی بادشاہی کی منادی کی۔ (سیرت النبیؐ)

امام بغوی فرماتے ہیں: انجیل میں یہ مثال اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسولؐ کے لئے دی ہے کہ وہ قلیل ہوں گے، پھر زیادہ ہوں گے اور بے پایاں کثیر ہوں گے اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ کی مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ وہ ایسی امت ہوگی جو کھیتی کے پودوں کی طرح اُگے گی، اور معروف کا حکم دے گی اور منکر سے منع کرے گی۔ (تفسیر مظہری ج۹)

اللہ کی مقدس کتابوں میں انجیل کے بعد نازل ہونے والی آخری آسمانی کتاب قرآن کریم ہے جس میں اصحاب رسولؐ کا ذکر کہیں مختصر اور کہیں مفصل موجود ہے جس کے مطالعہ سے ان حضرات کرام کی زندگی کے مختلف اور متعدد پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔

قرآن نے امت محمدیؐ کو خیر امت اور امت وسط قرار دیا ہے اور اصحاب رسولؐ اس امت کے اولین افراد ہیں جو اس اعزاز اور اکرام کے پہلے اور صحیح مستحق ہیں۔ **کنتم خیر امة** (ال عمران) و **کذلک جعلنکم امة وسطا** (بقرہ) اور اس دینی، دعوتی اور اصلاحی کردار کے اولین حامل ہیں **تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر** (ال عمران) لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برائی سے منع کرتے ہیں۔ اور انہیں خصوصی طور پر کتاب وحکمت کا علم دئے جانے کی صراحت کی ہے۔ **اتینھم الکتاب والحکم** (الانعام) راہ خدا میں ان کی ہجرت مقبول ہونے اور ان کے سچے مومن ہونے کی گواہی دی۔ **اولئک ھم الصدقون** (الحشر) دین وایمان کے تحفظ اور اللہ کی خوشنودی کی خاطر شہروں سے نکالے جانے کے باعث جو صعوبتیں اور مصیبتیں ان حضرات کو پہنچیں، اسکے صلہ میں جنت کی بشارت سنائی گئی۔

ولا دخلنھم جنت (ال عمران)

اہل مکہ جب مدینہ منورہ چلے آئے تو وہاں کے باشندوں نے مہاجرین کے ساتھ جس طرح سے نصرت کی، تاریخ اسلام میں اسکی مثال مفقود ہے اسی نصرت وحمایت کی وجہ سے قرآن نے مدینہ کے باشندوں کو انصار کے نام سے یاد کیا، اور آخرت میں ان کے کامیاب وکامران ہونے کی شہادت دی فاولئك هم المفلحون (الحشر) اصحاب رسولؐ کے دل ایمان سے مزین اور مرغوب ہونے اور کفر ومعصیت اور فسق وفجور سے متنفر ہونے کی خبر دی اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راضی اور خوش ہونے کی صراحت کردی اور ان کے اہل حق اور معیار حق ہونے کی گواہی دی۔ وزينه في قلوبكم وكره اليكم الكفر، واولئك هم الراشدون (الحجرات) اور ان کی توبہ کی قبولیت اور ان کے اعمال کی مقبولیت کا اعلان کیا۔ لقد تاب الله على النبى (التوبہ) لقد رضى الله عن المؤمنين (الفتح)

یہاں صرف قرآن کی چند ہی آیتوں کو نقل کیا گیا ہے جو تمام اصحاب رسولؐ کی فضیلت وشرافت اور کرامت سے متعلق ہے ان کے علاوہ بعض ایسی آیات ہیں جو شخصی اور انفرادی فضیلت کی حامل ہیں۔ چنانچہ سورۃ توبہ میں حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارۃ بن ربیع اور حضرت بلال بن امیہ کی توبہ مقبول ہونے کا ذکر آیا ہے (وعلى الثلثة الذين خلفوا) اور اسی سورۃ میں حضرت ابوبکر کا ذکر بھی ہے جب کہ آپؐ ہجرت کے موقعہ پر نبی کریمؐ کے ساتھ غار ثور میں ٹھہرے تھے، اذهما في الغار ، اور سورۂ نور میں حضرت عائشہ کے عفت وعصمت اور پاک دامنی کی صراحت کی گئی، سبحنك هذا بهتان عظيم سورہ احزاب میں حضرت زید بن ثابت کا ذکر ان کے نام کے ساتھ آیا۔ فلما قضى زيد، اور بعض آیات ایسی ہیں جو حضرت عمر بن خطاب کی رائے اور فکر کے مطابق نازل ہوئیں مثلاً پردہ کی آیتیں وغیرہ اور کچھ آیات بعض اور صحابہ کرام کی شان میں بھی ملتی ہیں۔

اس وقت ان تمام آیتوں کا احاطہ مقصود نہیں ہے جو صحابہ کرام کی شان میں بلاواسطہ یا بالواسطہ آئی ہوئی ہیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کی اکثر وبیشتر آیات کے نزول کا تعلق اور سبب حضرات صحابہ ہی ہیں، اس طرح سے پورا قرآن صحابہ کی شان ہی میں نظر آئے گا۔ لیکن اس وقت ہمارے پیش نظر سورہ فتح ہے جسکی روشنی میں اصحاب رسولؐ کا ذکر مقصود ہے۔

سورۂ فتح قرآن کریم کی ایک ایسی سورت ہے جو نبی کریمؐ اور آپ کے اصحاب کے لئے فتوحات کے حصول اور

برکات کے نزول کا ایک مقدمہ ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپؐ حدیبیہ سے مدینہ منورہ واپس ہو رہے تھے، اس سورۃ کا ایک تاریخی پس منظر ہے جسکے مطالعہ اور جائزہ کی بڑی اہمیت اور ضرورت ہے۔

نبی کریمؐ اور آپؐ کے اصحاب کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کئے ہوئے چھ سال کی مدت گذر چکی تھی۔ اس عرصہ میں اپنے پیدائشی شہر کی طرف رخ کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا کیونکہ کفار مکہ نے نفرت وعداوت اور حرب وضرب کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ باہمی لڑائیوں اور تلخیوں کے باعث مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان آمد ورفت بند تھی۔ ان ہی حالات میں نبی کریمؐ نے خواب دیکھا کہ آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے ہیں اور عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ آپؐ نے اپنا خواب صحابہ کو سنایا تو سب کے دلوں میں سفر مکہ اور عمرہ کی ادائیگی کا شوق پیدا ہو گیا اور ہر طرف یہ خبر پھیلنے لگی کہ نبی کریمؐ اور آپؐ کے اصحاب عمرہ کا قصد کر رہے ہیں چنانچہ ذی قعدہ ۶ھ کے شروع میں آپؐ اپنے اصحاب کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ منورہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ ذوالحلیفہ (بئر علیؓ) پہنچ کر عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور رکھ لئے اور کسی قسم کے ہتھیار اپنے ساتھ نہیں رکھا تا کہ مکہ والوں کو یقین ہو جائے کہ عمرہ کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔

چودہ سو صحابہ کرامؓ کا یہ قافلہ نبی کریمؐ کی قیادت میں لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتا ہوا سوئے حرم چل پڑا۔ مختلف قبائل کے لوگوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا یہ جم غفیر ماہ حرام میں احرام باندھے قربانی کے اونٹ لے غیر مسلح حالت میں بیت اللہ کی زیارت وطواف کے لئے جا رہا ہے، اس منظر سے ہر کسی کو یقین ہو گیا کہ اس طائفہ کا مقصد بجز عمرہ کے دوسرا نہیں ہے۔ اس وقت حرم کے پاسبان، قریش تھے اور وہ نبی کریمؐ کے بدترین اور سخت ترین دشمن تھے انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے نہ دیا جائے۔ حالاں کہ حج اور عمرہ اہل عرب کے نزدیک ایسی عبادت اور زیارت تھی جسکے لئے اجازت عام تھی خواہ زائرین حرم دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔

نبی کریمؐ عمرہ کے لئے نکلنے سے پہلے بنی کعب کے ایک شخص کو مکہ مکرمہ بھیج دیا تھا تا کہ وہ قریش کے ارادوں اور منصوبوں سے آپؐ کو مطلع کرے۔ جب آپؐ مقام عسفان پہنچے تو اس مخبر نے آپؐ کو اطلاع کہ قریش آمادۂ جنگ ہیں اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر مقام طوی میں پہنچ چکے ہیں تا کہ اسی جگہ سے آپؐ اور صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ کی جانب پیش قدمی سے روک سکیں۔

قریش نے حضرت خالد بن ولید (جو اس وقت مسلمان نہ تھے) کو دو سو سوار دے کر بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو حرم کی طرف جانے سے روک دے۔ نبی کریمؐ کو ان حالات کا علم ہوا تو آپؐ نے حرم کا عام راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار

کیا جونہایت دشوار گذار تھا۔

آپؐ نے یہ راستہ اس لئے بدل دیا کہ قریش سے مدبھیڑ نہ ہواور یہ الزام سر نہ آئے کہ محمدؐ کا مقصد عمرہ نہیں تھا وہ جنگ ہی کے ارادے سے آئے ہیں۔ نبی کریمؐ اس دور دراز پریشان کن راستہ طے کرتے ہوئے حدیبیہ پہنچے جو مکہ مکرمہ سے قریباً پندرہ کیلومیٹر کے فاصلہ پر شمال میں واقع ہے۔

قبیلہ بنوخزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء اپنے چند اصحاب کے ہمراہ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے آنے کی غرض دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا، ہم صرف عمرہ ادا کرنے کے خیال سے آئے ہیں۔ اسکے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہم حالت احرام میں ہیں ہمارے یہ قربانی جانور ہیں اور ہمارے نزدیک کسی قسم کے ہتھیارات نہیں ہیں۔ ہمارے پاس صرف ایک تلوار ہے وہ بھی نیام میں ہے اور آپ تو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہ اہل عرب کے دستور کے مطابق زائرین حرم کا حق ہے۔ بدیل نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی حالت اور کیفیت کا مشاہدہ کرلیا اور اسے یقین ہوگیا کہ یہ حضرات صرف زیارت کعبہ اور اسکے طواف کی نیت سے آپہنچے ہیں۔ بدیل واپس چلا گیا اور قریش کے اکابر سے عرض کیا کہ ان زائرین کو عمرہ کی اجازت دے دو۔ حرم میں داخل ہونے سے روکنا، یہ ہماری مذہبی اور آبائی روایت کے خلاف ہے۔

قریش نے اس سردار کی باتوں پر چنداں اہمیت نہیں دی اور اپنے موقف ہی پر قائم رہے۔ اسکے بعد انہوں نے ایک ایسے آدمی کو نبی کریمؐ کی خدمت میں بھیجا جو اطراف مکہ کے قبائل کے متحدہ بلاک کا سردار تھا۔ اس آدمی کو بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ وہ نبی کریمؐ اور صحابہ کرام کو واپس چلے جانے پر دباؤ بنائے رکھے گا، اور اگر محمدؐ اور آپؐ کے اصحابؓ واپس لوٹنے پر رضامند ہوگئے تو ہماری منہ مانگے مراد پوری ہوجائے گی، اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الجھ گیا اور جنگ کی صورت پیدا ہوگئی تو ہمارے موقف کو قوت حاصل ہوجائے گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو حرم میں داخلہ پر پابندی عائد کرنے والوں میں مختلف قبائل کی شمولیت ہوجائے گی۔

متحدہ قبائل کا سردار جلیس بن علقمہ حضورؐ کی خدمت میں آپہنچا، اور اس نے یہ منظر دیکھا کہ نبی کریمؐ اور آپؐ کے اصحابؓ غیر مسلح ہیں اور حالت احرام میں ہیں، ان کے ساتھ قربانی کے جانور ہیں، تو خاموش واپس چلا گیا اور قریش سے کہا ، جن لوگوں کا مقصد صرف بیت اللہ کا طواف اور زیارت ہو، ان کو حرم میں جانے سے کیسے روکا جاسکتا ہے لہٰذا آپ خدام کعبہ سے میری گذارش ہے کہ ان زائرین حرم کو عمرہ ادا کرنے سے نہ روکیں۔

قریش اس سے الجھ پڑے تو سردار نے یہ کہتے ہوئے اپنی راہ لی، اس معاملہ میں ہم تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔

قریش کی آخری وقت تک یہی کوشش رہی کہ کسی طرح مسلمانوں سے تصادم ہوجائے اور تمام قبائل پر یہ بات واضح ہوجائے کہ نبی کریمؐ اور آپؐ کے اصحاب، حرام مہینوں میں عین حرم کے حدود میں جنگ کرنے کے لئے آپہنچے ہیں اور یہ چاہتے تھے کہ نبی کریمؐ اور آپؐ کے اصحابؓ جنگ میں پہل کردیں تو مسلمانوں کی جارحیت کی تشہیر کردیں۔لیکن نبی کریمؐ نے انتہائی صبر وضبط اور تحمل کا مظاہرہ کیا دن گذرتے رہے ایسی کوئی بات پیدا نہیں ہوئی تو یہ دیکھ کر قریش نے عروہ بن مسعود سقفی کو نبی کریمؐ کی خدمت میں بھیجا تا کہ یہ جا کر نبی کریمؐ اور آپؐ کے اصحاب کو واپس چلے جانے پر آمادہ کرلے گا کیونکہ عروہ کو سفارتی امور میں غیر معمولی صلاحیت تھی اور اس نے مختلف قبائل کے نازک اور پیچیدہ مسائل کو بڑی آسانی کے ساتھ حل کر دیا تھا۔اس لئے بڑی امید تھی کہ عروہ کے ذریعہ یہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

عروہ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے بھی اپنی آمد کی وہی غرض بیان کی جوان سے پیش روسفیروں کے سامنے بیان کی تھی، عروہ حدیبیہ سے واپس لوٹ گئے قریش ان کی واپسی اور اچھی خبر کا بڑی بے چینی سے انتظار کررہے تھے۔ جب یہ حرم میں پہنچے تو اکابر قریش کے سامنے ایک بیان دیا۔

اے سرداران قریش! میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے بڑے پروقار عالی شان درباروں میں گیا ہوں مگر خدا کی قسم میں نے دربار محمدؐ جیسا کہیں نہیں دیکھا، یہاں کا وہ منظر ہے جو بڑے بڑے بادشاہ کے ہاں بھی میں نے دیکھا نہیں، اصحاب محمدؐ کو جس طرح محمدؐ کے فدائی دیکھ آیا ہوں ایسی مثال دنیا کے کسی بادشاہ کے ہاں میں نے دیکھی نہیں، محمدؐ کے اصحاب محمدؐ کی اس قدر تعظیم وتکریم کرتے ہیں کہ کوئی بھی ان سے آنکھ میں آنکھ ملا کر بات نہیں کرتا۔اور ان کے سامنے اپنی آواز کو بلند نہیں کرتا۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو سب کے سب ہمہ تن گوش ہوجاتے ہیں۔ جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو اسکو پورا کرنے کے لئے ہر کوئی دوڑ پڑتا ہے۔ محمدؐ وضو کرتے ہیں تو پانی کا ایک قطرہ زمین پر گرنے نہیں دیتے، اور اپنے جسم اور کپڑوں اور چہروں پر مل لیتے ہیں۔ چاروں طرف سے محمدؐ کو گھیرے رہتے ہیں اور وہ تھوک بھی دیتے ہیں تو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور اپنے جسم اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں۔ یہ سب کے سب صرف محمدؐ کے دیوانے ہیں، تم خوب اچھی طرح سے جان لو کہ تم کس سے مقابلہ کررہے ہو۔

عروہ بن مسعود کا آنکھوں دیکھا حال سن کر بھی قریش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، اس کے باوجود ایک مرتبہ قریش کے چالیس پچاس آدمیوں نے رات کے وقت مسلمانوں پر پتھراؤ کیا اور تیر پھینکے، صحابہ کرام نے انہیں گرفتار کرلیا

اور نبی کریمؐ کی خدمت میں پیش کیا، یہ اطلاع قریش تک پہنچی، نبی کریمؐ نے سب کو معاف کردیا اور انہیں چھوڑ دیا۔

ایسی نازک حالت میں بھی نبی کریمؐ نے اپنی جانب سے حضرت خراش بن امیہ کو قریش کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف عمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔ قریش نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ خراش بن امیہ کو اپنے پاس روک رکھا۔ پھر نبی کریمؐ نے اپنے داماد حضرت عثمان بن عفان کو قریش کے پاس بھیجا، حضرت عثمان کو ایلچی بنانے میں یہ حکمت اور مصلحت پوشیدہ تھی کہ وہ مکہ مکرمہ کی ایک معزز و محترم اور باا ثر شخصیت کے مالک تھے، اہل مکہ پر ان کے بڑے احسانات تھے۔ اور یہ امید تھی کہ ان کے کہنے اور سمجھانے سے قریش اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آجائیں گے، لیکن حضرت عثمان کی باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کے ساتھ صرف اتنی رعایت کی کہ حضرت عثمان کو عمرہ ادا کرنے کی اجازت دے دی، حضرت عثمانؓ نے صاف انکار کر دیا اور کہا نبی کریمؐ کے بغیر میں عمرہ کر نہیں سکتا، ہم تمام مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت دی جائے لیکن اس پر قریش رضامند نہیں ہوے، حضرت عثمان یہیں رکے رہے تا کہ مزید بات چیت کے ذریعہ راہ ہموار کی جائے حضرت عثمان واپس نہیں لوٹے تو صحابہ کرام میں بڑی بے چینی پھیل گئی، اور یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت عثمان قتل کر دئے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کی خبر سے بڑا دھچکہ لگا۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور صحابہ کرام سے جان نثاری کی بیعت لی۔ بیعت کا یہ واقعہ سمرہ نامی درخت کے سایہ میں پیش آیا۔ اور اسے بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کے اس عمل پر اپنی رضامندی، وحی کے ذریعہ ظاہر کی۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونك تحت الشجرة الایه (الفتح)

قریش کو جب یہ علم ہوا کہ مسلمان، خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کا عزم صمیم کر چکے ہیں تو حضرت عثمان کو رہا کر دیا۔ علاوہ ازیں یہ خبر بھی عام ہوگئی کہ قریش زائرین کعبہ کو حرم میں داخل ہونے سے روک رہے ہیں۔ یہ عربوں کی قدیم آبائی روایت کے خلاف تھا۔ اس سے قریش کی ضد اور ہٹ دھرمی ہر کسی پر واضح ہو رہی تھی اور تمام قبیلوں میں یہ تاثر پھیلنے لگا تھا کہ موجودہ پاسبان حرم عربوں کی دیرینہ روایت کو توڑ رہے ہیں اور حرم کی حرمت کو پامال کر رہے ہیں۔ یہی وہ حالات تھے جن کی وجہ سے قریش کے غیر اخلاقی اور غیر روایتی روش میں تبدیلی پیدا ہونے لگی، اور انہوں نے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد نبی کریمؐ کی خدمت میں بھیجا، اور مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا۔

مذاکرات میں بعض ایسے پہلو سامنے آگئے جن کو قبول کرنے میں صحابہ کرام کو تامّل تھا لیکن نبی کریمؐ نے موجودہ صورت حال سے پرامن طریقہ سے باہر نکلنے اور آئندہ پرامن فضا قائم کرنے کی نیت سے ان پہلوؤں کو قبول کرلیا۔ جو

بظاہر حوصلہ شکن اور دل آزار تھے۔ بہر کیف حضور اکرمؐ نے نہایت صبر وضبط اور حلم و بردباری اور تحمل و برداشت کے ساتھ صلح کے کام کو آگے بڑھایا۔

صلح نامہ میں درج ذیل شرائط تھے۔

(۱) دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی اور وہ ایک دوسرے کے خلاف علانیہ اور خفیہ طور پر کسی قسم کی کوئی بھی کارروائی نہیں کریں گے۔

(۲) دس سال کے عرصہ میں قریش کا کوئی بھی آدمی اپنے ولی اور سرپرست کے علم اور اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس پہنچ جائے تو محمدؐ اسے واپس کردیں گے، اور محمدؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی آدمی قریش کے پاس پہنچ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۳) فریقین قبائل عرب میں سے جس قبیلہ سے چاہیں، اتحاد قائم کرسکتے ہیں اور اسے اپنا حلیف بنا سکتے ہیں ،اور جو بھی قبیلہ فریقین میں سے کسی فریق کا حلیف بن جائے وہ اس معاہدے میں شامل ہونا چاہئے تو اسے اختیار رہیگا۔

(۴) محمدؐ اور ان کے رفقاء اس سال واپس جائیں گے، آئندہ سال عمرہ کے لئے آسکتے ہیں انہیں مکہ مکرمہ میں تین دن قیام کی اجازت ہوگی وہ اپنے ساتھ کسی قسم کے ہتھیارات نہیں رکھیں گے، اور وہ یہاں کے کسی شخص کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔

جانبین سے معاہدہ کی شرطیں منظور کرلی گئیں، صحابہ کرام کو صلح کی دوسری اور چوتھی شرط نہ پسند تھی لیکن حضور اکرمؐ کے فیصلہ اور اقدام کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار نہیں کررہے تھے، صحابہ میں صرف حضرت عمر تھے جو اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے، حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا ہم اپنے دین کے معاملہ میں اس قدر ذلت کیوں اختیار کررہے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے انہیں تسلی اور تسکین دی اور فرمایا حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، وہ جو قدم بھی اٹھارہے ہیں اس میں خیر ہی خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عمر اتنا سننے کے بعد بھی خاموش نہ رہ سکے۔ نبی کریمؐ کی خدمت میں بھی جا پہنچے اور عرض کیا، یارسول اللہ! یہ ہمارے لئے ذلت آمیز معاہدہ ہے، آپ قبول نہ فرمایئے، نبی کریمؐ نے حضرت عمرؓ کو سمجھایا، اس اقدام میں ہمارے لئے ذلت نہیں ہے۔ عزت ہے، اور یہ شکست نہیں، فتح ہے، حضرت عمر کو اطمینان نہیں ہوا، مزید لب کشائی کی ہمت نہیں کی۔ اور یہی حالت و کیفیت دوسرے صحابہ کی بھی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چھوٹی بڑی بات کے آگے امنا سلمنا کہنا ہی ان حضرات کی فطرت ثانیہ تھی جسکی وجہ کسی نے بھی اپنے رنج وغم کا اظہار نہیں کیا۔ اسکے

بعد حضرت عمرؓ پر حقیقت کھل گئی کہ نبی کریمؐ نے جو قدم اٹھایا تھا وہ فتح مبین تھی۔

حضرت عمرؓ نے حضور اکرمؐ کے ساتھ جو گفتگو کی تھی، اسے یاد کرتے ہوئے نادم اور شرمسار ہو جاتے تھے، اور وہ اپنی اس جسارت کو شان رسالت میں گستاخی تصور کرتے تھے، اسکے ازالہ کے لئے مدتوں نوافل پڑھتے رہے اور صدقات و خیرات کرتے رہے۔

اس معاہدہ کی کارروائی ضبط تحریر میں آنی باقی تھی کہ ایک واقعہ نے اصحاب رسولؐ کے دلوں کو غیر معمولی رنجیدہ اور کبیدہ کر دیا، سہیل بن عمرو کے فرزند حضرت ابو جندل جو مسلمان ہو چکے تھے جسکی پاداش میں گرفتار کر لئے گئے اور مکہ مکرمہ میں قید میں رکھے گئے تھے۔ وہ کسی طرح فرار ہو کر حدیبیہ پہنچ گئے، ان کے جسم پر زدوکوب کی کھلی نشانیاں نظر آرہی تھیں اور ان کے پیروں میں ٹوٹی ہوئی بیڑیاں تھیں اور وہ حضور اکرمؐ سے بڑی منت سماجت کر رہے تھے کہ ان کافروں کی قید سے مجھے رہائی دلائیے، اور اپنے ساتھ لے چلئے، اس اندوہناک منظر سے سارے صحابہ بے چین اور مضطرب ہو گئے اور ان کے اندر غیر معمولی جوش اور طیش پیدا ہو گیا۔ نبی کریمؐ نے سہیل بن عمرو سے بہت کہا کہ اس نوجوان کو ہمارے حوالہ کر دو، لیکن سہیل نے ایک نہ مانی، حضور اکرمؐ نے کہا، ابھی معاہدہ نہیں لکھا گیا ہے، ابو جندل کو چھوڑ دو وہ ہمارے ساتھ مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سخت دل کافر باپ کسی قیمت پر اپنے قیدی لڑکے کو حضور اکرمؐ کے حوالہ کرنا پسند نہیں کیا۔ بادل نخواستہ نبی کریمؐ نے ابو جندل کو کافروں کے حوالہ کر دیا اور انہیں صبر کی تلقین کی، نبی کریمؐ کے اس معاہدہ پر عمل کرنے کی یہ پہلی صورت تھی۔

حضرت علیؓ نے اس معاہدہ کو قلم بند کیا۔ آپؓ نے صلح نامہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دیا تو سہیل نے اعتراض کیا، ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کسے کہتے ہیں، اہل عرب کے دستور کے مطابق باسمك اللهم لکھئے، نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کو وہی لکھنے کا حکم دیا، حضرت علیؓ نے معاہدہ کے آخر میں تحریر کیا تھا، یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور قریش کے درمیان منعقد ہوا ہے۔ سہیل نے اعتراض کیا، محمد رسول اللہ، نہیں، محمد بن عبداللہ لکھا جائے، نبی کریمؐ نے اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ سے کہا، اے علیؓ! رسول اللہ کا لفظ نکال دو، محمد بن عبداللہ لکھ دو، حضرت علیؓ خاموش رہے، حضور اکرمؐ نے دوبارہ کہا، اے علیؓ، رسول اللہ کا لفظ نکال دو، اسکی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو، حضرت علیؓ پھر خاموش ہی بیٹھے، اپنے قلم کو جنبش نہیں دی، حضور اکرمؐ نے محسوس کیا کہ یہ جذبات سے مغلوب ہیں، وہ نہیں چاہتے ہیں کہ اپنے قلم سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیں، یہ وہ علیؓ جو حضور اکرمؐ کے ایک خفیف اشارہ پر اپنا سب کچھ لٹا دینے والے آج خاموش رہ گئے، حضور اکرمؐ کے حکم کی تعمیل سے گریز

کررہے ہیں، حضور اکرمؐ نے خود ہی معاہدہ کے کاغذ کو ان کے پاس سے لیا اور اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیا اور محمدؐ بن عبداللہ لکھ دیا۔

اس طرح سے نبی کریمؐ نے دوراندیشی، صلح جوئی اور مصلحت بینی سے معاہدہ کو مکمل کرلیا، اور اس دوران آنے والی ساری رکاوٹوں کو عمدگی اور خوش اسلوبی اور فراخ دلی کے ساتھ دور کردیا اور یہ معاہدہ، صلح حدیبیہ کے نام سے شہرت پا گیا۔

اس وقت اصحاب رسولؐ کو یوں محسوس ہورہا تھا کہ وہ عزت اور وقار کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قریش کی غیر منصفانہ اور ظالمانہ شرائط کو قبول کررہے ہیں۔ کیونکہ صورت حال بھی کچھ ایسی ہی تھی کہ وہ حضرات اپنے شہر کے قریب پہنچ کر اندر قدم رکھے بغیر واپس لوٹ رہے تھے، کعبہ کے طواف اور زیارت سے محروم ہوچکے تھے، ان کے دل شکستہ تھے۔

نبی کریم صلح سے فارغ ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ سے فرمایا: اسی جگہ قربانی کردو، حلق کرلو اور احرام ختم کرو، حضور اکرمؐ کی زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوا ہو اور اسکو پورا کرنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں گیا۔ کوئی دم بخود اپنی اپنی جگہ ساکت اور جامد تھا کسی نے پہل نہیں کی تو حضور اکرمؐ اپنے خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہ سے یہ بات کہی تو ام المومنین نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! ان کے جذبات مجروع ہیں اور وہ مغموم ہیں، آپ ایسا کیجئے کہ خیمہ سے باہر نکل کر خود قربانی کا اونٹ ذبح کردیجئے، حجام کو بلا کر حلق کروالیجے اور اپنا احرام ختم کردیجئے، اسکے بعد یہ حضرات بھی آپ کی پیروی کریں گے اور انہیں یہ یقین ہوجائیگا، اب کچھ کہنے اور عرض کرنے کا موقعہ نہیں رہا اور یہ فیصلہ بدلنے والا نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہ کی تجویز کو پسند کیا، خیمے سے باہر تشریف لائے، اونٹ ذبح کیا، حلق کروایا اور احرام ختم کردیا، صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی وہی کیا جو حضور اکرمؐ نے کیا تھا۔

اسکے بعد نبی کریمؐ اپنے اصحاب کو لئے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے، اثنائے راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی تو آپؐ نے تمام صحابہ کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا، آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لئے دنیا و مافیھا سے زیادہ قیمتی ہے، پھر آپؐ نے سورۃ الفتح کی تلاوت فرمائی، تمام صحابہؓ نے سنا تو ان پر سورہ فتح کے معانی و مطالب واضح ہوگئے اور یقین ہوچلا کہ یہ معاہدہ فتح مبین ہے۔

اس صلح کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سرزمین حجاز کے شہروں میں امن و امان قائم ہوگیا، جنگ کے بادل چھٹ

گئے، اصحاب رسول ﷺ پوری آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں سفر کرنے لگے، اور اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچانے لگے۔حضور اکرم ﷺ نے خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ ارباب اقتدار کو دعوت اسلام دینی شروع کردی، اس طرح سے اشاعت اسلام کی راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں اور لوگ دین رحمت کے سائے میں چلے آتے رہے اور اتنی کثیر تعداد میں مسلمان ہوگئے کہ پچھلے انیس سال میں بھی اتنے لوگ ایمان نہیں لائے تھے۔تبلیغ اسلام کی مسدود راہیں خود بخود کھلتی چلی گئیں، یہ صلح کی معنوی برکت تھی چنانچہ اسکی ایک مثال یہ بھی سامنے آئی، مقام حدیبیہ ہی میں جس وقت صلح نامہ تحریر ہونے والا تھا،قریش کے مختار اور موکل سہیل بن عمرو کے مسلمان صاحبزادے حضرت ابوجندلؓ کفار قریش کی قیدوبند سے کسی طرح چھٹکارا پا کر حدیبیہ آپہنچے، معاہدہ کی رو سے انہیں کافروں کے حوالہ کیا گیا، پھر وہ مکہ کے زنداں میں پہنچ گئے۔اور قید خانہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کردی، جو کوئی ان کی نگرانی پر مامور ہوتا تو وہ اسے اللہ کی عظمت وجلالت بیان کرکے ایمان کی دعوت دیتے،آپ کی تبلیغی مساعی یہ رنگ لے آئی اور وہ ایمان سے مشرف ہوجاتا،قریش اس ایمان لانے والے کو بھی قید کردیتے، اب وہ بھی حضرت ابوجندل کے ساتھ مل کر تبلیغ کا کام اسی قید خانہ میں انجام دینا شروع کردیتا۔اس طرح سے ایک ابوجندل کے قید ہوکر مکہ مکرمہ سے واپس پہنچ جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کے اندر قریباً تین سو اشخاص ایمان سے مشرف ہوگئے۔

صلح حدیبیہ عہد نبوت کا ایک مہتم بالشان معجزانہ واقعہ ہے۔اسکے مفید وتعمیری نتائج اور فوائد اسکے وقوع کے وقت پردۂ غیب میں تھے جن کا مشاہدہ اصحاب رسولؐ کی چشم فراست بھی نہ کرسکی، یہی وجہ تھی کہ اس وقت یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوا دیگر اصحاب رسول کے لئے کسی قدر گران اور ناگوار لگ رہا تھا،لیکن نگاہ نبوت اس واقعہ کے دوررس مفید اثرات اور برکات کا مشاہدہ کررہی تھی جسکی شان یہ تھی کانماانظر الی کف ھذہ ، نبی کریمؐ فرماتے ہیں، میں پردہ غیب کے واقعات اور حالات کو ایسا دیکھ لیتا ہوں گویا وہ میری ہتھیلی کے اوپر موجود ہیں۔چشم نبوت کا یہی وہ اعجاز تھا جسکی وجہ سے قلب نبوت مطمئن تھا، اس واقعہ کے بعد اصحاب رضوان اور دیگر اصحاب رسول پر صلح کے مفید نتائج اور فوائد ایک ایک کرکے سامنے آتے چلے گئے، اور یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہوگئی کہ نبی کریمؐ نے جو قدم اٹھایا تھا وہ صحیح تھا اور سراسر مفید اور تعمیری تھا۔

معاہدہ کی پہلی دفعہ سے مسلمانوں کی آمدورفت کی روک ٹوک ختم ہوگئی، جسکی وجہ سے اسلام کو پھیلانے کا موقع مل گیا، معاہدہ کی دوسری دفعہ سے مسلمان ۷ھ میں مکہ مکرمہ پہنچے اور اس میں تین دن ٹھہرنے اور عمرہ ادا کرنے کا حق رکھتے تھے۔اس سال نبی کریمؐ نے اپنے حق کا بھرپور استعمال کیا، اور اپنے ساتھ دو ہزار صحابہ کرام کو لئے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے، اہل

مکہ نے کسی قسم کی رکاوٹ و مداخلت اور مزاحمت نہیں کی، اور اپنے اپنے گھروں کو مقفل کیا اور مکہ مکرمہ کو خالی کر دیا، اور کوہ بوقبیس کے اوپر چلے گئے جسکے نیچے مکہ آباد ہے۔ معاہدہ کے مطابق نبی کریمؐ نے تین دن مکہ مکرمہ میں قیام کیا، عمرہ ادا کیا پھر اپنے اصحاب کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔

اہل مکہ بوقبیس کے پہاڑ پر ٹھہرے ہوئے مسلمانوں کے سارے امور و معاملات اور عبادات کو اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اس منظر سے وہ غیر معمولی طور پر متاثر ہوے۔

اہل مکہ اس بات سے بہت متاثر ہوئے کہ مسلمانوں نے کسی قسم کی انتقامی کارروائی نہیں کی، اور اس خالی شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن و امان اور خاموشی کے ساتھ چلے گئے۔ اسکے بعد اہل مکہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے، ان کے دل میں نبی کریمؐ اور اصحاب رسولؐ سے متعلق جو نفرت و حقارت اور عداوت تھی وہ دور ہونے لگی۔

معاہدہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ دس سال تک جنگ بند رہیگی، قریش اور نبی کریمؐ کسی بھی قبیلہ کو اپنا حلیف اور اتحادی بنا سکتے ہیں چنانچہ بنوخزاعہ نبی کریمؐ کے حلیف اور دوست دار بن گئے، اور بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے۔

قریش نے معاہدہ کے دوسرے سال جنگ بندی کی شرط توڑ دی، قریش کا اتحادی حلیف قبیلہ بنوبکر نے نبی کریمؐ کے حلیف و اتحادی قبیلہ بنوخزاعہ کے اوپر عین حدود حرم میں بری طرح حملہ کر دیا اور اس وقت قریش نے بھی پوری طرح سے کھل کر ان کا ساتھ دیا، حملہ کے دوران مظلوموں نے حملہ آور لوگوں سے گڑگڑا کر انکے خداؤں اور حرم کے تقدس کا واسطہ دیا تو ظالموں نے ایک نہ سنی اور کہنے لگے لا الٰہ الیوم آج خدا نام کی کوئی چیز نہیں۔

اس حملہ میں بے شمار لوگ ہلاک ہوگئے کچھ آدمی اپنی جان بچا کر بھاگ نکلے اور زخمی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے اور نبی کریمؐ سے اپنی درد بھری داستان سنائی تو آپؐ کے قلب اطہر پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اور آپؐ اس مظلوم قبیلہ کی حمایت و نصرت کے لئے اٹھ کھڑے ہوے۔ اور دس ہزار صحابہ کرام کو اپنے ساتھ لے ہوئے مکہ مکرمہ کی جانب کوچ کیا۔ ۲۰ رمضان ۸ ھ کو مکہ مکرمہ فتح کیا، اسی کے ساتھ حرم شریف آپؐ کے تحویل میں آگیا۔ اس واقعہ سے صرف دو سال پہلے حالت یہ تھی کہ آپؐ کو حرم میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا، اور آج یہ دن آپہنچا کہ حرم شریف پر آپ کا قبضہ ہوگیا اور مکہ مکرمہ پر آپ کا اقتدار قائم ہوگیا۔ صلح حدیبیہ جسے دوسرے لفظوں میں فتح مبین کہا گیا تھا وہ فتح مکہ کی صورت میں سامنے آگئی۔

سورۂ فتح اس کے تاریخی پس منظر میں کا مطالعہ کرنا چاہئے تا کہ سورۂ فتح کے مضامین اور اصحاب رسولؐ کا کردار و عمل کو اچھی طرح سے سمجھ آسکے۔ واخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

جواھر الحدیث

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی، ایچ، ڈی

آسمانی تعلیمات اور ربانی ہدایات میں ایک اہم ترین تعلیم اور ہدایت، خدمت خلق ہے، اور یہ حضرات انبیائے کرام کی سیرتوں اور سوانح کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔ اس باب میں خاتم النبیین حضرت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ممتاز ترین نظر آتی ہے۔ آپ اعلان نبوت سے پہلے بھی خدمت خلق سے جڑے رہے اور منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد تو آپ کی زندگی خدمت خلق سے عبارت رہی۔

نبی کریمؐ نے ایک ایسے دور میں اپنی آنکھیں کھولیں جو انتہائی تاریک تھا جس میں خدمت خلق کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، ہر طرف ظلم وستم، سفا کی وخون ریزی اور بدامنی واخلاقی کا دور دورہ تھا۔ مسافروں کی نہ جان محفوظ تھی نہ مال، عورتوں کی عزت وناموس کی حفاظت وصیانت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا خیال کسی کے حاشیہ ذہن ہی میں نہیں تھا۔ کمزوروں ضعیفوں، یتیموں اور سماج کے سارے طبقوں پر ظلم وستم عام تھا، طرفہ طرازی تو یہ کہ لوگوں کے دلوں سے ظلم کا احساس

فنا ہو چکا تھا۔ ایسی فضا میں نبی کریمؐ نے چند نیک طینت نوجوانوں اور قبیلوں کے سرداروں کو دعوت دی کہ ہم سب مل جل کر سماج میں پھیلی ہوئی بدکاریوں، برائیوں، زیادتیوں اور ناانصافیوں کو ختم کردیں گے۔ آپ کی آواز پر عرب کے مشہور قبیلے قبیلہ بنو ہاشم و عبدالمطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تمیم کے سرداروں اور دوسرے سمجھ دار سرکردہ لوگوں نے حامی بھری، اور یہ لائحہ عمل مرتب ہوا۔ راستوں کو چوروں اور ڈاکوؤں سے تحفظ فراہم کیا جائے، مسافروں کی جان اور مال کی حفاظت کی جائے، مظلموں کی مدد کی جائے، ظالموں کو ظلم سے روکا جائے، عورتوں، ضعیفوں پر زیادتی نہ ہونے دی جائے، لوگوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔

یہ وہ قراردادیں تھیں جن پر عمل کے باعث امن وامان کی راہ ہموار ہوئی۔ نبی کریمؐ ایک سماجی مصلح کی حیثیت قوم کے سامنے آئے اور آپ کے کردار و حسن گفتار کے باعث عرب معاشرہ نے ایک خوشگوار کروٹ لی۔ آپ اپنی عمر شریف کی چالیس بہار سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ ایک روز آپ غار حرا میں جلوہ افروز تھے اللہ کا فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نمودار ہوئے اور آپ کو یہ بشارت سنائی کہ اللہ نے آپ کو اپنا پیغمبر مقرر کردیا ہے۔ آپ نے فرشتہ کو اپنے سامنے نمایاں دیکھا تو بشری صفات کے زیر اثر کسی قدر خوف اور دہشت سی محسوس ہوئی۔ آپ اپنے گھر لوٹ گئے اور اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے سامنے اپنی سرگذشت سنائی۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ نے جن کلمات اور فقرات کے ذریعہ آپ کو اطمینان اور تسلی دی، ان کی روشنی میں آپ کی سیرت طیبہ کا جو منظرنامہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ خدمت خلق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ چنانچہ حضرت کبریٰ فرماتی ہیں:

''آپ کو خوف زدہ ہونے کی بات ہی نہیں کیونکہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ محبت و شفقت فرماتے ہیں، آپ سچ بولتے ہیں، آپ بیواؤں، یتیموں، بے کسوں اور کمزوروں کی مدد فرماتے ہیں، مہمانوں کو کھلاتے ہیں، مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ تنہا نہیں چھوڑے گا اور آپ کو غم گین ہونے نہیں دے گا۔''

خدمت خلق کے پہلو سے نبی کریمﷺ کا یہی وہ کردار تھا جسکے فیض و برکت کے باعث لوگوں میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ خود ہی آپؐ کی خدمت میں پہنچ کر پوچھنے لگے کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔ اسی خرچ کو وحی محمدیؐ نے صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا۔ اور اسکے دائرہ کو اس قدر وسیع اور عریض کیا کہ ان کا اطلاق تمام رفاہی، سماجی، معاشرتی، تعلیمی، اقتصادی امور و معاملات پر ہونے لگا اور نبی کریمؐ نے خدمت خلق کو کسی خاص قوم اور خاص گروہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ تمام بنی نوع انسان کو اس میں شامل کیا۔

کوئی بھی سماجی ترقی، خوشحالی اورامن کے راستہ پر اسی وقت گامزن رہتا ہے جب کہ اسکے لوگوں میں خدمت خلق کے جذبات واحساسات زندہ ہوں کیونکہ کسی نہ کسی جہت سے سماج کا ہر فرد دوسرے فرد کی خدمت کا محتاج ہوتا ہے۔اور کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ سارے لوگوں سے بے نیاز رہتے ہوئے ایک پرسکون اور پر مسرت زندگی بسر کرسکتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امیر بعض حالات میں غریب کا محتاج ہے اور غریب، امیر کا محتاج ہے بلکہ دولت مند، غریب کی دولت ہے شاید اس جملہ سے کسی کو اتفاق نہ ہو لیکن، یہ ایک حقیقت ہے۔ بیمار، صحت مند کا محتاج، بے علم، صاحب علم کا محتاج، زوجین ایک دوسرے کے محتاج، کارخانہ، ہنرمند کا محتاج، ہنرمند کارخانہ کا محتاج غرضیکہ جس جس پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے ایک دوسرے شخص کا کسی نہ کسی جہت سے محتاج ہونا لازم آتا ہے اور زندگی تمام جہتوں اور سمتوں میں بالا دستی اور زیردستی کے عناصر لے ہوئے رواں دواں ہے۔اسی لئے نبی کریمؐ نے خدمت خلق کی متعدد اور مختلف راہوں کی نشاندہی فرمائی۔اور اس جانب مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے خدمت خلق کو ایک عمومیت بخشی، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

خیر الناس من ینفع الناس ،لوگوں میں سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔الخلق عیال اللہ واحب الی اللہ من احسن الی عیالہ ،مخلوق، خدا کا کنبہ ہے، اللہ کے نزدیک وہ آدمی زیادہ محبوب ہے جو اسکے کنبہ کو فائدہ پہنچائے۔جن چیزوں سے مخلوق کو تکلیف پہنچ سکتی ہے ان کو دور کرنا بھی ایک نیکی اور خدمت ہے، بعض لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ ان کے کسی عمل سے لوگوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے مثلاً راستہ میں کوڑا کرکٹ ڈال دینا، بیٹھنے کے مقامات کو گندہ کر دینا، راستہ چلنے والوں کے لئے رکاوٹیں کھڑی کر دینا، سونے والوں کی نیند میں خلل ڈالنا، زور زور سے چیخ چیخ کر باتیں کرنا وغیرہ۔

فقہی نقطہ نظر سے یہ مسئلہ توجہ کے قابل ہے کہ نماز، تلاوت، ذکر، جیسے مسنون اعمال کی ادائیگی میں بھی دوسروں کو تکلیف نہیں دینی چاہئے، چنانچہ فقہاء نے کہا ہے کہ رات میں بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور ذکر الٰہی کرنا اگرچہ کہ سنت ہے لیکن جب ایک ہم سایہ کی نیند میں خلل ہو رہا ہے اور اس کو تکلیف ہو رہی ہے تو باآواز بلند تلاوت اور ذکر سے باز رہنا چاہئے اور اگر کوئی شخص بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے باز نہ آئے تو حاکم شہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی قوت وطاقت کے ذریعہ اس شخص کو روک دے۔

اسی طرح فقہ کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مصلی کو سجدہ میں اپنے دونوں بازو کو پہلو سے دور رکھنا اگرچہ کہ سنت ہے لیکن جماعت کی نماز میں اپنے بازؤوں کو پہلو سے دور رکھے تاکہ اسکے قریب کے مصلیوں کو ایذاء اور تکلیف نہ ہو۔ یہ علت

اس حقیقت کی جانب اشارہ کررہی ہے کہ دوسروں کو تکلیف دینے سے پرہیز کرنا چاہئے حالاں کہ اس ایذاء اور تکلیف میں اقامتِ سنت کا پہلو موجود ہے۔ بلکہ فقہائے کرام نے جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے ایک شرط یہ رکھی ہے کہ شہر میں حاکم موجود ہو، اور یہ شرط اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ فتنہ وفساد کے اندیشہ کی صورت میں سنت کو کجا واجب اور فرض کی ادائیگی بھی جائز نہیں رہتی۔

شریعت مطہرہ نے اس آدمی کے ایمان کو کامل قرار دیا ہے جو عبادت کے ساتھ مخلوق کے ساتھ شفقت ومحبت کا معاملہ کرے اور ہر طرح سے اسکی خدمت کرے اور تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرے، اسکے برعکس اس آدمی کے ایمان کو نامکمل قرار دیا ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے اور ذکرواذکار میں مشغول رہتا ہے لیکن مخلوق کو ستاتا ہے، اور پریشان کرتا ہے حدیث کی رو سے ایسا آدمی جنت سے محروم ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ ایک صاحب بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور حضور اکرمؐ سے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ ایک خاتون ہے جو بڑی عبادت گذار ہے لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے بڑی تکلیف دیتی ہے، یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا، وہ عورت دوزخ میں جائے گی۔ غرض عبادت اور خدمت خلق دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط رکھا گیا ہے اور ان دونوں میں توازن اور اعتدال کو برقرار رکھا گیا ہے اور وہ اِس طرح سے ہے کہ عبادت میں مشغول ہوکر خدمت خلق سے بے نیاز ہوجانا، یا خدمت خلق میں مشغول ہوکر عبادت میں کوتاہی وغفلت برتنا، یہ دونوں انتہا پسند پہلو ہیں جو اللہ اور اسکے رسول کی نگاہوں میں ناپسندیدہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندہ سے فرمائے گا، اے ابن آدم، میں بیمار ہوا تو نے میری مزاج پرسی نہیں کی، بندہ عرض کرے گا، اے رب تعالیٰ، میں کیسے تیری عیادت کرسکتا ہوں تیری ذات تو بیماری سے پاک وصاف ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اسکی عیادت نہیں کی، اگر تو اسکی عیادت کیا ہوتا تو مجھے اسکے قریب پالیتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے آدم کے بیٹے! میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا، اے اللہ تعالیٰ تو کیسے بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا، اے اللہ تعالیٰ تو کیسے بھوکا ہوسکتا ہے تیری ذات تو بھوک سے پاک وصاف ہے۔ اللہ فرمائے گا فلاں میرا بندہ بھوکا تھا تو نے اسے نہیں کھلایا اگر تو اسے کھلایا ہوتا تو آج میری رحمت تجھے شامل رہتی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے میں پیاسا رہا تو مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا اے پروردگار تو کیسے پیاسا ہوسکتا ہے تیری ذات تو پیاس سے مبرا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا فلاں میرا بندہ پیاسا تھا تو نے اسے

پانی نہیں پلایا۔ اگر اسے پانی پلایا ہوتا تو آج میری رحمت ورافت کا تو سزاوار ٹھہرتا۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریمؐ نے نہایت ترغیبی اسلوب میں فرمایا ہے کہ اگر ابن آدم کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ صلۂ رحمی پر کیا اجر وثواب ملنے والا ہے تو وہ ایک لقمہ بھی اپنے حلق میں نہیں ڈالے گا جب تک کہ دوسرے کے حلق میں لقمہ نہ ڈال دے۔ اور پانی کا ایک گھونٹ نہیں پیے گا جب تک کہ دوسرے کو پانی نہ پلائے۔

امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں حضور اکرمؐ نے تین باتوں کا حکم دیا ہے اور ان باتوں کا تعلق خدمت خلق سے ہے۔ اطعموا الجائع وعودو المریض وفکوا العانی۔ بھوکوں کو کھلاؤ، مریضوں کی عیادت کرو، جو لوگ ناحق قید کئے گئے ہیں انہیں جیلوں سے رہائی دلاؤ۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے سے متعلق نبی کریمؐ نے یہاں تک کہہ دیا ہے کسی مسکین کو کھانا کھلانا اللہ کے نزدیک نہایت پسندیدہ نیکی ہے۔

عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں میں جب پہلی مرتبہ مدینہ منورہ پہنچا اور پہلی بار آپؐ کے رخ انور کے دیدار سے مشرف ہوا تو میرے دل نے کہا یہ چہرہ مبارک کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا۔ اس وقت میں نے آپؐ کی زبان مبارک سے جو بات سنی، وہ یہ تھی، لوگو! آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو، کھانا کھلایا کرو اور صلہ رحمی کیا کرو۔

نبی کریمؐ کی تعلیمات اور ہدایات کے اولین مظاہر حضرات صحابہ رہے جو لوگوں کو کھلانے پلانے اور صدقہ وخیرات دینے میں ایثار وقربانی کی ایسی ایسی مثالیں چھوڑیں ہیں جن کی نظیریں شاید ہی موجودہ دور میں مل سکیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سامان خورد ونوش اور روپیوں کی تقسیم میں اس قدر مشغول ہوگئیں کہ انہیں اپنے کھانے پینے کی فکر نہ رہی، جب تمام چیزیں ختم ہوگئیں تو خادمہ نے عرض کیا۔ آپ روزہ سے ہیں، اب کوئی چیز آپ کے لئے نہیں رہ گئی ہے، افطار کے لئے کچھ بچالیا ہوتا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، پگلی یہ بات مجھے پہلے کہی ہوتی تو میں ایسا ہی کرتی، مجھے یاد ہی نہیں رہا۔

ایثار وہمدردی اور خودفراموشی کی ایسی مثال اب شاید دنیا نہ دیکھ پائے گی، سورہ الدھر کی ایک آیت طیبہ واطیعون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا سے متعلق بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت کا مصداق اور محمل حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی ذات گرامی ہے۔ جوانہوں نے اپنی ایک نذر پوری کرنے میں خود کو کھانے کی ضرورت ہونے کے باوجود ایک قیدی، مسکین اور یتیم کو کھلایا پلایا، پانی پینے پر اکتفا کیا۔

تفسیر کی کتابوں میں حضرت ابن عباس کے حوالہ سے حضرت عطاء کی روایت اس طرح مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سخت بیمار ہو گئے تو ان کی مزاج پرسی کے لئے نبی کریمؐ اور بہت سارے صحابہ کرام تشریف لے گئے، اس موقعہ پر بعض صحابہ نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ آپ صاحبزادوں کی صحت وشفاء کے لئے اللہ سے کوئی نذر مانیں۔ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور ان کی خادمہ فضہ نے یہ نذر مانی کہ اللہ دونوں بچوں کو شفا دے تو ہم شکرانہ کے طور پر تین دن روزہ رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور بہت جلد دونوں صاحبزادے صحت یاب ہو گئے، تینوں نے نذر کے روزے رکھنے شروع کئے، پہلا روزہ کھول کر جب کھانے کے لئے بیٹھے تو دروازہ پر ایک مسکین آ پہنچا اور اس نے عرض کیا میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلائیے؟ گھر والوں نے سارا کھانا اسے دے دیا اور خود پانی پی کر سو رہے۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا کہ روزہ کھولنے کے بعد جب کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک یتیم نے کھانا مانگا تو اس موقعہ پر اسکو سارا کھانا دے دیا گیا اور گھر والے پانی پی کر رہ گئے۔ پھر تیسرے دن افطار کے وقت ایسی ہی صورت حال سامنے آئی، ایک قیدی آ پہنچا اور اس نے بھی کھانا طلب کیا تو سارا کھانا اسے دے دیا گیا اور گھر والوں نے پانی پر اکتفا کر لیا۔ چوتھے روز حضرت علیؓ حضرات حسنینؓ کو لئے ہوئے نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے داماد اور دونوں نواسوں کے چہروں پر ضعف اور پژمردگی کی سی کیفیت دیکھی، آپ کو اپنی صاحبزادی کا خیال آیا تو اسی وقت حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے، اندر داخل ہو کر دیکھا تو وہ لیٹی ہوئی ہیں اور ان کے چہرہ پر بھی کمزوری اور مایوسی کی کیفیت نمایاں رہی، اس منظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر حزن و یاس کی کیفیت طاری ہوئی اور آپ گھر سے باہر نکل ہی رہے تھے کہ حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور آپؐ سے عرض کیا، اللہ نے آپ کے اہل بیت کے ایثار وقربانی پر آپ کو مبارک باد دی، نبی کریمؐ نے پوچھا، وہ کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں حضرت جبرئیلؑ نے سورۃ الدہر سنائی جس میں یہ آیت طیبہ رہی **ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا**، اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں اور وہ بھی ستائش وتمنا کا صلہ سے بے نیاز ہو کر خود حاجت مند رہتے ہوئے۔

سورۂ حشر کی آیت کریمہ **ویوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصه** کے شان نزول میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت تو زبان زد خاص وعام ہے۔ جسکو امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔

ایک شخص نبی کریمؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بھوکا ہوں، آپ نے اپنی ازواج مطہرات

میں سے ایک کے پاس کہلا بھیجا کہ ایک آدمی کے لئے کھانے کا انتظام کریں جواب آیا، اس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسکے بعد آپؐ نے دو تین بیویوں کے پاس کہلا بھیجا، سب کے پاس سے یہی جواب ملا کہ ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔

اس کے بعد آپؐ اپنے مصاحبین ہم نشین کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے جو آج کی رات اس شخص کو اپنا مہمان بنائے، ایک انصاری صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہﷺ! یہ خدمت میں انجام دوں گا، اس آدمی کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا، میں ایک مہمان کو گھر لایا ہوں، کھانے کے لئے کیا ہے؟ بیوی نے عرض کیا اس وت ہمارے پاس صرف اتنا ہی کھانا ہے جو ہمارے بچوں کے لئے کافی ہے، یہ سن کر میزبانی صحابی نے اپنی بیوی سے کہا، تم بچوں کو سمجھا بجھا کر سلا دو، ان بچوں کا کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھ دو اور میرے دستر خوان پر بیٹھ جانے کے بعد کسی نامعلوم طریقہ سے چراغ گل کر دینا تا کہ مہمان کو ہمارے نہ کھانے کا احساس اور علم نہ ہو، بیوی نے ایسا ہی کیا، مہمان سیراب ہو کر کھا پی لیا اور اسے میزبان کے نہ کھانے کا علم نہ ہو سکا۔

دوسرے دن یہ میزبان صحابی بارگاہ نبویؐ میں آپہنچے تو نبی کریمؐ نے ان سے فرمایا، کل رات تم نے اپنے مہمان کے ساتھ جو کردار کیا، وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔ ایثار کا یہ وہ پہلو تھا جو اس میزبان انصاری صحابی کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا بلکہ سارے انصاری صحابہ کا یہی کردار عمل تھا اور ان سب حضرات کرام کی شان میں قرآن کریم نے یہ گواہی دی ہے ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ۔

حضرات انصار کی شان یہ تھی کہ اپنی ضروریات اور حاجات کی جانب توجہ نہ دیتے تھے بلکہ دوسروں کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پہلے پوری کرتے تھے اور خود ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ وہ فقر میں مبتلا رہتے اور حاجت مند رہتے تھے اور یہ خدمت خلق کی اعلیٰ اور ارفع مثال ہے، چشم فلک نے ایثار و قربانی اور ہمدردی و خیر خواہی کا ایسا نظارہ پھر کبھی نہیں دیکھا جو ہجرت نبویؐ کے بعد مدینہ منورہ میں نظر آیا، مکہ مکرمہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو ان کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کے نظم و نسق میں انصاریوں نے جس جوش و خروش اور محبت و الفت اور نصرت و حمایت کا اظہار کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انصار حضور اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کیا، ہمارے باغات اور نخلستان ہیں اور یہ ہمارے مہاجرین بھائیوں کی نذر ہے جو شخص جو باغ چاہے قبول کرلے، حضور اکرمؐ نے فرمایا مہاجرین کاشت کاری سے واقف نہیں ہیں کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم لوگ ان باغات کی پیداوار میں سے مہاجرین کے لئے حصہ نکال دو۔ انصاریوں نے دل و

جان سے یہ بات قبول کر لی چنانچہ خود کاشتکاری کرتے اور اپنے باغات سے مہاجرین کو حصہ دیا کرتے تھے۔ نبی کریمؐ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کا ایک ایسا رشتہ قائم کر دیا تھا جو خون کے رشتہ سے کہیں مضبوط اور محبوب تھا۔ انصاریوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں رکھا اور اپنے حقیقی بھائیوں سے کہیں زیادہ خدمت کی، تاریخ اسلام نے پھر ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہی۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانوں کے ساتھ خیر خواہی و ہمدردی اور ہر طرح سے ان کی خدمت کا جذبہ اور داعیہ اسی شخص میں پایا جاتا ہے جس کے دل میں رقت و رافت اور محبت و الفت کے جذبات موجود ہوں اور وہی لوگوں سے مانوس اور قریب ہوتا ہے اور ان کے ساتھ صحبت و رفاقت کو پسند کرتا ہے اور جس شخص کے مزاج اور طبیعت کے اندر سختی، درشتگی، تنگ دلی، کوتاہ نظری اور سخت بدکلامی ہو تو لوگ بھی اس سے متنفر اور دور ہو جاتے ہیں اور وہ سماج اور معاشرہ کسے کٹا ہوا ایک غیر معروف اور غیر مقبول شخص بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے نبی کریمؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوافن حولك۔

اے محمدؐ! ولو بالغرض آپ سخت دل سخت کلام درشت مزاج کے مالک ہوتے تو لوگ آپ سے قریب اور مانوس نہیں ہوتے یہ تو آپ پر اللہ کی رحمت ہے کہ آپ رفیق القلب ہیں اور شیریں کلام فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن سیرت کے ایک رخ کو نمایاں کرتے ہوئے امت کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے اندر اپنے نبی کی سیرت پیدا کریں۔ نبی کریمؐ نے اسی کردار سازی سے متعلق امت کو یہ ہدایت دی کہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے رہو، ایک دوسرے سے منہ پھیر کر نہ رہو، اور اپنے لئے جو پسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کرو، ہر کس کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، کسی کی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں اچھائی سے دو۔ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ ملاقات کرو تو چہرہ پر مسکراہٹ اور تبسم ہو، آپس میں ایک دوسرے کو تحفہ اور ہدیہ دیتے رہو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو ایک دوسرے کے لئے مصیبت نہ بن جاؤ، ایک دوسرے کے لئے آسانیاں اور سہولتیں فراہم کرو۔ اللہ کے بندے بن کر آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ اس طرح کی فکر وعمل سے جو سماج بنتا ہے وہی انسانی سماج کہلاتا ہے اسلام نے اپنے متبعین کو اپنے ہی سماج کی تشکیل و تعمیر کا حکم دیا ہے۔ ہر انسان کی زندگی شب و روز میں سب سے زیادہ جن لوگوں کے ساتھ سابقہ اور رابطہ رہتا ہے وہ اسکے پڑوس ہیں۔ اسکے بعد لوگوں کے ساتھ ربط وضبط کا دائرہ پھیلتا چلا جاتا ہے اور اس میں دوست، احباب، رشتہ دار، ملنے جلنے، لین دین وغیرہ کی بنیاد پر استوار ہونے والے تعلقات اور روابط والے انسان شامل اور داخل ہوتے چلے جاتے ہیں، اسلام ان سب کے

ساتھ حسن اخلاق اور حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ ان تمام تعلقات میں پڑوسی کے ساتھ تعلق استوار رکھنے اور اسکے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اور ترغیب میں بڑی تاکید آئی ہے نبی کریمؐ فرماتے ہیں:

مجھے حضرت جبرئیل پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اور تلقین اس قدر کرتے رہے جسکی وجہ سے مجھے یہ خیال ہونے لگا تھا کہ پڑوسی کو بھی وراثت میں ترکہ دیا جاسکتا ہے۔

نبی کریمؐ نے اس پہلو سے یہاں تک فرمادیا کہ اس آدمی کا ایمان کامل نہیں ہے جو خود تو سیراب ہو کر کھائے پیئے، اسکے بغل میں اسکا پڑوسی بھوکا پیاسا زندگی گذارے۔

نیز فرمایا: وہ شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جس کے پڑوسی اسکے شر سے سہمے رہیں اور اسکی شرارتوں سے ڈرتے رہیں۔

نیز فرمایا: کیا تم جانتے ہو، ہم سایہ کا حق کیا ہوتا ہے؟ وہ تمہاری مدد کا محتاج ہو تو اسکی مدد کرو، تم سے قرض طلب کرے تو اسے قرض دو، وہ بیمار ہو جائے تو اسکی تیمار داری کرو، اسکے ہر غم میں شریک رہو اور ہر طرح سے اسکی خدمت بجالاؤ۔ اور اسے کسی پہلو اور کسی جہت سے ایذاء نہ پہنچاؤ، وہ انتقال کر جائے تو اسکی نماز جنازہ پڑھو اور جنازہ کے ہمراہ جاؤ، (الترغیب الترہیب)

حسن سلوک کے باب میں نبی کریمؐ کی ترغیبات اور ہدایات کا یہ اثر ہوا کہ حضرات صحابہ نے حسن سلوک کو صرف اپنے ہم سایوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے قرابت داروں، دوستوں، اجنبیوں اور عام انسانوں کے ساتھ نیک سلوک اور شریفانہ و کریمانہ برتاؤ کو اپنا اخلاقی اور دینی فریضہ سمجھا۔

خدمت خلق کے باب میں حضرت فاروق اعظم کا یہ اقدام ایک مثال قائم کر گیا، آپ کی خلافت کا دور تھا، ایک مرتبہ آپؓ راستہ سے گذر رہے تھے کہ آپ کی نظریں ایک یہودی بوڑھے شخص پر مرکوز ہوگئیں جو لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ آپ نے اس سے دست سوال دراز کرنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا، میں اپنے بڑھاپے اور مرض کی وجہ سے روزی کمانے سے عاجز اور قاصر ہوں، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اسکو جزیہ سے بری اور مستثنیٰ قرار دیا اور بیت المال سے ماہانہ وظیفہ مقرر کردیا۔

خانوادۂ نبوت کے افراد خدمت خلق میں ممتاز اور مقدم رہے ہیں، متقدمین کے علاوہ متاخرین میں بھی یہی کیفیت رہی، امام حسنؓ کی غربا پروری تو ضرب المثل بن گئی۔ حضرت امیر معاویہ آپ اور آپ کے اہل بیت کے اخراجات اور مصارف کے لئے ماہانہ ایک خطیر و کثیر رقم بھیجا کرتے تھے، اور آپ کے جود و سخا کا یہ عالم تھا، ادھر یہ رقم ملی ادھر غریبوں

میں چلی گئی، آپ ساری رقم غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے اپنے لئے کچھ بھی بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ اس بات کی اطلاع جب حضرت امیر معاویہؓ کو ہوئی تو انہوں نے آپ کی خدمت میں صرف ایک فقرہ لکھکر بھیجا، **لا خیر فی الاسراف**، یعنی صدقہ خیرات میں بھی حد سے متجاوز نہیں ہونا چاہئے، یہ بھی اسراف میں شامل ہے۔ امام عالی مقام نے فقرہ کو الٹ دیا اور حضرت معاویہؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا **لا اسراف فی الخیر**، اب اس فقرہ کے معنی و مفاہیم بدل گئے اور اس ایک قابل تقلید صالح تصور سامنے آ گیا کہ راہ خدا میں مخلوق پر جتنا بھی خرچ کیا جائے اسے اسراف نہیں کہا جا سکتا، وہ خیر ہی خیر ہے اسراف نہیں۔

امام زین العابدین صاحب زادہ امام حسینؓ کی سیرت و سوانح کا یہ بڑا ہی مشہور واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ میں بہت سارے مکان ایسے تھے، کہ ان کے مکینوں کو یہ علم ہی نہ تھا کہ ان کے خورد و نوش کا سامان کہاں سے پہنچتا ہے اور کون پہنچاتا ہے۔ امام موصوف جب دنیا سے چلے گئے تو بہت سے گھرانوں کو کھانے پینے کی چیزیں پہنچ نہیں رہی ہیں۔ اس وقت لوگوں کو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ امام موصوف بنفس نفیس رات کے وقت اندھیرے میں یہ سامان اٹھاتے ہوئے گھروں تک پہنچتے تھے اور دروازہ پر دستک دیتے اور سامان حوالہ کر کے خاموشی کے ساتھ چلے جاتے تھے، اور اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔

امام عالی مقام کے متعلق سے سوانح نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب کے جسد خاکی کو جب غسل دیا گیا تو دیکھا گیا کہ ان کے کندھوں اور پشت پر نشانات تھے جو اناج کے موٹے اٹھاتے اٹھاتے پڑ گئے تھے، اعلیٰ حسب و نسب اور ذی علم و فضل حضرات کے ہاں ایسی مثالیں خال خال ہی مل سکتی ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک مشہور قول ہے۔ مجھے ساری نیکیوں میں سب سے زیادہ بہتر نیکی یہ نظر آئی کہ بھوکوں کو کھانا کھلانا، لوگوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا۔

ابھی ابھی آپ نے جو حدیث پڑھی اس میں تین باتوں کا حکم ہے ایک بھوکوں کو کھلانا پلانا، پہلے حکم کی وضاحت ہو چکی ہے، دوسرا حکم ہے بیماروں کی تیمارداری کرنا، خدمت خلق کا یہ ایک اہم پہلو ہے جو بڑی توجہ کا مستحق ہے، موجودہ زمانے کے حالات اور کوائف میں یہ پہلو غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ نبی کریمؐ نے بذات خود یہ خدمت انجام دی ہے اور مختلف جہتوں سے امت کو تعلیم اور ترغیب دی ہے، آپؐ نے اس پہلو کو بڑے وسعت بخشی ہے۔ خود مریضوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے جن میں مسلمان اور غیر مسلمان سب ہوتے تھے آپ کی خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ اپنے

دشمنوں کی مزاج پرسی کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے اور اللہ سے ان کی صحت اور شفا کے لئے دعا مانگتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ آپ کے خاندان کے مشرک افراد بیمار ہو جاتے تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مزاج پرسی فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ اپنے ایک سخت ترین یہودی دشمن کے بیٹے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے مریض کا باپ حیران رہ گیا آپ نے مریض کے ساتھ جس شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا اور اسکے ساتھ خیر خواہی فرمائی، یہ منظر دیکھکر یہودی متاثر ہوا اور مشرف باسلام ہوا۔

اس مقام پر ہمارے سامنے یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ عیادت کا معنی ومفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ بیمار سے ملنے کے لئے جائیں اور زبانی خیریت پوچھیں اور کچھ باتیں کریں اور واپس چلے آئیں بلکہ اسکے معنی ومفہوم میں مریض کی ضروریات اور حاجات کو پورا کرنا بھی شامل ہے۔ مثلاً مریض کو ہسپتال پہنچانا، سواری وغیرہ کا بندوبست کرنا، علاج ومعالجہ میں مالی امداد بہم پہنچانا۔ صحت وشفا کے لئے دعا کرنا، مرض کتنا خطرناک اور لاعلاج ہو مریض کو رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہونے دینا اور یہ تسلی دلانا کہ وہ جلد صحت یاب ہو جائیگا، بھلے یہ جملے حقیقت حال سے مطابقت نہ رکھتے ہوں، ایسے موقعہ پر حقیقت اور واقع کے خلاف تسلی آمیز اور حوصلہ افزا بات کہنے کی شرعی گنجائش ہے اس کو جھوٹ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

عیادت کا تعلق صرف انسانی ہمدردی سے ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر شرعی حق ہے جسکے ادا نہ کرنے پر آخرت میں مواخذہ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: حق المسلم ست، قیل ماھن یا رسول الله ! قال اذا لقیته فسلم علیه، واذا دعاك فاجبه، واذاتضحاك فانصح له، واذا عطس محمد الله فشمته ، واذا مرض فعده، واذامات فاتبعه (مشکوۃ)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں، پوچھا گیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا کیا ہیں۔ فرمایا (۱) جب تم مسلمان بھائی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ (۲) جب وہ تمہیں دعوت دے تو قبول کرو۔ (۳) جب تم سے مشورہ طلب کرے تو اس کو صحیح اور نیک مشورہ دو (۴) جب اسکو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو تم اسکے جواب میں یرحمك اللہ کہو۔ (۵) جب وہ بیمار ہو جائے تو اسکی عیادت کرو۔ (۶) جب وہ انتقال کر جائے تو اسکی نماز جنازہ پڑھو اور اسکے جنازے کے ساتھ قبرستان جاؤ۔

عیادت کا حق بعض حالات میں ایک اہم فرض کی صورت اختیار کر جاتا ہے جب کہ مریض کا کوئی پرسان حال نہ ہو، ایسی صورت حال میں مسلم سماج کے ہر شخص کی دینی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ بیمار کے علاج اور اسکی خدمت وراحت

کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرے اور اسکی صحت کی واپسی اور بقا کے لئے ہر ممکن سہولیات کا بندوبست کرے۔ یہ بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ موجودہ مسلم معاشرہ میں اس پہلو سے بڑی کوتاہی و بے توجہی اور غفلت دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہمارے آس پاس بے شمار، غریب، لاچار، بے بس اور مجبور مریض رہتے ہیں جن کی جانب چنداں التفات نہیں کیا جاتا اور ان کے ساتھ کسی قسم کا اخلاقی و مالی اور انسانی تعاون نہیں کیا جاتا، چنانچہ ان گنت مرد و عورت اور بچے اور بوڑھے مرض کی شدت و تکلیف کو مجبوراً سہتے ہوئے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے دم توڑ دیتے ہیں جن کی درد بھری چیخ و پکار اور ان کی آہ و فغاں کسی صحت مند دولت مند ہم سایہ دوست اور رشتہ دار کے کان تک نہیں پہنچتی، اس صورت حال سے دانستہ بے توجہی اور چشم پوشی کا کیا جواب دیا جائیگا۔ جب اللہ تعالیٰ یہ پوچھ بیٹھے، اے ابن آدم میں بیمار ہوا، تو نے میری عیادت نہیں کی۔ جواب تو یہی دے گا، پرودگار تو کیسے بیمار ہوسکتا ہے، جو تیری عیادت کی جائے، اس پر اللہ یہ فرمائے گا، تو جانتا تھا کہ فلاں میرا بندہ فلاں وقت بیمار ہوا اور تو نے اسکی عیادت نہیں کی، اگر تو اسکی عیادت کیا ہوتا تو آج تو میری رحمت کا سزاوار ٹھہرتا۔

یہ حدیث قدسی آگاہ اور مطلع کر رہی ہے کہ مریض کی عیادت آخرت میں رحمت خداوندی کا سبب بنتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے درمیان عمومی سطح پر بیماروں کی خدمت کے جذبہ کو ابھارے کی ضرورت ہے، جسکی طرف عدم التفات کا مشاہدہ عام ہے۔ اور یہ پہلو بھی بڑی توجہ کا مستحق ہے کہ آج مسلمان جدید طب، میڈیکل، میڈیسن اور سرجری کے میدان میں کوسوں دور ہیں۔ ان کی نظروں سے علم الابدان کی ضرورت و اہمیت اور افادیت مستور اور اوجھل ہوگئی اور اسکے برعکس یوروپ اور امریکہ کی قومیں اس میدان میں اس قدر آگے بڑھ چکی ہیں کہ ان کی حیرت انگیز ترقیوں اور ایجادات کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو جدیب طب کی دنیا میں قیادت اور امامت کا نصب حاصل ہونا، ایک امر متمنع نہ سہی ناممکن ضرور دکھائی دے رہا ہے۔ علم ابدان سے غفلت اور بے رخی کا ایک عظیم نقصان و خسران یہ سامنے آگیا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ دعوت و تبلیغ کا یہ زریں موقعہ ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ غیر مسلم مریضوں کا علاج اور ان کی خدمت اور ان کی عیادت وغیرہ ایسے افعال اور اعمال ہیں جن سے اسلام کی تبلیغ کے لئے راہ ہموار ہوسکتی ہے اور یہ حقیقت ہے جسکا عام مشاہدہ ہے کہ مریض ذہن اور قلبی طور پر اپنے ڈاکٹر کو مسیحا کی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس ڈاکٹر نے تو زندگی دی۔ اس صورت حال سے ڈاکٹر فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ ذہنی علاج بھی کرسکتا ہے اور وہ علاج ہے اسلام کے رحمت آمیز پیغام کو اس کے قلب و ذہن تک پہنچا دینا۔

اس راز اور حکمت کو موجودہ زمانہ میں عیسائیوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے مسیحیت کی دعوت اور تبلیغ کے لئے

ہسپتالوں سے زیادہ اور کوئی ذریعہ دکھائی نہیں دیا اسی لئے انہوں نے ساری دنیا میں ہسپتالوں اور کالجوں کا ایک وسیع جا بچھادیا۔ آج عیسائی قوم علاج ومعالجہ کی راہ سے مسیحیت کی جو دعوت وتبلیغ کررہی ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور وہ اس پہلو سے کامیابی وکامرانی کی بلندیوں کو چھورہی ہے اور اسری دنیا میں مسیحیت پھیلتی جارہی ہے یہ تو وہی گر اور وہی ڈگر ہے جسکی جانب نبی کریمؐ نے ان الفاظ میں ہدایت دے دی۔ العلمان علمان۔ علم الادیان و علم الابدان۔ علم دو ہیں ایک دین کا علم اور دوسرا بدن کا علم۔

سیاق میں گذری حدیث کا تیسرا حکم جو دیا گیا ہے وہ قیدیوں کی رہائی سے متعلق ہے، فکعوا العانی ۔ یہ حکم بھی موجودہ دور میں بڑی اہمیت اور انتہائی توجہ کا مستحق ہے۔ عراق، افغانستان، فلسطین، چینا، بوسینا، وغیرہ میں ہلاکت خیز تباہ کن ظالمانہ اور وحشیانہ جنگوں کی وجہ سے قیدیوں سے متعلق جو امور اور مسائل اور حالات دنیا کے سامنے آرہے ہیں، انہیں دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ نے ان ہی حالات کو سامنے رکھکر امت کو یہ حکم دیا ہے۔ اور بالخصوص دیگر ممالک کے مقابلہ میں ہمارے ملک ہندوستان میں مسلمان قیدیوں کا مسئلہ انتہائی افسوس ناک حیران کن شکل اختیار کرگیا ہے اور اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے فوری حل طلب، پیچیدہ اور سنگین مسائل میں بنیادی حیثیت اور نوعیت رکھتا ہے جسکی طرف پوری ملت کی توجہ کی ضرورت ہے۔

ہمارے یہاں مسلمان قیدیوں میں اکثریت ایسے نوجوانوں کی ہے جن کو بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے محض شک وشبہ اور حفاظت امن کے خیال سے گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ چند سال پہلے مسلمانوں کی تعلیمی سماجی، اقتصادی زبوں حالی اور پس ماندگی کا جائزہ لیا گیا اور یہ تفصیلی تجزیہ جسٹس راجندر سچر رپورٹ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ اسکا ایک باب مسلمان قیدیوں سے متعلق بھی رہا ہے جس میں یہ بتلایا گیا تھا کہ وہ بڑی قابل رحم حالت میں ہیں اور بے شمار قیدی ایسے ہیں جو برسہا برس سے جیلوں میں سڑ رہے ہیں اور ان کے مقدمات کی سماعت بھی شروع نہیں ہوسکتی ہے۔ (دعوت ۴ جولائی ۲۰۱۲ء)

ایڈوکیٹ روی چندرن نے مکہ مسجد حیدرآباد بم دھاکہ کے بے گناہ مسلم ملزمین پر کئے گئے پولیس کے مظالم، دہشت گردی کے بے بنیاد بے جا الزام میں غیر قانونی گرفتاریوں نیز، ٹارچر سے متعلق شکایات کے سلسلے میں آندھرا پردیش اسٹیٹ اقلیتی کمیشن کے ذریعہ تشکیل کردہ رپورٹ کا خلاصہ کرتے ہوئے ایک جملہ کہا ہے۔

''اگر آپ کی آنکھوں میں آنسو کے چند قطرے باقی ہوں تو ان کو بہانے کا سایہ اس سے زیادہ موزوں کوئی موقع

نہ ملے۔" (دعوت ۷ مارچ ۲۰۱۳ء)

نبی کریمؐ نے قیدیوں کو رہائی اور آزادی کے حکم کے ذریعہ ان کے بے شمار مسائل کو حل کرنے کی طرف رہنمائی فرمادی ہے۔ موجودہ وقت میں خدمت خلق کا یہ اعلیٰ پہلو ہے ان مظلوم بے گناہ قیدیوں کی بے گناہی اور بے جرمی ثابت کرنے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی جائے اور اسکے لئے عدالتی کارروائیوں کو اعلیٰ پیمانہ پر حسن وخوبی اور نظم واہتمام کے ساتھ انجام دی جائے۔ قیدیوں سے جڑے ہوئے سارے مسائل کے لئے مالی فنڈ فراہم کیا جائے اور جن قیدیوں کے اہل خانہ ان کی قید کی وجہ سے فقر وفاقہ کا شکار ہیں۔ ان کے لئے اشیاء خوردونوش کی فراہمی اور ان کی دیگر ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے روپیوں کی تقسیم کا نظم ونسق قائم کیا جائے اور ان کے بچوں کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے تاکہ ان کا بھی مستقبل تاریک نہ بن جائے۔

قیدیوں سے متعلق مذکورہ مسائل کو حل کرنے کے لئے زکوٰۃ کی رقم کو کام میں لایا جاسکتا ہے جو غلاموں کی آزادی سے متعلق ہے کیونکہ یہ قیدی غلاموں کی سطح سے بھی نیچے ہو چکے ہیں اور موجودہ دور میں غلامی کے فقدان کے باعث یہ بے مصرف کے بغیر رہ گیا ہے ایسی صورت میں قیدیوں کو غلاموں کی منزل میں رکھا جائے تو شاید یہ قیاس بے اصل اور بے علت نہ ہوگا۔

خدمت خلق میں بنیادی چیز جو ہے وہ دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے جسمانی جدوجہد کرنا اور ان کے لئے روپیہ اور پیسہ خرچ کرنا، اور جہاں تک دولت کی ابت ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی محنت ومشقت سے کمائی ہوئی دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے میں خوشی خوشی جلدی سے آگے نہیں بڑھتا اور بالخصوص وہ شخص جس کے دل میں مال ودولت کی غیر معمولی رغبت ومحبت رچی بسی ہو اور اس کے اندر مال ودولت کو جمع کرنے کی حرص وہوس اور لگن ودھن ہو تو ایسا آدمی بخل میں آگے اور سخاوت میں پیچھے رہتا ہے۔ اسی لئے نبی کریمؐ نے بخالت سے بچنے اور سخاوت کرنے کی ہدایت اور تلقین کی۔ اور اپنی اور اپنے بیوی بچوں اور متعلقین کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے کی مقدار میں سرمایہ وپونجی کو محفوظ کرلے اور باقی رقم دوسروں پر خرچ کردے چنانچہ قرآن کریم نے اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے وفی اموالھم حق للسائل والمحروم تمہارے اموال میں ایسے حاجت مند لوگوں کا بھی حصہ ہے جو دوسروں کے سامنے اپنی ضروریات اور حاجات بیان کرتے ہیں، تم سے مالی امداد کے خواہاں رہتے ہیں اور ایسے لوگوں کا بھی حصہ ہے جو اپنی شرافت وغیرت کے باعث تمہارے سامنے اپنی ضروریات اور حاجات پیش نہیں کرتے ہیں اس عدم اظہار کی وجہ سے

لوگوں کو ان کے ضرورت منداور حاجت مند ہونے کا علم اور احساس ہونہیں پاتا۔اسی لئے وہ مالی منفعت اور فائدہ حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔اسی لئے قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو محروم کے لفظ سے یاد کیا ہے اور علانیہ دست سوال دراز کرنے والوں کو سائل کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

اس آیت میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ یہاں دوسروں کو مال دینے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ زکوٰۃ کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ نفل صدقہ کا حکم ہے۔زکوٰۃ تو فرض ہے اور اسکے مستحقین اور اسکی مقدار وغیرہ متعین ہے۔

نبی کریمؐ نے دوسرے لوگوں پر مال خرچ کرنے اور قومی و ملیہ اور رفاہی کاموں میں مالی تعاون کرنے کے مسئلہ میں حضرات صحابہ کی اس طرح سے ذہن سازی اور کردار سازی کی ہے کہ وہ خود ہی آپؐ سے پوچھتے تھے کہ ہم اپنا مال کن لوگوں پر خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں۔

صحابہ کرام کے اسی سوال پر وحی کا نزول ہوا راہ خدا میں تم جو مال بھی خرچ کرو اس میں والدین، قرابت داروں ،یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ بھی شامل رہے۔

نبی کریمؐ کی صحبت اور تربیت کا فیضان تھا کہ حضرات صحابہ کے ہاتھ حصول دولت میں متحرک رہتے تھے لیکن ان کے دل محبت دولت سے خالی رہتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ اپنی گاڑی کمائی اسلام اور مسلمانوں پر بغیر کسی پس و پیش کے بے دریغ لٹاتے رہے۔وہ دوسروں کو کھلانے پلانے اور دینے دلانے میں پیش پیش رہتے تھے اور خود کھانے پینے میں پیچھے رہتے تھے۔حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اپنے وقت کے بہت بڑے دولت مند فیاض اور مہمان نواز آدمی تھے۔ان کا دستر خوان نہایت کشادہ اور وسیع تھا ہمیشہ انواع واقسام کے لذیذ کھانوں سے بھرا رہتا تھا۔ان کے گھر رات دن مہمانوں اور مسافروں اور ملاقاتیوں کا تانتا لگا رہتا تھا، آپ بھی کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھتے نبی کریمؐ کی یاد آجاتی مغموم اور مایوس ہو جاتے، دستر خوان سے اٹھ جاتے اور فرماتے نبی کریمؐ نے تادم زیست کسی وقت سیراب ہو کر پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ خادم سے کہتے میرے لئے روٹی اور شہد لے آؤ، اور وہی تناول فرماتے۔اور یہی حالت اور کیفیت داماد رسولؐ حضرت عثمان ابن عفانؓ کی بھی تھی، آپؓ صاحب دولت و حشمت تھے اور ایک جہاں آپ کے جود و سخا سے بہرہ ور تھا۔لیکن جو کی روٹی اور زیتون آپ کی دائمی غذا تھی۔

قرآن کریم کے اولین مخاطب حضرات صحابہ تھے اور وہی اس کے احکام کی کامل و مکمل طریقہ سے پیروی کرنے والے تھے، حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے کی مقدار میں مال روک رکھو

اور باقی زائد مال کو راہ خدا میں صرف کردو، لیکن بعض صحابہ کرام کا عمل اسکے برعکس رہتا تھا وہ اپنی ضرورتوں پر دوسروں کی ضرورتوں کو مقدم رکھتے تھے۔ نبی کریمؐ نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مال واسباب کی فراہمی کے لئے اعلان کیا تو ہر صحابی نے اپنی اپنی استطاعت وقوت کے مطابق مال واسباب جمع کرنا شروع کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا کل ساز وسامان لاکر جمع کردیا۔ یہ دیکھکر نبی کریمؐ کو بڑی حیرت ہوئی اوران سے پوچھا، اے ابوبکرؓ اپنی بیوی بچوں کے لئے کچھ مال گھر میں چھوڑے ہو یانہیں؟ عرض کیا یارسول اللہؐ! ان کے لئے اللہ اور رسول کافی اور کفیل ہیں، تعجب اور مسرت کی بات تو یہ رہتی تھی کہ وہ حضرات اس طرح کے کار خیر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے گھر کے مال واسباب سے آدھا مال اپنی بیوی بچوں کے لئے چھوڑا اور آدھا مال نبی کریمؐ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اور اتنے میں پیش کردہ مال کی زیادتی کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں یہ سوچ بھی رہے تھے کہ آج کوئی مجھ سے سبقت نہیں لے جائیگا، لیکن جب حضرت ابوبکرؓ کے مال واسباب کو دیکھا تو انگشت بدنداں رہ گئے اور بول اٹھے، ہم میں سے کوئی بھی حضرت ابوبکرؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

غرض مدینہ منورہ میں مکی مسلمانوں کی آبادکاری کا مسئلہ ہو، یا مساجد کی تعمیر کا معاملہ ہو یا لوگوں کے لئے پانی کی قلت کو دور کرنا ہو، مسافروں، محتاجوں، یتیموں اور سائلوں کی مشکلات کو رفع کرنا ہو، جنگوں کے مقعہ پر مال واسباب کی فراہمی کا مسئلہ ہو، غلاموں اور قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ ہو، علمی، مذہبی، سماجی، سیاسی، ملی اور بین الاقوامی مسئلہ ہو، ہر سمت اور ہر جہت سے ان بزرگوں نے ایثار قربانی کا مظاہرہ کیا تاریخ اسلام اس جیسی عمومی اور ہمہ گیر مثال پھر دیکھنے کو مل نہ سکی۔

قرآن کریم نے العفو (ضروریات سے زائد مال) کے لفظ کی جو تخصیص اور تعیین کی ہے اس میں ہر زمانے کے مسلمانوں کے لئے رہنمائی ہے کیونکہ ہر زمانے کی ضرورتیں اور حاجتیں علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں اور ہر ملک کے معاشرہ اور سوسائٹی کے تقاضے اور مطالبے بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں امت میں مالدار طبقہ، متوسط طبقہ اور پس ماندہ طبقہ کی ضروریات وحاجات اور حالات بھی مختلف اور جداگانہ ہوتے ہیں اور ہر طبقہ کو اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی حیثیت اور معیار کے مطابق اپنی اپنی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنا ہوتا ہے، اسی لئے قرآن کریم نے ہر زمانے کے مسلمانوں کو اپنی علاقائی، تہذیبی، ثقافتی اور معاشی حالتوں اور تقاضوں کے مطابق ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مال ودولت کو روک لینے کے بعد زائد دولت کو خدمت خلق میں صرف کرنے کی تلقین کی ہے۔ اور یہ صرف ایک لفظ العفو میں موجود ہے۔

اس مقام پر یہ وضاحت بھی شاید بے محل نہ ہوگی کہ نبی کریمؐ نے خدمت خلق کے باب میں نطقۂ نظر اور اس اقدام

کو بھی غلط قرار دیا کہ آدمی اپنے اہل وعیال کے ضرورتوں اور ان کے حقوق کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ساری دولت دوسرے لوگوں پر لٹا دے اور انہیں محروم اور تہی دست کردے بلکہ آپؐ نے حکم تو یہ دیا ہے کہ آدمی اپنی داد و دہش اور عطاو بخشش کے معاملہ میں اپنے اہل وعیال اور اپنے خاندان کے لوگوں کو مقدم رکھے چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے: الصدقة علی ذی رحم شنتان صدقة وصلة ، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں پر صدقہ کرنا دواجر ہیں ایک صدقہ کا اجر اور دوسرا صلہ رحمی کا اجر۔

حضرت سعد بن ابی وقاص بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لئے نبی کریمؐ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر حضرت سعدؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت دولت ہے۔ میں وصیت کرنا چاہتا ہوں کہ میری ساری دولت مسلمانوں کی فلاح و بہبودی میں صرف کی جائے یہ سن کر حضور اکرمؐ نے حضرت سعدؓ سے پوچھا، تمہارے اہل وعیال میں کون کون ہیں، انہوں نے عرض کیا ایک بیٹی ہے، آپؐ نے ساری جائیداد کی وصیت کرنے سے منع فرمایا، حضرت سعد نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنی نصف جائیداد کی وصیت کردوں، آپؐ نے نصف کو بھی منع فرمایا، حضرت سعد نے پھر پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! ایک تہائی کی وصیت کردوں، آپؐ نے انہیں ایک تہائی مال کی وصیت کرنے کی اجازت دی۔ اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی کہی کہ اے سعد، اپنی اولاد کے لئے کچھ مال و دولت چھوڑ جاؤ تا کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے میں کسی کی محتاج اور دست فکر نہ رہے۔ اپنی اولاد کے لئے مال چھوڑ کر دنیا سے چلے جانا بھی ایک صدقہ ہے۔

نبی کریمؐ نے زندگی تمام امور و مسائل میں توازن اور اعتدال کو برقرار رکھا ہے افراط و تفریط اور انتہاء و پستی سے بچے رہنے کی تعلیم دی ہے، مال و دولت حاصل کرنے اور جمع کرنے میں بھی توسط اور میانہ روی کی ہدایت دی ہے، مال و دولت کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہوئے اسکو حاصل کرے اور ضروریات کی تکمیل کے لئے جمع کرنے سے کنارہ کش ہو جانے کو منع فرمایا اور دولت حاصل کرنے کے لئے زندگی ہی وقف کرنے سے بھی منع فرمایا اور صاف صاف لفظوں میں ہدایت دی کہ مال زندگی کے لئے ، زندگی مال کے لئے نہیں، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا معنی خیز اور نصیحت آموز قول ہے دست بکار و دل بیار دولت کمائی جائے لیکن اسے دل میں جگہ نہ دی جائے۔ ضروریات اور خواہشات ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہے جو سرپٹ دوڑتا ہی رہیگا، اس کو قابو میں رکھنا ہو تو قناعت اور کفایت کی لگام دینا ضروری ہے۔ اسی لئے نبی کریمؐ نے فرمایا: آدمی نکاح کرے اور اپنی بچوں کے لئے گھر بنائے اور ایک خادم رکھ لے اس سے زیادہ جو بھی جمع کرے گا وہ فضول سمجھا

جائیگا۔اس حدیث کا صاف اور سیدھا مطلب یہی ہے کہ آدمی اتنی دولت ضرور کمائے جس سے اسکی ضرورت کی تکمیل ہوسکے۔

اسی روش میں سلامتی اور امن اور عانیت ہے، ضرورت سے زائد مال و دولت حاصل کرنے میں اور اسکے بے جا اور بے محل خرچ کرنے میں بڑی مشکلات اور بڑے مسائل پیش آجاتے ہیں اور آخرت میں بھی ایک ایک پائی پائی کا حساب دینا ہوتا ہے چنانچہ احادیث میں ہے کہ آدمی قیامت میں اپنی جگہ سے ایک قدم بھی نہیں ہٹا پائے گا، جب تک کہ وہ یہ نہ بتلادے کہ اس نے یہ مال کہاں سے اور کیسے حاصل کیا اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے۔حضرت قطب ویلور نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے ساری دنیا کی حکومت عطا کی تھی اسی وسعت و ہمہ گیریت کے اعتبار سے ان کے پاس دنیا جہاں کی دولت جمع تھی انہیں اپنی دولت کا حساب و کتاب پیش کرنے میں پانچ سو سال کی مدت گذرے گی اور وہ حضرات انبیائے کرام میں سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوں گے۔حضرت قطب ویلور کی اس وضاحت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے ایک معصوم پیغمبر کی پاک وصاف، حق وانصاف پر مبنی دولت کے حساب و کتاب کا یہ عالم ہوگا تو اس دولت کے حساب و کتاب کا کیا عالم ہوگا جو ظلم وزیادتی اور باطل طریقوں سے جمع کی گئی ہو، العیاذ باللہ۔اسی لئے آخرت شناس اور اخروی فکر سے آراستہ حضرات اولیاء اور صوفیہ نے دنیا اور دنیاوی اسباب سے تعلق رکھا صرف اسی قدر جس قدر ان کی مختصر اور محدود ضرورت تھی حضرت قطب ویلور فرماتے ہیں: دنیا کی مثال بیت الخلاء جیسی ہے جس میں آدمی داخل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور اس میں داخل ہونے کے بعد اتنی ہی دیر رہتا ہے جتنی دیر وہاں ضرورت ہوتی ہے اور جوں ہی اسکی ضرورت پوری ہوجاتی ہے تو وہاں سے نکل جاتا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی وہاں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا۔

خدمت خلق کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ یہ خدمت صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی اور ثواب آخرت کے خیال سے کی جائے جس میں کسی قسم کی مادی، سیاسی، مصلحتی، منفعتی، اور ذاتی غرض شامل نہ ہونے پائے اور اس خدمت کو انجام دینے والے کی زبان پر ان اجری الا علی اللہ کے کلمات جاری رہیں اور اسکا ہر قدم ان کلمات کی تائید اور تصدیق کرتا رہے تو یقیناً اسکا یہ عمل قرض حسنہ کی صورت اختیار کر جائیگا اور اسے آخرت میں ضرور بدلہ اور صلہ مل کر رہیگا۔اس لئے کہ اللہ نے ایسے مخلصانہ عمل کو قرض حسنہ قرار دیا ہے۔قرض حسنہ کی تعبیر سے یہ مفہوم سامنے آرہا ہے کہ جس طرح کسی کا قرض لوٹانا واجب ہوتا ہے اسی طرح اللہ نے بھی اپنے فضل سے اپنے آپ پر ایسے عمل کی جزا اور بدلہ دینے کو واجب کرلیا ہے، جیسا کہ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔

من ذاالذی یقرض اللہ قرضاً حسنا فیضفہ لہ اضعافا کثیرا ،جوکوئی اللہ کوقرضہ حسنہ دے تووہ اس شخص کو دوگنا اجروثواب عطا کرے گا۔ خدمت خلق سے متعلق ہمیں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ وہ ایک نیکی اور صدقہ ہے جوبھی نیکی کی جائے وہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے کی جانی چاہئے اوراسکے پیچھے رب کریم کی خوشنودی اورثواب آخرت کی طلب کے سوادوسری کوئی نیت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ بری نیتوں سے نیکیاں ختم ہوجاتی ہیں اوران پرکوئی اجروثواب مل نہیں پائے گااسی لئے نبی کریمؐ نے ہدایت دی اورتاکید فرمائی انما الاعمال ، بالنیات ،اعمال کادارومدارنیتوں پر ہے لیکن بعض لوگ کارخیرکوانجام تودیتے ہیں لیکن اپنی نیکی کودانستہ یاغیردانستہ طورپرضائع کرلیتے ہے۔اسکی ایک عام صورت جسکا مشاہدہ بھی عام ہے،وہ یہ ہے کہ جس کے ساتھ احسان اورحسن سلوک کیاجاتاہے،اسکے تعلق سے یہ امید قائم کرلی جاتی ہے کہ وہ اس خدمت کے بدلہ میں ان کا احسان مندرہےاوراپنی زبان سے ان کی تعریف وتوصیف کرتارہےاوران کی مرضی کے مطابق پیش آتارہےاوران کی ہر بات خواہ صحیح ہویاغلط مانتارہے۔اور جب یہ امیدیں پوری نہیں ہوتی ہیں تو اپنے احسانات ورعنایات اورخدمات کومبالغہ کے ساتھ شمارکیاجاتاہے،یہی وہ رویہ اورروش ہے جوایک غیرت منداورشریف آدمی کے دل پرگراں ہے۔اسی اظہاراحسان اوردل آزارباتوں کوقرآن کریم کی زبان میں المـــــن والاذی سے تعبیرکیاگیاہے۔ اسی کے باعث صدقات اورنیکیاں ضائع اور برباد ہوجاتی ہیں۔قرآن کریم نے تاکید فرمائی ہے یاایھاالذین امنو لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی،خدمت خلق کی کئی صورتیں اورشکلیں ہوتی ہیں اوروہ زمانے کے ساتھ ساتھ مختلف صورتوں میں وجودپذیرہوتی ہیں،ان میں اہم چیز جوغوراورعمل کے قابل ہے۔وہ یہ ہے کہ کس وقت کس جگہ پراللہ کی مخلوق کن کن چیزوں کی محتاج اورضرورت مندنظرآرہی ہےضرورت وحاجت کو پورا کرنا ہی صحیح معنوں میں خدمت خلق ہے۔چنانچہ پانی کو لیجئے وہ ہردوراور ہرعلاقہ میں انسانوں،حیوانوں،چرندوں،پرندوں،درندوں،پودوں اور درختوں کی ضرورت بنارہا۔آج کے دورمیں بھی اسکی ضرورت وحاجت اسی طرح برقرارہےاورجب کبھی اور جہاں کہیں بھی پانی کی قلت ہوجائےتوکیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا ہوتاہے بلکہ زندگی ہی خطرہ میں پڑجاتی ہے یہ ایک روشن اورمعلوم حقیقت ہے۔اسی لئے نبی کریمؐ نے پانی کوصدقہ کرنے کاحکم دیا۔اوراس نیکی کوآخرت میں نجات کا ذریعہ قراردیا۔اس سلسلہ میں نبی کریمؐ کی یہ حدیثیں ہیں۔

آپؐ نے حضرت سراقہ سے فرمایاہرپیاسے جگرکوپانی پلاؤیہ بڑےاجروثواب کاکام ہے،فــی کــل کبــد جری سفیتھا اجر۔

آپؐ نے فرمایا ایک شخص نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ نے اسکی مغفرت فرمادی حضرت سعدؓ نے حضور اکرم ﷺ سے اپنی والدہ کے حق میں ایصال ثواب کے لئے کسی بہتر صورت کی نشاندہی کے لئے عرض کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: پانی، حضرت سعدؓ نے ایک ایسے علاقے میں کنواں کھدوایا جہاں پانی کی قلت تھی۔

نیز ارشاد فرمایا صدقات میں بہترین صدقہ یہ ہے کہ لوگوں کے لئے پانی کی سہولت مہیا کریں اور پانی فراہم کریں۔ افضل الصدقة الماء ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مسلمان کو ایسی جگہ میں پانی پلایا جہاں پانی کا ملنا انتہائی دشوار تھا تو پانی پلانے والے کو وہی اجر وثواب دیا جائے گا جو ثواب کہ کسی شخص کی جان بچانے پر دیا جائے گا۔

من سقى مسلما شربة من ماء حيث لايوجد الماء فكانما احياها (جامع الصغیر)

لوگوں کے لئے پانی کا بندوبست کرنا اور فراہم کرنا جس سے وہ اپنی پیاس بجھاسکیں اور اپنی ضروریات پوری کرسکیں تو یہ ایک ایسی خدمت اور ایک ایسی نیکی ہے جسکو انجام دینے پر دوزخ کی آگ حرام ہوجاتی ہے اور وہ جنت کا حق دار بن جاتا ہے بلکہ اسے یہ اعزا اور اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے، جیسا کہ مستدرک اور معجم الکبیر کی یہ حدیثیں ہیں بعده الله عن النار، فتحت له ابواب الجنة فقيل له ادخل من ايها شئت ۔

موجودہ زمانے میں پانی کی قلت، اسکی فراہمی اسکی کثافت وگندگی کا مسئلہ انتہائی دشوار اور نازک بن چکا ہے بلکہ آج اس پانی نے زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ کرادی ہے جس میں پانی پلانے کے لئے لوگوں کے درمیان خون ریز لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ آج لوگوں کو ہر جگہ پاک وصاف پانی نہیں مل رہا ہے جس کے باعث مختلف جان لیوا بیماریاں کثرت سے پھیل رہی ہیں اس صورت حال سے غریب طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہورہا ہے، پانی کی فروخت عام ہوچکی ہے، وہ رات دن خرید پانی پینے سے عاجز اور قاصر ہے، اس مشکل سے سرمایہ دار طبقہ محفوظ اور مامون ہے۔ ایسی صورت میں غرباء اور مساکین اور متوسط طبقہ کے افراد پاک وصاف پانی مفت فراہم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور خدمت خلق میں بہترین صورت ہے ملت اسلامیہ اس پہلو سے خدمت انجام دے تو یہ ایک ایسی انسانی خدمت ہوگی جس پر وہ مذکورہ احادیث کی بشارتوں کی مستحق قرار پائے گی۔

پانی کی بات جب چل پڑی ہے تو اسکے تعلق سے ایک دلچسپ نصیحت آموز واقعہ بھی سن لیجئے عباسی خلیفہ ہارون رشید سویا ہوا تھا، آدھی رات میں نیند ٹوٹ گئی اور اسے بڑی سخت پیاس لگی، بستر پر سے اٹھا، ایک گلاس پانی لیا اور منہ کو لگانے

ہی والا تھا کہ قریب میں حضرت سماک سو رہے تھے وہ بھی اٹھ بیٹھے اور ہارون رشید سے کہا، امیر المومنین اس وقت آپ کو سخت پیاس لگی ہے اور آپ کے ہاتھوں میں آدھا گلاس پانی موجود ہے، اگر اس تشنگی کے عالم میں یہ پانی آپ کو نہیں ملتا اور وہ قیمت پر ملتا، تو آپ اتنے پانی کو کتنی قیمت دے خریدیں گے، خلیفہ نے جواب دیا، میں اپنی آدھی سلطنت دے کر اس آدھے گلاس پانی کو خریدلوں گا۔ حضرت سماک نے پھر فرمایا، امیر المومنین اگر یہ آدھا گلاس پانی آپ کے پیٹ میں چلے جانے کے بعد خارج نہ ہو سکے تو آپ اسکو خارج کرنے کے لئے کیا اقدام کریں گے؟ ہارون رشید نے کہا میں اسکو خارج کرنے میں اپنی باقی آدھی سلطنت بھی قربان کردوں گا۔

یہ سن کر حضرت سماک نے ہارون رشید سے کہا، امیر المومنین اب آپ کو یہ حقیقت کھل گئی کہ آپ کی سلطنت کی قدرو قیمت صرف ایک گلاس پانی ہے لہٰذا آپ ایسی سلطنت پر مغرور اور متکبر نہ ہو جایئے۔

اس واقعہ سے دو تین باتوں پر روشنی پڑتی ہے، ایک تشنگی کے عالم میں پانی کی قدرو قیمت کیا ہوتی ہے، دوسری یہی پانی جسم سے خارج نہ ہو سکے تو صحت پر اسکے کیا نقصانات ہوتے ہیں۔ یہ پہلو طب سے جڑا ہوا ہے شاید اسی لئے حضرت سماک نے کچھ نہیں کہا اور اس وقت ان کے پیش نظر جو بات تھی وہ خلیفہ کی سلطنت کی بے وقعتی اور ناپائیداری کو نمایاں کرنا، تاکہ وہ حکومت میں نشہ میں چور ہو کر غرور و تکبر اور جور و ظلم کی راہ اختیار نہ کرلے۔ تیسری ،آدمی کو کسی بھی نعمت پر مغرور اور متکبر نہیں ہونا چاہئے ہر نعمت زوال پذیر ہوتی ہے۔ چوتھی بزرگوں کی صحبت سے علم حاصل ہوتا ہے اور نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔

خدمت خلق دراصل مخلوق پر رحمت و شفقت کرنے کا دوسرا نام ہے۔ ملاحسن واعظ کاشفی نے اپنی فارسی تصنیف اخلاق محسنی میں ایک حکایت نقل کی ہے جو سلطان محمود کے باپ سبکتگین سے متعلق ہے۔ یہ حکایت یوں منقول ہے۔

سبکتگین سلطان محمود کا غلام تھا، اسکے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اسکے سوا کوئی اور چیز نہ تھی اسکے اوقات بڑی سختی و تنگی سے گذر رہے تھے۔ ہر روز شکار کے لئے جنگل جاتا اگر کوئی شکار مل جاتا تو اس سے گذر بسر کر لیتا، عموماً جنگل سے خالی ہاتھ سے لوٹتا تھا اور اسکی زندگی فقر و فاقہ میں گذر رہی تھی۔

ایک روز شکار کے ارادہ سے جنگل گیا تو اس نے ایک ہرنی اور اسکے ساتھ بچہ کو دیکھا جو چر رہے تھے۔ اس نے گھوڑا دوڑایا، ہرنی بھاگ کھڑی ہوئی، اسی کے ساتھ بچہ بھی بھاگنے لگا، ہرنی تو تیز دوڑ رہی تھی لیکن بچہ چونکہ چھوٹا تھا اپنی ماں کے ساتھ ساتھ دوڑ نہ سکا، پیچھے رہ گیا سبکتگین نے بچہ کو پکڑ لیا اور اسکے ہاتھ پیر باندھ کر زین کے سامنے رکھا اور شہر کی

طرف چل پڑا، ہرنی نے جب دیکھا کہ اسکا بچہ پکڑا گیا ہے تو سبکتگین کے پیچھے پیچھے آنے لگی اور مسلسل چیختی اور پکارتی رہی جو دراصل ایک بے زبان کی زبان سے فریاد تھی جسکے سمجھنے سے سبکتگین عاجز اور قاصر تھا۔ اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا اور ہرنی بھی برابر اسکے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی، کچھ دور جانے کے بعد سبکتگین رکا اور مڑ کر دیکھا، ہرنی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس رقت انگیز منظر اسکی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اس نے ہرنی کے بچہ کے ہاتھ پیر کھول دیئے۔ بچہ بڑی تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے اپنی ماں کے پہلو میں جا پہنچا۔ ہرنی وارفتگی اور دیوانگی کی حالت میں اپنے بچہ کو چومتے دوڑتے ہوئے اس نے بچہ کو اپنے آگے کیا اور آسمان کی طرف نگاہیں بلند کی، اور اپنی بے زبانی سے معلوم نہیں کیا کیا کہا، سبکتگین خالی ہاتھ گھر لوٹا اسکے لئے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی۔ رات بھوکا ہی سوگیا، خواب دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ اے سبکتگین! تم نے ایک بے زبان مخلوق پر جو شفقت کی ہے اسکی وجہ سے تم اللہ کے مقرب اور محبوب ہوگئے ہو اور ہم تم سے خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بادشاہی عطا کرے گا۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اسی طرح اللہ کی مخلوق کے ساتھ شفقت ورافت سے پیش آتے رہیں اور اپنی رعایا پر کبھی ظلم وستم نہ کریں۔

مخلوق کے ساتھ اظہار رحمت کے باعث سبکتگین پر اللہ کی جو رحمت ہوئی وہ حدیث نبویؐ کے عین مطابق ہے جس میں کہا گیا ہے، تم دوسروں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر مہربان ہوجائیگا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت یہ دو پہلو ہیں۔ بعض اوقات سلف صالحین نے خدمت کو عبادت پر ترجیح دی ہے، لیکن موجودہ زمانے میں سلف کا یہ نمونہ اور عمل کہیں دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے۔ اور کہیں سے یہ بات سننے میں نہیں آرہی ہے کہ ایک مسلمان نے حج یا اعتکاف جیسی عبادت ترک کرتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے سامان زندگی فراہم کردیا ہو یا کسی مصیبت زدہ مسلمان کی تکلیف دور کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو، بعض لوگ نماز، روزہ، حج، ذکر اور دعوت وتبلیغ میں غیر معمولی طور پر منہمک اور مشغول نظر آتے ہیں جو اپنی جگہ یقیناً ایک مستحسن پہلو ہے لیکن اسی کے استھ ساتھ خدمت خلق کے پہلو کو بھی اپنے پیش نظر رکھا جائے تو نور علی نور کی بات ہوگی اور معاشرہ میں انسانیت کا دور دورہ رہیگا، اور یہ عمل اللہ کی نظروں میں بھی نہایت مقبول اور محبوب رہیگا جیسا کہ اسکی تائید مختلف حدیثوں سے ہورہی ہے جسکی تفصیل بھی کسی قدر سیاق ہی گذر چکی ہے۔

آیئے! اسلاف کے ایک دو واقعات اس پہلو سے سنتے چلئے، شاید کہ کسی دل میں اتر جائے مری بات،

حضرت عبداللہ بن مبارک حج کرنے گئے، حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں مقیم تھے ایک روز انہوں

نے خواب دیکھا۔ دو فرشتے آئے ہیں۔ ایک فرشتہ نے دوسرے فرشتہ سے پوچھا، اس سال حج کرنے کے لئے کتنے لوگ آئے ہوں گے، دوسرے فرشتہ نے کہا، چھ لاکھ آدمی آئے، پہلے فرشتہ نے دوسرے فرشتہ سے پوچھا، ان میں سے کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے۔ دوسرے فرشتہ نے جواب دیا کسی شخص کا حج قبول نہیں ہوا ہے۔ البتہ دمشق میں ایک شخص علی بن موفق ہے، ان کا حج قبول ہوا ہے لیکن وہ حج کرنے آئے نہیں۔ اللہ نے اتنا کرم کیا ہے کہ ان کے صدقہ اور طفیل میں تمام حاجیوں کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔

عبداللہ بن مبارک کی آنکھیں کھل گئیں، بیدار ہو گئے، اٹھ بیٹھے، ان کے دل نے کہا حضرت علی بن موفق سے ملاقات کرنا چاہئے، علی الصباح رخت سفر باندھا اور مکہ مکرمہ سے نکل کھڑے ہوئے اور دمشق جا پہنچے، حضرت علی بن موفق کے گھر کا پتہ معلوم کیا ان کے گھر پہنچ کر آواز دی تو وہ اندر سے باہر نکلے، علیك سليك اور خیریت و کیفیت کے بعد پوچھا، آپ ہی علی بن موفق ہیں۔ انہوں نے کہا، ہاں، عبداللہ بن مبارک نے کہا، مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے، حضرت علی نے کہا، فرمایئے، آپ کرتے کیا ہیں؟ علی نے جواب دیا، میں موچھی ہوں جوتیوں میں پیوند لگاتا ہوں۔ اسکے بعد عبداللہ بن مبارک نے مکہ مکرمہ میں دیکھا ہوا خواب حضرت علی کو سنایا تو انہوں نے فرمایا، کیا آپ ہی عبداللہ بن مبارک ہیں، تو جواب میں انہوں نے ہاں، کہا، حضرت علی پر غشی اور بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی، بہت دیر تک بے ہوش رہے، جب ان کو ہوش آیا تو عبداللہ بن مبارک نے کہا۔

میں آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے ایسا کونسا عمل کیا ہے جسکی وجہ سے آپ کو یہ مرتبہ بلند ملا، حضرت علی نے کہا، مجھے تین سال سے حج کرنے کی بڑی خواہش اور تڑپ تھی، لوگوں کی جوتیوں میں پیوند لگا لگا کر میں نے بڑی مشکل سے تین سو درہم جمع کئے تھے۔ اس مرتبہ میں نے حج کی پوری تیاری کر لی دو چار روز میں نکلنے والا تھا ان دنوں میری بیوی حاملہ تھی، ایک روز ہم سایہ کے گھر سے کھانے کی ایسی بہترین خوشبو آنے لگی جو ہم نے کبھی سونگھی ہی نہیں۔ میری بیوی کے دل میں اس کھانے کی خواہش ہوئی تو اس نے مجھے اپنے پڑوسی کے ہاں سے تھوڑا کھانا لانے کے لئے بھیجا! میں پڑوس کے گھر گیا اور اپنے پڑوسی سے تھوڑا سا کھانا مانگا، میں اپنی بیوی کی خواہش کا اظہار کیا اور اس خوشبو دار کھانے کی تعریف بھی کی۔ یہ ساری باتیں سن کر پڑوسی نے خاموشی اختیار کر لی اور اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ کھانا دینا نہیں چاہتا ہے، میں اسکے رویہ سے کسی قدر حیران اور متعجب ہو گیا، یہ دیکھکر اس نے کہا، میں یہ کھانا آپ کو نہیں دے سکتا، اس لئے کہ یہ آپ کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ سن کر میں اور حیران ہو گیا اور اپنے پڑوسی سے پوچھا یہ کھانا ہمارے لئے

ناجائز کیوں ہے؟ آپ ہمیں بتلا دیجئے، پہلے پہلے تو وہ اسکی وضاحت سے پہلوتہی کر رہا تھا، پھر میرے اصرار پر کہنے لگا، میں اور میرے اہل وعیال سات روز سے بھوکے ہیں، آج ایک مردہ گدھا نظر آیا تو میں اسی کا تھوڑا سا گوشت کاٹ کر لایا ہوں اور وہی اس وقت پک رہا ہے۔ یہ سن کر میں اپنے گھر واپس لوٹ آیا، اور میں نے حج کے لئے جو رقم رکھی تھی وہ اپنے فاقہ کش پڑوسی علی بن موفق کو دے دیا اور کہا، یہ رقم تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرلو، یہی میرا حج ہے۔

یہ سن کر عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: فرشتہ نے مجھے خواب میں ایک سچی خبر دی مولانا روم کا یہ شعر اس واقعہ کا مصداق ہے۔

دل بدستہ آور دکہ حج اکبر است   از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر ست

ایک شکستہ دل کی شکستگی کو دور کرنا ہی حج اکبر ہے، ہزار مرتبہ حج کرنے سے ایک دل کو سہارا دینا بہتر ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی سیرت وسوانح میں یہ واقعہ منقول ہے کہ آپ مسجد نبوی میں معتکف تھے آپ کی نظر میں ایک شخص پر مرکوز ہوگئیں جو بہت ہی حیران اور پریشان نظر آرہا تھا، اور وہ مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا، آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار نظر آرہا ہے، آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور اسکے پاس پہنچے اور اسکی خیریت وکیفیت پوچھی تو معلوم ہوا کہ واقعی وہ مصیبت زدہ ہے اور وہ مقروض ہے، اور قرض خواہ کی نظروں سے بچنے کے لئے مسجد میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔ آپ نے قرض کی مقدار پوچھی اور قرض خواہ کا نام پوچھا، پھر فرمایا، اگر تمہیں قرض کی رقم لوٹانے کے لئے کچھ وقت مل جائے تو کیا تم یہ رقم ادا کردو گے۔ اس عرض کیا، ہاں، ہاں، ضرور لوٹادوں گا، آپ مجھے تھوڑا سا وقت اور مہلت دلا دیجئے میں وقت مقررہ پر یہ رقم لوٹا دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے اور میں آپ کا ممنون کرم رہوں گا۔

یہ سن کر حضرت ابن عباس اٹھے اور اپنے سر پر عمامہ رکھا اور مسجد کے باہر قدم رکھنے ہی والے تھے ایک صاحب تیزی سے آپ کے قریب آپہنچے اور کہنے لگے اے ابن عباس! کہیں آپ بھول تو نہیں گئے ہیں کہ آپ اعتکاف کی حالت میں ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس نے فرمایا، نہیں نہیں! مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ مجھے مسجد سے باہر نہیں نکلنا چاہئے لیکن ایک مصیبت زدہ مسلمان کی تکلیف کو دور کرنا یہ سواعتکاف سے بہتر ہے۔ یہ کہا اور باہر تشریف لے گئے قرض خواہ سے بات چیت کی اور خود اسکی ذمہ داری لے لی اور مہلت حاصل کرلی، اور اس مقروض کو تسلی دلاتے ہوئے قرض جلد ادا کرنے کی ہدایت دی۔

یہ اس دور کی بات ہے جس میں دوسروں کے کام آنے والا بھی قرض دار بھی اور قرض خواہ بھی بااخلاق تھے۔ موجودہ دور ایسے اصحاب خلق سے خالی ہوتے جارہا ہے۔ شاید اسی لئے ایسی اخلاقی مثالیں دیکھنے کو نہیں مل رہی ہیں۔

خدمت خلق کا وہ پہلو تذ کیر اور تعریف کے قابل ہے جسکا فائدہ عمومی ہو اور اسکی افادیت حال تک ہی محدود نہ ہو بلکہ مستقبل کو بھی شامل ہو جس سے ہر دور اور ہر زمانے میں اللہ کی مخلوق مستفیض ہوتی رہی۔ اسکی ایک صورت شجرکاری ہے۔ درخت ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان ہی نہیں چرند، پرند اور دیگر حیوان بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں موسمیات اور طبی نقطۂ نظر سے نہایت ضروری ہے بعض وہ درختوں کا وجود جن کی ہواؤں سے بیماریوں کا ازالہ ہوتا ہے اور صحت وتندرستی کی بقا اور حفاظت ہوتی ہے وہ ایک معلوم حقیقت ہے۔ شجرکاری سے انسان کا رشتہ نہایت قدیم ہے اور یہ آج بھی باقی ہے بلکہ موجودہ دور کی زہر آلود کثافت و گندی فضا میں درختوں کا وجود ہماری زندگی کے لئے ایک ضروری اور لازمی جز ہے۔ درختوں کو کاٹ ڈالنے سے موسمیات پر جو اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور انسانوں کی صحت عامہ جو متاثر ہو رہی ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اور اس جانب حکومتیں بھی متوجہ ہو رہی ہیں اور شجرکاری کو ایک مہم کی صورت دے رہی ہیں تا کہ لوگوں میں درخت لگانے کا ذوق اور رجحان پیدا ہو سکے اور ماحول کو صحت بخش بنا سکے۔

قرآن کریم میں قوم سبا کا ذکر ہے جس میں یہ بات کہی گئی ہے سبا کی زمین گلزار بنی ہوئی تھی اور کوئی بھی شخص جہاں کہیں کھڑے ہو کر اپنے دائیں اور بائیں جانب نگاہیں دوڑائے تو وہ دیکھے گا کہ ہر سمت اور ہر جہت لہلہاتے ہوئے سر سبز و شاداب درخت ہی درخت نظر آتے تھے، سبا کی زمین ہرے بھرے درختوں، باغوں اور چشموں بھری تھی اور اس کی آب و ہوا نہایت صاف و شفاف تھی۔ اس خطۂ ارضی میں چلنے والی پاک وصاف اور عمدہ ہواؤں کی اثر آفرینی اور فیض رسانی کا یہ عالم تھا کہ یہاں سے کوئی مسافر صرف گذر جاتا اور اسکے کپڑوں اور بدن میں موجود جراثیم ختم ہو جاتے تھے۔ سبا کی زمین میں کھارا پن نہیں تھا، اور نہ ہی وہاں سانپ، بچھو، مکھی، مچھر اور پسو کا وجود تھا، (پسو، ایک پردار زہریلا کیڑا جسکے کاٹنے سے بدن میں کھجلی ہوتی ہے) جیسا کہ یہ تفصیل علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر جلالین میں بیان کی ہے۔

لیس فیها سباخ ولا بعوضة ولا ذبابة ولا برغوث ولا عقرب ولا حیة، ویمر الغریب فیها وفی ثیابه قمل فیموت لطیب هوائها،

یہی وہ صحت بخش آب و ہوا اور قدرتی و فطری فضا اور سرسبز و شاداب زمین تھی جس میں اللہ نے سبا کا مسکن بنایا تھا، اور یہ قوم سبا پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت تھی، جیسے قرآن کریم قدرت کی ایک نشانی قرار دیا ہے **لقد کان لسبا فی مسکنهم اية۔**

نبی کریم ﷺ نے بھی آب و ہوا کو پاک وصاف رکھنے اور فضا کی شفافیت برقرار رکھنے درختوں کو لگانے اور ان کی

دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا۔امام بخاریؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص باغ لگائے یا کھیت اگائے تو باغوں اور کھیتوں سے پرندے، چوپائے اور انسان کھائے تو یہ درخت اسکے لئے صدقہ ہے۔اس حدیث سے درختوں سے متعلق دنیاوی اور اخروی دو پہلو سامنے آرہے ہیں ان کا دنیاوی پہلو یہ ہے کہ آدمی سب کے فائدہ کا خیال کرتے ہوئے درختوں کو لگائے تاکہ اللہ کی مخلوق ان درختوں سے فائدہ اٹھاتی رہے۔ان کا اخروی پہلو یہ ہے کہ آدمی اپنی آخرت سنوارنے کے خیال سے درختوں کو لگائے تاکہ وہ مرنے کے بعد فائدہ اٹھائے،اور یہ درخت اسکے لئے صدقہ جاریہ بن جائے۔

درختوں سے ثواب پہنچنے کا پہلو ایک حدیث فعلی سے ملتا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کا گذر ایک ایسی جگہ سے ہو رہا تھا جہاں دو قبریں تھیں،اچانک آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے،اور اپنے ہمراہی اصحاب سے فرمایا،ان دو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک آدمی خود کو اپنے پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے بدن اور کپڑوں کو بچائے نہیں رکھتا تھا۔۔دوسرا آدمی اپنے مسلمان بھائیوں کی پیٹھ کے پیچھے ان کے عیوب اور نقائص بیان کرتا تھا۔

یہ کہتے ہوئے آپؐ نے درخت کی ڈالیاں منگوائیں اور ان قبروں پر نصب کر دیا تاکہ وہ اگ سکیں،پھر ارشاد فرمایا جب تک یہ تر رہیں گی وہ تسبیح کرتی رہیں گی اور جہاں اللہ کی تسبیح ہوتی رہے گی وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی،اور یہی نزول رحمت اصحاب قبور کے لئے راحت و عافیت ہے۔

شجر کاری ہی نہیں ہر کار خیر کے معاملہ پر آدمی دوسروں کے فائدہ کا خیال رکھنا چاہئے اس جذبہ اور نیت کے بغیر انسانی سوسائٹی منظم نہیں رہ سکتی اور وہ ترقی کی راہ پر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتی،ہر ایک بھی ہر کسی کے فائدہ کے لئے قدم آگے بڑھائے تو انسانی معاشرہ خوشحالی اور امن سے ہم کنار رہ سکتا ہے خودغرض اور مفاد پرستی سے بدحالی اور بدامنی کا دور دورہ رہتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے دوسروں کے کام آنے والا ہی ایک انسان کہلاتا ہے اس سلسلہ میں یہ حکایت نہایت مفید اور سبق آموز ہے۔

ایک مرتبہ فارس کا فرماں روا بادشاہ کسریٰ نوشیرواں کا گذر ایک انتہائی کھوسٹ بوڑھے کے پاس ہوا جو زیتون کا درخت لگا رہا تھا اس منظر سے بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی،یہ بزرگ ضعیف اس عمر میں زیتون کا درخت لگا رہے ہیں اور جناب چراغ سحری ہیں کیا یہ اپنے لگائے ہوئے درخت کا پھل کھا بھی سکیں گے۔

یہ سوچتے ہوئے بادشاہ رک گیا اور اس معمر آدمی سے مخاطب ہوا اور پوچھا،اے شیخ!اس وقت آپ کی عمر درخت

لگانے کی نہیں ہے اور زیتون کا درخت دیر سے اگتا ہے اور دیر سے پھل دیتا ہے، اور آپ کی عمر متحمل نہیں ہے کہ آپ اس پھل کا درخت کھا سکیں گے۔

شیخ نے جواب دیا، اے بادشاہ! ہم سے پہلے جو لوگ دنیا میں آئے، وہ درخت لگا کر چلے گئے اور آج ہم پھل کھا رہے ہیں ہم درخت لگا کر چلے جائیں گے، ہمارے بعد آنے والے پھل کھائیں گے۔

بادشاہ کو یہ جواب بہت پسند آیا اور وہ بہت خوش ہوا، اور اپنے خادم خاص سے کہا، شیخ کو ایک گراں قدر خطیر رقم تحفہ میں پیش کریں، شیخ نے شکریہ کے ساتھ ہدیہ قبول کیا اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر زر دکھلاتے ہئے کہنے لگا۔

اے بادشاہ! آپ نے دیکھ لیا میرا درخت کس قدر جلد پھل دے دیا، بادشاہ نے شیخ کی یہ بات سنی تو بہت مسرور ہوا، پھر خادم سے کہا، شیخ کو اسی مقدار روپیوں کی تھیلی دے دیں، شیخ نے اس دوسرے تحفہ کو بھی تشکر آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھوں میں لے لیا، پھر بادشاہ سے مخاطب ہوا، اے بادشاہ! ہر درخت سال میں ایک مرتبہ پھل دیتا ہے لیکن میرے اس درخت زیتون نے آدھے گھنٹے میں دو مرتبہ پھل دے دیا۔

باشاہ شیخ کی اس بات سے بھی متاثر ہوا اور خادم کو حکم دیا اس مرتبہ بھی شیخ کو اسی مقدار میں روپیوں کی تھیلی پیش کریں، اسکے بعد بادشاہ ایسے ہمراہی ساتھیوں کی جانب متوجہ ہوا اور ان سے کہنے لگا، یہاں سے جلد نکل چلو اگر ہم اور کچھ دیر ٹھہر جائیں گے تو شیخ کی باتوں کا سلسلہ جاری رہیگا اور ہمارے انعام و اکرام کا سلسلہ بھی جاری رہیگا، آخر کار ہمارے ساتھ موجود خزانہ شیخ کے لئے ناکافی ہوگا۔

درختوں سے متعلق ایک لائق توجہ امر یہ بھی ہے کہ ہرے بھرے پھل دار درختوں کو نہیں کاٹنا چاہئے، اِلّا یہ کہ کوئی ایسی مجبوری اور ضرورت سامنے آجائے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے دور خلافت میں جب بھی فوج کو محاذ پر روانہ کیا تو اس وقت فوج سے فرماتے تھے درختوں اور کھیتوں کو نہ اجاڑیں، قبرستانوں کے درختوں کے ساتھ بھی یہی طریقہ اپنانا چاہئے کہ انہیں بے ضرورت نہ کاٹیں، کیونکہ جب تک یہ درخت رہیں گے ان سے تسبیح جاری رہے گی، اور یہ چیز اہل قبور کے لئے رحمت اور عافیت کا باعث ہوگی۔

راستوں سے متعلق بھی نبی کریم ﷺ کی ہدایت ہے کہ چلنے والوں کے لئے کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت کھڑی نہ کریں بلکہ راستہ میں تکلیف دینے والی کوئی چیز نظر آئے تو اس کو دور کرنا چاہئے، اس عمل کو نبی کریم ﷺ نے صدقہ اور نیکی قرار

دیا ہے۔اماطة الاذی عن الطریق۔

سایہ دار درختوں سے متعلق بھی یہی حکم ہے جو راستوں کے دونوں طرف موجود ہوں یا کھلے مقام پر ہوں جہاں اسکی چھاؤں میں مسافر آرام کرتے ہیں اور ٹھہرتے ہیں، ایسے درختوں کے آس پاس پیشاب پاخانہ کرنے اور کسی قسم کی گندگی ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔

ان تمام ہدایتوں اور نصیحتوں میں ایک چیز جو نظر آرہی ہے وہ ہے، اللہ کی مخلوق کو کسی پہلو سے بھی تکلیف نہیں پہنچانا چاہیئے بلکہ ہر پہلو سے آرام وسکون پہنچانا چاہیئے، یہ بھی صدقہ ہے اور یہ بھی نیک عمل ہے جس پر اہل ایمان کے لئے اجروثواب کی بشارت سنائی گئی ہے۔

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے اندر خدمت خلق کا جذبہ بہت ہی کم پایا جاتا ہے اسکے برعکس عیسائیوں کے اندر خدمت خلق کا جذبہ وافر مقدار میں دکھائی دیتا ہے۔اسی خدمت کے باعث عیسائیت کو ساری دنیا میں فروغ مل رہا ہے، اگر غور کیا جائے تو خدمت خلق ہی نبی کریمؐ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف ہے اور آپؐ کی شریعت کا ایک ممتاز پہلو ہے اور آپؐ کی سیرت کا یہ وہ پہلو ہے کہ آپؐ نے خدمت خلق ہی سے اپنے گفتار اور کردار کا آغاز کیا چنانچہ نبوت سے پہلے آپؐ نے جو سماجی خدمات انجام دی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔

وآخردعونا ان الحمد لله رب العلمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رباعیات اصغرؔ ویلوری

اچھے کے برے سب پہ ہے سایہ تیرا
حاضر ہے حضوری میں یہ بندہ تیرا
دیتا ہے سزا مجھ کو تو مرضی تیری
تھا درگذر و عفو کا وعدہ تیرا

پیش کش: وائی، سید الیاس ویلوری

ایک اہم فتویٰ

ادارہ

ذیل کا فتویٰ استاذ الاساتذہ حضرت علامہ سید حمید اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ سابق استاد دار العلوم لطیفیہ ویلور، کے قلم سے نصف صدی قبل صدور پذیر ہوا تھا۔ جسے من وعن قارئین اللطیف کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے سائل نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہی خیالات آج بھی بعض لوگوں میں پائے جارہے ہیں لہٰذا حضرت مرحوم کا تحریر کردہ یہ فتویٰ آج بھی اصلاح وتذکیر کا باعث ہے، وذکر فان الذکر تنفع المومنین، لوگوں کو مسلسل سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا اہل ایمان کو نفع پہنچائے گا۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

Scanned with CamScanner

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین

اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جس شخص کے پاس اہل سادات کی مہر نہ ہو وہ عالم نہیں ہوسکتا۔ یونہی اہل سادات کی جسکے پاس مہر نہ ہو وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ عالم دین اور خلیفہ ہونے کے لئے اہل سادات کی مہر ہو یا ان کی اجازت ہو کیا زید کا یہ قول صحیح ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ (حضرت) عالمگیر کو رضی اللہ عنہ کہنا کفر ہے اور جو کہے وہ کافر ہے۔

(۳) حضرت منصور رضی اللہ عنہ کو پھانسی کا فتوٰی دینے والے حضرات عالمگیر سب کے سب قابل گردن زدنی تھے اور سب جہنمی ہیں اور جہنم میں جائینگے اور جو عالمگیر کو جنتی کہے وہ توبہ کرے۔

(۴) زید یہ بھی کہتا ہے کہ عالمگیر عالم دین نہ تھا وہ ایک دنیوی حاکم وحکمران تھا اس کو عالم دین کہنا جائز نہیں۔

(۵) حضرت عالمگیر کو جہنمی کہنے پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ قرآن میں ہے، وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُہٗ جَہَنَّمُ خَالِدًا فِیْہَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ۵ ط۔

یعنی قتل مومن عمدًا (قصدًا) کفر ہے اوجو شخص مومن کا قتل کرے وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔

اور عالمگیر نے اپنے بھائی کو قصدًا قتل کیا۔ اس لئے وہ کافر ہے اور جہنمی ہے اور اپنے باپ کو بھی قید کیا اور ان پر ظلم کیا، اس لئے وہ ظالم اور جابر بھی ہے۔ کیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو زید کے اس قول کا جو اس نے قرآن سے پیش کیا ہے کیا جواب ہے۔ بینوا وتوجروا

السائل

محمد عمران قادری رضوی مصطفوی

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا درصورت مسئولہ دین میں بڑے بڑے اہل علم وفضل گذرے ہیں۔ بے شمار خلفاء بھی ہوئے ہیں۔ کیا سب کے پاس اہل سادات ہی کی مُہر سند واجازت تھی۔ حالانکہ دنیائے اسلام نے انہیں پیشوا اور مقتدا مانا ہے۔

زید کے قول کے مطابق تو ان کو عالم کہنا ہی صحیح نہ ہوگا۔ چہ جائیکہ وہ دینی پیشوا ہوں۔ علم کے لئے صالح لیاقت واہلیت کی ضرورت ہے۔ علوم شرعیہ میں اچھی بصیرت سے حاصل ہو وہ عالم ہے خواہ کسی کا سرٹفیکٹ تصدیق اور مہر نہ ہو۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہل علم سادات کی اجازت وخلافتِ مزید برکت وسعادت کا باعث ہوسکتی ہے۔

(۲) جو شخص بلا وجہ شرعی کسی کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔ زید پر یہ لازم ہے کہ اپنے قول سے توبہ کرے۔

(۳) حضرت منصور رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے والے اُس زمانہ کے جلیل القدر علماء وفضلاء تھے اور تعجب نہیں کہ انہیں علماء نے فتاویٰ عالمگیر جیسی مایۂ ناز کتاب کی ترتیب وتدوین کی ہو، ایسے مایۂ صد افتخار علماء وفضلاء کو جہنمی کہنا کس قدر خباثت اور بدظنی کی دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ شریعت کا حکم ظاہر ہے۔ ایک شخص زبان سے کلمۂ کفریہ کہتا ہے، اسے کافر کہا جائے گا۔ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے زبان سے انا الحق کہا تھا جو کلمۂ کفریہ ہے۔ لہٰذا علمائے شرع کے لئے لازم تھا کہ وہ کفر کا فتویٰ دیں۔ اگر ایسا نہ کرتے تو سب علماء مجرم ہوتے۔ چونکہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ اسلام تھا اس لئے اس پر لازم تھا کہ وہ شرعی حکم کو نافذ کرے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو وہ مجرم ہوتا۔ زید کی عجب الٹی عقل ہے کہ جو چیز بادشاہ کے لئے قابل مدح و ستائش ہے اسی کو وہ قابل گردن زدنی قرار دے رہا ہے۔ زید کو چاہئے کہ اپنی تمام ضلالت آمیز باتوں سے توبہ کرے، کسی مسلمان کے لئے قطع ویقین کے ساتھ جنتی ہونے کا حکم لگانا تو صحیح نہیں ہے، لیکن جب کوئی شخص مسلمان ہو، ساری زندگی مسلمانوں جیسے عمل کئے، خلاف اسلام عقیدہ یا قول وعمل کا ارتکاب نہیں کیا تو اس کے جنتی ہونے کی امید کی جاسکتی ہے، کہ یہ سب باتیں جنتی ہونے کی علامت ہیں۔ کیونکہ بلا وجہ کسی سے بدظنی اور بدگمانی رکھنا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے، یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرًا من الظن ان بعض الظن اثم ۔ لہٰذا اگر عالمگیر یا علمائے دین یا بزرگان اسلام کو لوگ جنتی سمجھتے ہیں تو غلط نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف سمجھنا خطا کاری اور کجروی ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنی غلطی سے توبہ کرے۔

(۴) اگر عالم دین ہونے میں اور حکمراں ہونے میں تناقض کی نسبت ہوتی تو تسلیم کرلیا جاتا کہ چونکہ وہ حکمراں تھا اس لئے عالم دین نہ تھا۔ اسی طرح کوئی عالم دین ہوگا تو وہ حکمران نہ ہوگا کیونکہ متناقض میں ایک قضیہ کا صدق سے دوسرے کا کذب ضروری ہے حالانکہ دنیا میں بہت سے لوگ عالم دین بھی تھے اور حکمران بھی مثلاً خلفائے راشدین اور اس کے بعد خلفائے بنوامیہ اور عباسیہ میں بہت سے سلاطین ایسے گذرے ہیں، اس طرح عالمگیر بھی حکمران ہوا اور عالم دین بھی تو اس میں کیا قباحت ہے، بلکہ درحقیقت وہ عالم دین تھا۔ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ صاحب نورالانوار اور صاحب تفسیر کشاف ان کے اساتذہ میں گذرے ہیں، فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وتدوین میں عالمگیر بھی اس کے مسائل پر نظر ثانی کرکے اطمینان

حاصل کرتے تھے تو کیا اتنی بڑی کتاب کی اصلاح وترتیب کا کام کوئی جاہل کرے گا۔ نہ معلوم زید کو عالمگیر سے کیوں عداوت ہوگئی ہے اور علمائے اسلام پر لعن طعن کر کے اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے۔

(۵) زید کو تاریخ کے صحیح حالات سے واقفیت نہیں۔ شاہجہاں کی علالت کے زمانہ میں خود اس کے چہیتے بیٹے داراشکوہ نے اپنے باپ کو شاہی محل میں نظر بند کردیا تھا کسی کو ملاقات وغیرہ کی اجازت نہ تھی۔ داراشکوہ نے حکومت واقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج آگرہ سے کچھ فاصلہ پر مقرر کردی تھی کہ جب اس کے دوسرے بھائی دارالحکومت آئیں تو اسے قتل کردے، خصوصاً اورنگ زیب کے خلاف اس کا جذبہ بالکل معاندانہ تھا، اب خود سوچئے کہ جارح اور حملہ آور کون ہے اور دفاع وتحفظ کے لئے تلوار کون اٹھا رہا ہے۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جو اپنے تحفظ ودفاع کے لئے تلوار اٹھائے وہی ظالم وجابر کہا جائے۔ عالمگیر کو اس جنگ میں فتح ہوی، لیکن ابھی وہ اطمینان کا سانس بھی نہ لے سکا تھا کہ اس کا دوسرا بھائی شاہ شجاع نے بنگال سے اس پر فوج کشی کی متعدد بار اس نے عالمگیر سے جنگ کی اور ہر مرتبہ ناکام رہا۔ آخرکار وہ بے سروسامانی کی حالت میں فرار ہوگیا اور پھر کوئی پتہ نہ چلا۔ تیسرا بھائی مراد بخش تو شروع میں اس نے عالمگیر کے ساتھ موافقت کی لیکن بعد میں اسکی روش میں بھی تبدیلی آگئی تھی، بغاوت وخروج کے آثار ظاہر ہورہے تھے، عالمگیر نے حکمت عملی سے اسے بھی قابو میں کرلیا۔ اگر اسی بغاوت کے الزام میں وہ قتل کردیا جاتا تو اورنگ زیب موردِ الزام نہ ہوتا کیونکہ بغاوت وخروج کی سزا ہی قتل ہے، مشکوٰۃ کتاب الامارت میں ہے، من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحدیریدان یشق عصاکم ویفرق جماعتکم فاقتلوہ۔ یعنی جو شخص تمہارے پاس ایسی حالت میں آئے کہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو اور وہ چاہتا ہے کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کردے تو اس کو قتل کردو'۔ لیکن عالمگیر نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ قید کردیا۔ پھر ان دونوں کے قتل کی وجہ یہ ہوی کہ داراشکوہ کے خیالات ونظریات کافرانہ تھے۔ ویدکی تعلیمات سے وہ زیادہ متاثر تھا۔ اس کو آسمانی کتاب سمجھتا تھا۔ ہندوانہ تصوف ہی کو وہ صحیح اور اصلی تصوف کہتا تھا۔

علمائے اسلام نے اس کے اسی، ملحدانہ خیالات کی وجہ سے اس کی تکفیر کی تھی اور وہ قتل کیا گیا۔ کیونکہ ارتداد کی سزا اسلام میں قتل ہے۔

دوسرا بھائی مرآد کا واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں ایک شخص کو ناحق قتل کردیا تھا۔ مقتول کے ورثاء نے مرآد پر قصاص کا مطالبہ کیا، اورنگ زیب نے مقدمہ قاضیٔ عدالت کو پیش کردیا کہ معاملہ کی تحقیق کرکے صحیح فیصلہ کیا جائے، چنانچہ عدالت کے فیصلہ ہونے بعد عالمگیر نے قصاص کا حکم دیا۔ یہ زید کی عجیب دینداری ہے کہ شرعی حکم جاری

کرنے پر عالمگیر کو ظالم و جابر کافر کہہ رہا ہے۔ سچ ہے کہ جب خدا دین لیتا ہے تو عقل بھی سلب کر لیتا ہے۔

زید نے جو آیت وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُہ‘ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ‘ وَاَعَدَّ لَهُ‘ عَذَابًا عَظِيْمًا ۵ ط۔ استدلال میں پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مومن کو قصداً صرف اس وجہ سے قتل کرے کہ وہ مومن ہے، اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا جرم اس کا نہ ہو تو وہ شخص یعنی قاتل دائمی جہنمی ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ مومن کے قتل کو جائز اور حلال سمجھ کر قتل کرے تو ایسا شخص دائمی جہنمی ہے۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں قاتل کافر ہے۔ لہٰذا سزا دائمی جہنمی ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے، نہ اس نے قتل مومن کو حلال سمجھا نہ مومن ہونے کی وجہ سے قتل کیا بلکہ بلا وجہ کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اسکی سزا دائمی جہنمی نہیں ہے بلکہ ایک طویل مدت تک اس کے لئے جہنم ہے یعنی خلود سے مراد طویل قیام ہے (کتب تفاسیر) اس آیت کا یہ مطلب ضروری ہے، کیونکہ کافر ہی کی سزا دائمی جہنم ہے، مسلمان خواہ کتنا ہی بڑا مجرم ہو اسکی سزا دائمی جہنمی نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ شاہد ہے ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذالك علمن یشآء۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کے علاوہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیگا مغفرت کر دیگا۔

دوسری جگہ آیت میں ہے ولا یقتلون النفس اللتی حرماللله الابالحق اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حق شرع کی وجہ سے قتل کیا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ بادشاہِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ حدودِ شرعیہ کو نافذ کرے، کیونکہ وہ صاحب اختیار ہے، اورنگ زیب نے وہی کیا جس کا وہ شرعاً مکلّف، اور جواب دہ تھا۔

اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے اور قبول حق کی توفیق بخشے۔

کتبہ
سید حمید اشرف
مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان
حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

ترجمۂ مکتوب حضرت قطب ویلورؒ

زبدۃ العارفین وارثِ علوم سید المرسلین کاشفِ رموز
القرآن المبین محی الملۃ والدین حاجی الحرمین۔
مولانا سید شاہ محی الدین عبداللطیفؒ القادری رحمۃ اللہ علیہ
المشہور قطب ویلور

دعوت اسلام کا مکتوب ملکۂ انگلستان

(کوئن وکٹوریہ) کے نام

جنوبی ہند میں حضرت قطب ویلور اوران کے سلسلے کے علماء نے روز اول ہی سے انگریزی تعلیم کی افادیت کومحسوس کرلیا تھا۔جس کے باعث انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم کی تحصیل کی ترغیب دلائی اور خود حضرت قطب ویلور نے یہ زبان سیکھی اوراس کے ذریعہ دعوت اسلامی کا کام انجام دیا۔مولانا حکیم سید عبدالحیؒ، سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو اپنی عربی تصنیف ''نزھة الخواطر'' میں فرماتے ہیں۔''وھو تلقی اللغة الانکلیزیه فی کبرسنه وبعث رسالة تلك اللغة الی الی الملکة انکلیزا یدعوھا الی اسلام''(مولانا حکیم سید عبدالحیؒ لکھنوی:''نزھة الخواطر''ص:٣١٧) حضرت قطب ویلور نے بڑھاپے کے زمانہ میں انگریزی زبان سیکھی اوراسی میں کوئین وکٹوریہ کو دعوت اسلام کا مکتوب روانہ کیا۔

حضرت قطب ویلور کا انگریزی زبان میں تحریر کردہ دعوت اسلام کا مکتوب جو ملکۂ انگلستان کی خدمت

میں پیش ہوا تھا تلاش بسیار کے باوجود راقم الحروف کو دستیاب نہ ہوسکا۔ البتہ ملکہ، وزراء حکام اور اہل کتاب کے نام عربی زبان میں تحریر کردہ اسلام کا مکتوب ''مقالاتِ طریقت'' میں ثبت ہے۔ حضرت قطب ویلور نے اس مکتوب میں جہاں اسلام کے عقائد کو اجاگر کیا ہے وہاں حضرت مسیح کی بشریت و آدمیت اور ان کی نبوت کا اثبات اور ان کی الوھیت کا ابطال بڑی خوبی و عمدگی اور اختصار و جامعیت کے ساتھ کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ الذی خلق الانسان من نطفة فجعله سمیعاً بصیراً واعطاء قلباً منیراً۔ ثم وهب لمن اراد فی العاجلة نعیماً ملکاً کبیراً وربّی بدنه وقلبه ولتربیه بدنه صب الماء صباًوشق الارض شقاً وانبت حباً وعنباً وقصباً وزیتوناً ونخلاً وحدائق غلباً وفاکهةً وباً متاعاً لکم ولا نعامکم ولتربیة قلبه ارسل رسلاً هداة الی خالقه وربّه۔

ایهاالملك ! کان عیسیٰ رسول الله وعبده، کما کان موسیٰ ومحمد رسول الله وعبده ایدهم الله بالایات والمعجزات لتمیز الصادق عن الکاذب فی دعویٰ الرسالات وماکانوالهاًومعبوداً۔

ایها الملك ! جاء عیسیٰ بایات من ربه یصور من الطین کهیٔة الطیر فینفخ فیه فطیراً باذن الله ویبری الاکمه والابرص ویحی الموتیٰ باذن الله کماجاء موسیٰ یفلق البحر وجاء محمد یشق القمر فقد جائو ابالمعجزات والنبیاء العظیم وقالوا ان الله ربی وربکم فاعبدوه هذا صراط مستقیم۔

کان عیسیٰ مخلوقاً من غیر الاب کما کان اٰدم من غیر الاب والاُم فکیف یکون خالقاًوربّاً۔

ایهاالملك ! کان عیسیٰ عبداً مغلوباً من الیهود وان الله غالب علی کل شی ء فالعبد المغلوب کیف یکون ء الهاًومعبوداً۔

ایهاالملك ابوخذ العبد بذنبه لابذنب غیره لاتزرو وازرة وزراُخریٰ فکیف اخذ الله عیسیٰ بذنب امّته والقاه فی جهنم واخذ بعقوبته۔

ايهاالملك ! اخذ البرّى بذنب غيره ظلم فاحش والله عادل فيف الباب الثالث من متّى وكان عيسىٰ نبياً مبعوثاً الى بنى اسرائيل حاضراً بين يدى يحيىٰ فكيف يكون نبياً مبشراً.

ايها الملك !ما ادعى بنبيناً ﷺ بانه نبيٍ مبعوث الى الناس كافةً وخاتم الانبياء ولم يات نبى بعده كما ادّعاه كيف لم يكن نبياً مبشراً خاتماً.

ايهاالملك ! ان الانكار من عمال الملك بغى كذلك الانكار من انبياء الله كفر، وان الانكار نبى الله عيسىٰ كفر، كذلك الانكار من نبى الله محمد كفر، عصمنا الله تعالىٰ عما ينكرون.

ايهاالملك ! ان البغى موجب للافات كذالك الكفر مورث للعقوبات .وانّ فى طاعة الملك وعامله امن وراحة وليس فى عيش المطيع ولا فى سكونه ثقبة كذالك فى الايمان باالله ونبيه امان وجنّة وليس فى دولة الملك ولا فى ملكه ثلمةٌ.

ايهاالملك ! الدولة الفانية سم "قاتل والملك ظل زائل بحادثٍ اووارثٍ فالموت حق والبرزخ حق والعبث حق والحساب حق وعلم الله بالسروالعلانية حق والجنة والنار حق - خف من اله تعالىٰ فانه خلقك ورباك واعطاك ملكاً وبيده الحيوة والموت والعبث والحساب والعفوو العقاب وانه هو الغفور الرحيم وان بطشه شديدوعذابه اليم.

ايها الملك ! لا تجعل مع الله اٰلهاً اٰخر فتلقىٰ فى جهنم ملوماً مدهوراً.

ايها الملك ! انى لااقول لاهل الكتاب الا ان تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولانشرك شياءً ولايتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان تولوا فاشهدوا باَنّا موحدون.

ايها الملك ! انى ادعوك الى الله تعالىٰ وتوحيده اسلم تسئلم يوتك الله اجرك مرتين اجرك واجرالتابعين .فان توليت فعليك اثمك واثم المطعين.

ایھا الملك ! انی لست بنبیؐ ولا رشسول ولکنی لجدی محمد رسول اله وارث والأخرتی حارث۔

ایھا الملك ! انی لك ناصح امین ان ارید الاالاصلاح مااستطعت وما توفیقی الابالله علیه توکلت والیه انیب۔

ایھا الملك ! ماأسئلك علیه من اجران اجری الاعلیٰ رب العالمین۔

من محی الدین وارث خاتم النبیین الی الملکة الوکتوریه وارکان المشورة و سائر العیسویون۔ ھداھم الله الی سبیل الرشاد وحماھم عن کل شروفساد۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترجمۂ مکتوب

تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر اس کے لئے اعضائے جوارح اور ایک روشن قلب عطا کیا اور دنیا میں جس شخص کو چاہا سلطنت وحکومت عطا کیا اور انسان کے قلب اور جسم کی پرورش وتربیت کا نظام قائم کیا۔ اس کے جسم کی تربیت کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے لئے اور اس کے مویشیوں اور جانوروں کے لئے زمین سے غلّہ، انگور، سبزیاں، زیتون، کھجور، گھنے باغ، میوہ اور چارہ اگایا اور اس کی روح اور قلب کی تربیت کے لئے رسولوں کو مبعوث کیا تاکہ اس کے رب اور اس کے خالق کی جانب راستہ دکھلا سکے۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید اور توثیق معجزات کے ذریعہ کی۔ تاکہ رسالت ونبوت کے دعوے میں جھوٹے اور سچے الگ الگ ہوجائیں اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی حقیقت کھل سکے اور یہ حضرات پیغمبران معبود اور الٰہ نہیں ہیں۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ اپنے رب کی جانب سے معجزات لے کر آئے تھے اور آپ مٹی سے پرندے کی

مورت بناتے اوراس میں پھونکتے تو وہ پرندہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوجاتا تھا اور حضرت عیسیٰ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردیتے تھے۔لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اوراس کی قدرت سے ہوتا تھا۔اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی فعل اور تصرف نہ تھا۔جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو چیر دیا تھا اور حضرت محمد ﷺ نے چاند کے دوٹکڑے کردئے تھے۔اور یہ سارے انبیائے کرام دنیا میں معجزات اور کتابوں کے ساتھ تشریف لائے اور سب نے یہی کہا۔بے شک اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا رب ہے لہٰذا تم سب اسی کی عبادت کرواور یہی سیدھی راہ ہے۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔جس طرح حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔پھر کیوں کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب اور معبود ہوسکتے ہیں؟

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بندۂ مغلوب یہود تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔لہٰذا ایک مغلوب انسان کیوں کر معبود اور الٰہ ہوسکتا ہے؟

اے ملکہ! آدمی اپنے جرائم اور گناہوں کی وجہ سے ماخوذ ہوتا ہے۔دوسرے کے جرم میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔اور کوئی بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا تو پھر اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی امت کے عوض کیسے ماخوذ کیا اوران کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کیا؟

اے ملکہ! کسی بے گناہ آدمی کو دوسرے شخص کے گناہ کے بدلہ میں گرفتار کرنا اوراسے سزادینا یہ تو ایک کھلا ہوا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ تو عدل وانصاف والا ہے پھر بھلا وہ کیسے ظالم ہوگا۔اللہ کی ذات ایسی باتوں سے پاک وصاف ہے۔اور بلند وبالا ہے۔جو کفار کہتے ہیں۔

اے ملکہ! حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک بزرگ نبی (بزرگ نبی سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں) کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی ،جیسا کہ انجیل متی کے تیسرے باب میں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی موجودگی میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیسے ہوسکتی ہے؟

اے ملکہ! حضرت محمد ﷺ سے پہلے دنیا میں جتنے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے اور کسی نے بھی خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو کس طرح زمانہ مدت دراز تک ناصح اور امین پیغمبر سے خالی رہے گا؟

ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ یقیناً اور تحقیقاً نبی ہیں اور سارے انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا وہی خاتم الانبیاء ہیں۔ کیوں کہ ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا۔ لہٰذا آپ ہی مبشر، پیغمبر موعود اور خاتم الانبیاء کیوں کر نہیں ہوں گے؟

اے ملکہ! بے شک عالموں اور سفیروں کا انکار کرنا بادشاہ کا انکار کرنا ہے اور اس سے بغاوت کی نشانی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار بھی کفر ہے اور اسی طرح اللہ کے نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا انکار بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے محفوظ رکھے جو انکار کرتے ہیں۔

اے ملکہ! بے شک بغاوت آفتوں کے لئے سبب ہے، اسی طرح کفر بھی عذاب کے لئے سبب ہے۔ اور یقیناً بادشاہوں اور ان کے عاملوں کی اطاعت میں امن وسلامتی ہے اور فرماں برداروں کے چین وسکون میں کوئی خلل نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے میں امن وسلامتی اور راحت ونجات ہے اور بادشاہ کی سلطنت میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔

اے ملکہ! مال ودولت اور حکومت وسلطنت زوال پذیر اور سمِ قاتل ہے۔ بادشاہت ڈھلنے والا ایک سایہ ہے اور حکومت کسی بھی وقت کسی بھی حادثہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے یا وارث کی وجہ سے چلی جاتی ہے۔ لہٰذا تم حکومت کی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ موت یقینی ہے۔ برزخ حق ہے۔ مرنے کے بعد زندگی حق ہے۔ حساب حق ہے اور جنت ودوزخ حق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہر وباطن کا جاننے والا ہے۔

اے ملکہ! اللہ تعالیٰ سے خوف کرو۔ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہاری پرورش کی ہے اور اسی نے تم کو حکومت عطا کی ہے۔ اور اسی ذات وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اور حساب وکتاب اور عفو ودرگزر اور عتاب وعقاب یہ سب اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بے شک وہی بخشنے والا ہے اور بلاشبہ اس کی گرفت بڑی سخت ہے اور یقیناً اس کا عذاب بڑا دردناک ہے۔

اے ملکہ! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو معبود اور مسجود نہ ٹھہراؤ کیوں کہ وہ ملامت کیا ہوا اور راندہ کیا ہوا دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

اے ملکہ! اہلِ کتاب عقل وفہم رکھتے ہوئے بھی مخلوق کی پرستش کیوں کر رہے ہیں اور خالق کو کیوں

چھوڑ رہے ہیں؟ اور کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا رہے ہیں؟ اور حق کو چھپا رہے ہیں؟ حالاں کہ یہ سب کچھ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔

اے ملکہ! میں اہل کتاب کی خدمت میں صرف یہی ایک بات عرض کروں گا کہ ایک ایسی حقیقت کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی معبود نہ ٹھرائیں اور اگر تم اس روشن حقیقت سے پھر جاؤ تو گواہ رہو کہ ہم موحد ہیں۔

اے ملکہ! میں تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کی طرف بلا رہا ہوں۔ اگر تم اسلام قبول کرو تو سلامت رہوگی اور تم کو دوگنا اجر ملے گا۔ ایک تمہارے مسلمان ہونے کا اجر اور دوسرا تمہاری رعایا کے مسلمان ہونے کا اجر بھی تم کو ملے گا اور اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو اس کا گناہ اور تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہارے ہی سر رہے گا۔

اے ملکہ! بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس امرِ خیر میں تمہارے لئے فلاح ونجات اور اپنے لئے اجروثواب کے علاوہ کوئی مقصد نہیں رکھتا ہوں۔ ہدایت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اور میں اس معاملہ میں اسی کی ذات پر اعتماد کرتا ہوں اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

اے ملکہ! میں تمہیں اسلام کی دعوت دینے میں تمہاری ذات سے کوئی امید وآرزو اور کوئی دنیاوی منفعت کی امید نہیں رکھتا ہوں۔ میری اس نیکی کا بدلہ رب العالمین پر ہے۔

اے ملکہ! میں کوئی نبی اور رسول نہیں ہوں، لیکن میں اپنے جد امجد محمد رسول اللہ ﷺ کا وارث ہوں اور اس عمل کے ذریعہ میں اپنی آخرت سنوارنا چاہتا ہوں۔

دعوتِ اسلام کا یہ مکتوب محی الدین وارثِ خاتم النبیین ؐ کی طرف سے ملکہ انگلستان اور اس کے وزراء و حکام اور تمام عیسائیوں کی خدمت میں پیش ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام کو قبول اسلام کی ہدایت عطا فرمائے۔ اور ان کو گمراہی وفساد سے محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین والہ الطیبین واصحابہ الظاھرین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جَوَاہِرُ السلوک

مترجم

افضل العلماء ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری قادری،

فاضل لطیفیہ

سجادہ نشین آستانہ بخاریہ صاحب مکان کڈپہ۔اے پی۔

فائدہ ۳۲

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی ویلوری المعروف بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی تصنیف المنیف جواہر السلوک کا یہ بتیسواں فائدہ کی دوسری قسط ہے۔ اس میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''قول الجمیل'' کے اردو ترجمہ شفاء العلیل ،مترجم مولوی خورم علی بلہوری سے چند فصلیں پیش فرمائی ہیں چونکہ یہ ترجمہ قدیم اردو میں ہے اس لئے ناچیز نے اس کو مقدور بھر آسان بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ قدیم اردو سے نامانوس طبقہ بآسانی سلوک وطریق کے مضامین کو سمجھ سکے۔خیال رہے کہ گذشتہ سال کے سالنامہ اللطیف میں مذکورہ فائدہ کی پہلی قسط شائع ہوچکی ہے۔وما توفیقی الا باللہ

بخاری عفااللہ عنہ۔

دوسری فصل

یہ فصل بیعت کے سنت ہونے، اس کی غرض وغایت اور اس کے شرائط وغیرہ پر مشتمل ہے۔

وَلَعَلَّكَ تَقُوْلُ اَخبِرْنِیْ عَنِ الْبَیْعَةِ مَا هِیَ وَاجِبَةٌ اَمْ سُنَّةٌ ثُمَّ مَاالْحِكْمَةُ فِیْ شَرْعِهَا ثُمَّ مَا شَرْطُ مَنْ یَّاخُذُالْبَیْعَةَ ثُمَّ مَا شَرْطُ الْمُبَائِعِ وَمَا نَكْثُهٗ ثُمَّ هَلْ یَجُوْزُ تَكْرَارُالْبَیْعَةِ مِنْ عَالِمٍ وَاحِدٍ اَوْعَلَمَاءَ كَثِیْرِیْنَ ثُمَّ مَا للَّفْظُ الْمَاثُوْرُ عِنْدَ الْبَیْعَةِ۔

اے مخاطب! شاید تم یہ کہو گے کہ مجھے پہلے بیعت کے بارے میں بتائیے کہ اس کا کیا حکم ہے، وہ واجب ہے یا سنت؟ اس کے مشروع ہونے میں کیا حکمت ہے؟ بیعت لینے والے کے لئے کیا شرط ہے؟ بیعت کرنے والے کے لئے کیا شرط ہے؟ بیعت کرنے والے کے لئے ایضائے عہد کسے کہتے ہیں اور عہد شکنی کیا ہوتی؟ ایک عالم یا بہت سے علماء سے مکرر بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیعت کے وقت سلف صالحین سے کون سے الفاظ منقول ہیں؟

فَاَقُوْلُ اَمَّاالْمَسْئَلَةُ الْاُوْلٰی فَاعْلَمْ اَنَّ الْبَیْعَةَ سُنَّةٌ وَلَیْسَتْ بِوَاجِبَةٍ لِاَنَّ النّاسَ بَا یَعُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَرَّبُوْا بها الی اللّٰهِ تعالیٰ وَلَمْ یَدُلَّ دَلِیْلٌ عَلٰی تَاثِیْمِ تَارِكِهَا وَلَمْ یُنْكِرْ اَحَدٌ مِنَ الْاَئِمَّةِ عَلٰی تَارِكِهَا فَكَانَ كَالْاِجْمَاعِ عَلٰی اَنَّهَا لَیْسَتْ بِوَاجِبَةٍ۔

اب میں ساتوں سوالات کے جوابات تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں ملاحظہ کیجئے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بیعت سنت ہے واجب نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اور کسی دلیل شرعی سے تارک بیعت کا گنہگار ہونا ثابت نہیں ہے، ائمہ دین نے بھی تارک بیعت پر کوئی نکیر نہیں کی ہے، لہٰذا ان کا عدم انکار گویا اجماع ہے اس بات پر کہ بیعت واجب نہیں ہے۔

فائدہ: اگر تقویٰ پر بیعت لینا واجب ہوتا تو اس کے تارک پر یقیناً انکار وارد ہوتی، معلوم ہوا کہ بیعت سنت ہے، اور سنت کی حقیقت یہ ہے کہ فعل مسنون تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہو اور اس کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو۔

وَاَمَّا الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَةُ فَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى اَجْرىٰ سُنَّتَهُ اَنْ يَّضْبِطَ الْاُمُوْرَ الْخَفِيَّةَ الْمَضْمِرَةَ فِي النُّفُوْسِ بِاَفْعَالٍ وَاَقْوَالٍ ظَاهِرَةٍ وَيَنْصِبَهَا مَقَامَهَا كَمَا اَنَّ التَّصْدِيْقَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ واليوم الْاٰخِرِ خَفِيٌّ فَاُقِيْمَ الْاِقْرَارُ مَقَامَهُ وَكَمَا اَنَّ رِضَى الْمُتَعَاقِدَيْنِ بِبَذْلِ الثَّمَنِ وَالْمَبِيْعِ اَمْرٌ خَفِيٌّ مُضْمَرٌ فَاُقِيْمَ الايجابُ والْقَبُوْلُ مَقَامَهُ۔

اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اس طرح جاری ہے کہ مخفی امور جو نفوس انسانی میں پوشیدہ ہوتے ہیں، ان کا تعلق ظاہری افعال واقوال سے ہو۔ اور یہی اقوال وافعال قلبی امور کے قائم مقام ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور قیامت کی تصدیق ایک مخفی امر ہے، اس لئے ایمان کے اقرار کو تصدیق قلبی کے قائم مقام کیا گیا ہے یعنی وہ چیز جو فروخت کی گئی ہے اس کے لینے اور دینے میں بائع اور مشتری یعنی بیچنے والے اور خریدنے والے کی رضامندی ایک امر مخفی ہے اس کے لئے ایجاب وقبول کو رضائے مخفی کے قائم مقام کردیا گیا ہے۔

فَكَذٰلِكَ التَّوْبَةُ وَالْعَزِيْمَةُ عَلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِي وَالتَّمَسُّكِ بِحَبْلِ التَّقْوىٰ خَفِيٌّ مُضْمَرٌ فَاُقِيْمَتِ الْبَيْعَةُ مَقَامَهَا۔

اسی طرح توبہ اور گناہوں کو ترک کرنے عزم وارادہ اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط سے پکڑنے کا معاملہ بھی مخفی امر ہے، لہٰذا بیعت کو اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے۔

وَاَمَّا الْمَسْئَلَةُ الثَّالِثَةُ فَشَرْطُ مَنْ يَّاخُذُ الْبَيْعَةَ اُمُوْرٌ، اَحَدُهَا عِلْمُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَااُرِيْدُ الْمَرْتَبَةَ الْقُصْوىٰ بَلْ يَكْفِي مِنْ عِلْمِ الْكِتَابِ اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ ضَبَطَ تَفْسِيْرَ الْمَدَارِكِ وِالْجَلَالَيْنِ اَوْغَيْرَهَا وَحَقَّقَهُ عَلٰى عَالِمٍ وَعَرَفَ مَعَانِيَهُ وَتَفْسِيْرَ الْغَرِيْبِ وَاَسْبَابَ النُّزُوْلِ وَالْاَعْرَابَ وَالْقَصَصَ وَمَا يَتَّصِلُ بِذٰلِكَ۔

اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ بیعت لینے والے یعنی پیرومرشد میں چند امور کا ہونا شرط ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کا عالم ہو، اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ وہ ان میں ماہر ہو، بلکہ اسے قرآن مجید کا اتنا علم کافی ہے کہ تفسیر مدارک، تفسیر جلالین یا دیگر تفاسیر مثلاً تفسیر وسیط یا جیز واحدی کی مدد سے محفوظ

کرلیا ہواور کسی عالم کے سامنے دوازانو تہہ کر کے تحقیق کرلیا ہو، اس کے معانی کو اس کے مشکل الفاظ کے ترجمہ کو شانِ نزول کو، قرآن کے اعراب کو، اس کے قصوں کو اور اس کے متعلقات کو محفوظ کرلیا ہو۔

فائدہ : یعنی کسی بھی پیرومرشد کیلئے دو اختلافی چیزوں میں تطبیق دینا آتا ہو، ناسخ کسے کہتے ہیں، منسوخ کسے کہتے ہیں اس کی پہچان ہو، قرآن کریم کی آیتوں سے احکام مستبط ہوتے ہیں ان کی معرفت ہو۔

ومن السنة اَنْ یَّکُوْنَ قَدْ ضَبَطَ وَحَقَّقَ مِثْلَ کِتَابِ الْمَصَابِیْحِ وَعَرَفَ مَعَانِیَهٗ وَشَرْحَ غَرِیْبِهٖ وَاِعْرَابِ مُشْکِلِهٖ وَتَاوِیْلِ مُقْضَلِهٖ علی رَأْیِ الْفُقَهَاءِ۔

اور حدیث شریف سے اتنا علم کافی ہے کہ مصابیح یعنی مشکوٰۃ کی اصل یا مشارق الانوار جیسی حدیث کی کتابیں پڑھ چکا ہو، اس کے معانی و مطالب معلوم کر چکا ہو، اس کے نادر اور مشکل الفاظ کا ترجمہ جان لیا ہو، فقہائے دینِ متین کی رائے کے مطابق حدیث کی شرح، مشکل الفاظ کا ترجمہ اور اعرابی لحاظ سے مشکل مقامات اور مختلف فیہ احادیث کی تاویل کو معلوم کرلیا ہو۔

فائدہ : مشکل اور معضل میں فرق یہ ہے کہ مشکل اس دشوار لفظ کو کہتے ہیں جو لفظ اور ترکیب نحوی کے اعتبار سے مشکل ہو، معضل وہ ہے جس کے معنی مشتبہ ہوں، کسی ایک معنیٰ کی تعیین نہ ہوسکے یا دوسری حدیث اس حدیث کی معارض اور مخالف ہو۔

صاحب کتاب کے صاحبزادے مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح سے میں نے مصنف قدس سرہٗ سے سنا ہے۔ مولوی خرم علی بلہوری کہتے ہیں کہ صاحب کتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے محتمل المعنی لفظ اور احادیث متعارضہ میں فقہاء کے مذاہب کی اتباع کی تصریح کردی ہے کہ چاروں اماموں کی مخالفت کھلی گمراہی ہے۔ ایسا کرنے سے گویا وہ ترک اجماع کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

وَلَا یُکَلَّفُ بِحِفْظِ الْقُرْاٰنِ وَلَا الْفَحْصِ عَنْ حَالِ الْاَسَانِیْدِ اَلَا تَرٰی اَنَّ التَّابِعِیْنَ وَاَتْبَاعَهُمْ کَانُوْ یَاْخُذُوْنَ بِالْمُنْقَطِعِ وَالْمُرْسَلِ اِنَّمَا الْمَقْصُوْدُ حُصُوْلُ الظَّنِّ بِبُلُوْغِ الْخَبَرِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

بیعت لینے والے یعنی پیرومرشد پر علم قرآن میں اختلاف قرأت کو یاد رکھنا ضروری نہیں ہے اور نہ علم حدیث میں سندوں کی تحقیق وتفتیش اس پر لازم ہے۔ یہ تو آپ کے علم میں ہوگا ہی کہ تابعین اور تبع تابعین حدیث منقطع اور مرسل سے استدلال کرتے تھے، کیونکہ مقصود تو حدیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جانے میں حصول ظن ہونا ہے اور اتنی سی بات حدیث کی قابلِ اعتماد کتب کے راویوں کی جانچ پڑتال پر منحصر نہیں۔

فائدہ : منقطع وہ حدیث ہے جس کا راوی شروع سند ہی میں چھوٹ گیا ہو۔ مرسل وہ حدیث ہے جس کا راوی آخری سند میں چھوٹ گیا ہو، چنانچہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں جس کے بہتر ہونے کی شہادت زبان نبوت نے دی تھی سند کے سلسلے بھی بہت کم تھے۔ اس لئے راوی کے انقطاع سے بھی حدیث کے حضور تک پہنچنے میں حصول ظن ہو جاتا تھا، لیکن تابعین اور تبع تابعین کے علاوہ دوسروں کو اس قرب و نزدیکی کی دولتِ خداداد کہاں حاصل ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ پیری اور مریدی کے واسطے قرآن وحدیث کا اتنا علم بھی کافی ہے، لیکن حدیث پر براہ راست عمل اور استنباطِ احکام کے لئے اور بہت کچھ چاہئے۔

وَلَا يَعْلَمِ الْاُصُوْلِ وَالْكَلَامِ وَجُزْئِيَاتِ الْفِقْهِ وَالْفَتَاوىٰ۔

بیعت لینے والے پیرومرشد کے لئے اصول فقہ، اصول حدیث، علم کلام اور جزئیات فقہ وفتاویٰ کا یاد رکھنا بھی ضروری نہیں ہے۔

فائدہ : مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے القول الجمیل کے حاشیہ میں فرمایا ہے کہ جزئیات فقہ کلیات کے مقابل نہیں ہے، بلکہ اس سے فرضی صورتیں (جن کا وقوع فی الحال نہیں ہو) مراد ہیں اور جن کی ضرورت عموماً واقع نہیں ہوتی ہے۔ خرم علی بلہوری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جزئیات فقہ جن کی ضرورت عام طور پر ہوتی رہتی ہیں انکو یاد کرنا ضروری ہے۔

اِنَّمَا شَرَطْنَا الْعِلْمَ لِاَنَّ الْعَرْضَ مِنَ الْبَيْعَةِ اَمْرُهُ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهْيُهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاِرْشَادُهُ الى تَحْصِيْلِ السَّكِيْنَةِ الْبَا طِنَةِ وَاِزَالَةِ الرَّذَائِلِ وَاِكْتِسَابِ الحمائدِ ثُمَّ اِمْتِثَالُ الْمُسْتَرْشِدِبِهٖ فِيْ كل ذٰلِك فَمَنْ لَمْ يَكُنْ عَالِمًا كَيْفَ يُتَصَوَّرُ مِنْهُ هٰذى۔

ہم نے پیرومرشد کا عالم ہونا اس لئے ضروری قرار دیا ہے کہ بیعت کی غرض ہی یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کو شریعت پر چلنے کا حکم دے خلاف شرع کاموں سے روکے، تسکین باطنی کی طرف اس کی رہنمائی رہے اور بری عادتوں کو اس سے دور کرے، اچھی صفات اس کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ پھر مرید کیلئے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ مذکورہ تمام امور کو بجالائے۔ اب سوچئے کہ جو شخص مذکورہ امور سے واقف نہ ہوگا اس سے ان امور کی انجام دہی کیونکر ہوسکتی ہے۔

فائدہ : مولوی خرم علی بلہوری علیہ الرحمہ کہتے ہیں سبحان اللہ معاملہ کیسا برعکس ہوگیا ہے، جاہل فقراء کو یہ خبط ہوگیا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا کچھ بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ علم درویشی کیلئے، نقصان دہ ہے، کیونکہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ ہے۔ حالانکہ قدیم صوفیاء کرام کی کتابیں اور ان کے ملفوظات مثلاً قوت القلوب، عوارف المعارف، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، فتوح الغیب، غنیمۃ الطالبین، تصنیف حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں صاف واضح ہے کہ شریعت، طریقت اور تصوف کے لئے شرط ہے۔ یہ کتنی بڑی جہالت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح شام قرآن مجید اور درود شریف کی طرح لیتے رہتے ہیں، ان کے کلام سے بھی غافل ہیں، انہیں اس بات کی خبر نہیں کہ وہ کیا فرما گئے ہیں۔

وَقَدِ اتَّفَقَ كَلِمَةُ الْمَشَايِخِ عَلىٰ اَنْ لَا يَتَكَلَّمَ عَلَى النَّاسِ اِلَّامَن كَتَبَ الْحَدِيْثَ وَقَرَأَالْقُرْاٰنَ۔

مشائخ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اس شخص کو لوگوں کے سامنے وعظ ونصیحت کرنے کا اختیار نہیں ہے، جس نے کتابتِ حدیث یعنی روایتِ حدیث استاد سے نہیں کی ہے اور جس نے قرآن مجید کو نہیں پڑھا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ رَجُلٌ صَحِبَ الْعُلَمَاءَ الْاَتْقِيَاءَ دَهْراً طَوِيْلاً وَتَادَّبَ عَلَيْهِمْ وَكَانَ مُتَفَحِّصاً عَنِ الْحَلَالِ والْحَرَامِ وَقَّافاً عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ فَعَسىٰ اَنْ يَّكْفِيَهُ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

البتہ جس نے متقی، پرہیزگار علماء کی صحبت بابرکت طویل مدت تک اختیار کی ہو اور ان سے ادب

سیکھا ہو، حلال وحرام کی تلاش وجستجو میں رہتا ہو، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہو یعنی وہ قرآن مجید اور حدیث پاک کو سُن کر ڈر جاتا ہو اور اپنے افعال، اقوال اور احوال کو کتاب وسنت کے موافق کر لیتا ہو تو امید ہے کہ علم نہ ہونے کی صورت میں اس قدر معلومات بھی اس کی کفایت کرے، واللہ اعلم۔

وَالشَّرْطُ الثَّانِیُ اَلْعَدَالَۃُ و التقوی فَیَجِبُ اَنْ یَّکُوْنَ مُجْتَنِباً عَنِ الْکَبَائِرِ غَیْرَ مُصِرِّ عَلَی الصَّغَائِرِ۔

پیرومرشد کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے اندر علالت وتقویٰ یعنی انصاف پروری اور پرہیزگاری پائی جاتی ہو، اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر مصر نہ ہو۔

فائدہ : حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ پیرومرشد کے لئے تقویٰ اور پرہیزگاری اس لئے ضروری ہے کہ بیعت کی مشروعیت صفائے باطن کے لئے ہوئی ہے اور انسانی جبلت ہے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کے افعال کی اقتداء کرتا ہے اور صفائے باطن میں صرف قول بغیر عمل کے کام نہیں آتا۔ لہٰذا جو پیر اچھے اعمال سے متصف نہیں ہوتا، صرف زبانی تقریروں پر بس کر لیتا ہو تو حقیقت میں وہ بیعت کا مخالف ہے۔

وَالشَّرْطُ الثَّالِثُ اَنْ یَّکُوْنَ زَاهِداً فِی الدُّنْیَا رَاغِباً فِی الْاٰخِرَۃِ مُوَاظِباً عَلَی الطَّاعَاتِ الْمُؤَکَّدَۃِ وَالْاَذْکَارِ الْمَاثُوْرَۃِ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَکَانَ یَادُ دَاشْتُ لَہٗ مَلَکَۃً راسِخَۃً۔

پیرومرشد کیلئے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ خود تارک الدنیا شیدائے آخرت ہو طاعات وعبادات واجبہ کا پابند ہو، اسی طرح جواذ کار صحیح احادیث میں مذکور ہیں ان کا اہتمام کرتا ہو، دل ہمیشہ اللہ پاک کی طرف متوجہ رہے، اور یادداشت اسی کے دل ودماغ میں رچ بس جائے۔

مولوی خرم علی بلہوری علیہ الرحمہ کہتے ہیں یادداشت کی حقیقت آگے آرہی ہے وہاں ملاحظہ کرلیں۔

وَالشَّرْطُ الرَّابِعُ اَنْ یَّکُوْنَ اٰمِراً بِالْمَعْرُوْفِ وَنَاهِیاً عَنِ الْمُنْکَرِ مُسْتَبِدّاً بِرَأْیِہٖ لَااِمَّعَۃً (۱) لیس لہٗ رَأیٌ وَلَااَمْرٌ ذامُرُوَّۃٍ وَعَقْلٍ تَامٍّ لِیُعْتَمَدَ عَلَیْہِ فِیْ کُلِّ مَایَاْمُرُبِہٖ وَیَنْھٰی عَنْہُ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ فَمَا لِصَاحِبِ الْبَيْعَةِ۔

حاشیہ ۱ اَلْاِمَّعُ وَالْاِمَّعَةُ ۔ ہرایک کی پیروی کرنے والا، بن بلائے دعوت میں چلا جانے ولا، اس کی جمع وامَّعُوْنَ ۔آتی ہے، اِمَّعَ ۔کی اصل اِنِّی مَعَكَ ہے اِمَّعَةٌ ۔میں حرف تانیث کی نہیں ہے بلکہ مبالغہ کی ہے۔المنجد، بخاری عفی اللہ،

پیرومرشد کیلئے ضروری ہے کہ وہ شرعی امور کا حکم دینا ہو غیر شرعی کاموں سے روکنے والا ہو، وہ اپنی رائے میں مستقل مزاج ہو، ڈھیلا نہ ہو، ہرجائی نہ ہو کہ جس کی کوئی رائے نہ ہو نہ جسکا کوئی حکم ہو، صاحب مروت ہو، عقل کامل رکھتا ہو، تاکہ اس کے بتائے ہوئے اور روکے ہوئے امور پر اعتماد کیا جاسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ان لوگوں کی گواہی مقبول ہے جن گواہوں کو تم پسند کرتے ہو، لہٰذا پیرومرشد کے لئے بھی ایسا ہونا ضروری ہے۔معلوم ہوا کہ جب گواہوں میں عدالت لازمی ہے تو بیعت لینے والے پیرومرشد میں بدرجۂ اولیٰ عدالت اورتقویٰ کا پایا جانا لازمی وضروری ہوگا۔

فائدہ : مولانا نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ امر بالمعروف اور مستقل الرائے وغیرہ ہونا قبول شہادت کے لئے شرط اور ضروری ہے۔لہٰذا یہ اعتراض بھی نہیں ہوسکتا کہ جب یہ امور شہادت میں شرط نہیں ہیں تو پیرومرشد کے بارے میں بھی شرط نہ ہو، بلکہ قرآنی آیت سے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قبول شہادت کو اہل اسلام کی رضا اور اختیار کے حوالے کیا ہے، چونکہ رضا امر مخفی ہے لہٰذا اس کی تعیین ظاہری علامات سے ہوگی جیسے کبیرہ گناہوں سے اجتناب، لہٰذا اخذ بیعت کی بھی تفویض اہل اسلام کی رضا پر ہوکر اس کی تعیین مذکورہ ظاہری علامات سے ہوگی غرض پیرومرشد میں مذکورہ کا مشروط اور لازمی ہونا بطریق اولیٰ ہوگا۔

وَالشَّرْطُ الْخَامِسُ اَنْ يَّكُوْنَ صَحِبَ الْمَشَائِخَ وَتَأَدَّبَ بِهِمْ دَهْراً طَوِيْلاً وَاَخَذَ مِنْهُمُ النُّوْرَ الْبَاطِنَ وَالسَّكِيْنَةَ وَهٰذَالِاَنَّ سُنَّةَ اللّٰهِ جَرَتْ بِاَنَّ الرَّجُلَ لَايُفْلِحُ اِلَّا اِذَا رَأَى الْمُفْلِحِيْنَ كَمَا اَنَّ الرَّجُلَ لَايَتَعَلَّمُ اِلَّا بِصُحْبَةِ الْعُلَمَاءِ وَعَلٰى هٰذَ الْقِيَاسِ غَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الصِّنَاعَاتِ۔

بیعت لینے والے پیرو مرشد کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ مرشد کامل صحبت بابرکت میں رہا ہو، اور زمانہ دراز تک ان سے باطن کا نور، سکینہ اور طمانینت حاصل کیا ہو، اور کاملین کی صحبت اس لئے لازمی اور ضروری ہے کہ عادت الٰہی اسی طرح جاری وساری ہے کہ کسی کو اس وقت تک مراد حاصل نہیں ہوتی، جب تک وہ مراد پانے والوں کو نہ دیکھے، جیسے انسان کو اس وقت تک علم حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ علما کی صحبت اختیار نہ کرے، دیگر پیشوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ جیسے آہنگری لوہار کی صحبت کے بغیر اور بخّاری کارپنٹر کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

فائدہ : مولانا نے ارشاد فرمایا کہ سنت اللہ کے جاری وساری ہونے کا راز ہی ہے کہ انسان کی تخلیق ہی اس نہج پر ہوئی ہے کہ وہ اپنے کمالات کو اپنے جیسے لوگوں کی مشارکت اور معاونت کے بغیر حاصل نہیں کرسکتا، البتہ حیوانات کے کمالات پیدائشی ہوتے ہیں۔ کسی بہت کم ہوتے ہیں، چنانچہ تیرنا حیوانات میں پیدائشی کمال ہے۔ جبکہ انسان کو سیکھے بغیر تیرنا نہیں آتا۔

وَلَا یُشْرَطُ فِیْ ذٰلِکَ ظُهُوْرُ الْکَرَامَاتِ وَالْخَوَارِقِ وَلَا تَرْکُ الْاِکْتِسَابِ لِاَنَّ الْاَوَّلَ ثَمَرَةُ الْمُجَاهِدَاتِ لَاشَرْطُ الْکَمَالِ۔ وَالثَّانِیْ مُخَالِفٌ لِلشَّرْعِ وَلَا تَغْتَرَّ بِمَا فَعَلَهُ الْمَغْلُوْبُوْنَ فِیْ اَحْوَالِهِمْ اِنَّمَا الْمَاثُوْرُ اَلْقَنَاعَةُ بِالْقَلِیْلِ وَالوَرعُ مِنَ الشُّبُهَاتِ۔

بیعت لینے میں ظہور کرامات، خوارق عادات اور ترک معاش وغیرہ ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ ظہور کرامات اور خوارق عادات مجاہدات اور ریاضت کا نتیجہ ہیں، کمال کے لئے شرط نہیں ہیں۔ اور ترک معاش شریعت کے خلاف ہے، مغلوب الاحوال درویش جو کرتے ہیں، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ یعنی جو صاحب حال درویش اپنے غلبۂ حال کی وجہ سے کسبِ حلال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں، ان کے اس فعل کو ترک معاش کی دلیل نہیں بنانا چاہئے منقول تو یہی ہے کہ تھوڑے پر قناعت کرے اور شبہات سے پرہیز کرے۔ یعنی مشتبہ مال اور مکروہ پیشہ وغیرہ سے بچنا ضروری ہے۔

فائدہ : مولانا نے فرمایا کہ پورے طور پر رہبانیت اختیار کرلینا صاحب ارشاد کیلئے ضروری نہیں ہے، یعنی اپنے اوپر عبادات شاقہ کو لازم کرلینا لازم نہیں ہے، چنانچہ مسلسل روزہ رکھنا، رات بھر نوافل پڑھنا، بیوی سے دوری اختیار کرنا، لذیذ کھانوں سے پرہیز کرنا، جنگل اور پہاڑوں میں چلے جانا ضروری نہیں

ہے۔ جبکہ ہمارے زمانے کے لوگ اسی کو کمال شرط سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ امور، تشدد فی الدین اور تشدید علی النفس میں داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کریگا، نیز آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے۔

وَاَمَّا الْمَسْئَلَةُ الرَّابِعَةُ فَاعْلَمْ اَنَّهُ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ الْسُّبَائِعُ بَالِغاً عَاقِلاً رَاغِبًا وَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ اَنَّهُ عُرِضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلِّمَ صَبِيٌّ لِيُبَايِعَهُ فَمَسَحَ على رَأْسِهِ ودَعَالَهُ بالْبَرَكَةِ وَلَمْ يُبَايِعْ۔

اور چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ بیعت کرنے والا یعنی مرید عاقل و بالغ اور ارادت کا خواہشمند ہو، حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لئے ایک لڑکے کو پیش کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے واسطے برکت کی دعا فرمائی اور بیعت نہ کی۔

فائدہ : مولانا نے فرمایا کہ بیعت کے لئے عاقل و بالغ ہونا شرط ہے۔ کیونکہ نابالغ، مجنون اور دیوانہ خود ایمان لانے کا مکلّف نہیں تو پھر تقویٰ اور عبادات میں مجاہدہ کو اس پر لازم کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

وَمِنَ الْمَشَائِخِ مَنْ يُّجَوِّزُ بَيْعَةَ الصِّغَارِ تبَرُّكاً وَتفوُّلاً واللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بعض مشائخ کرام کے نزدیک برکت اور نیک فعالی کے طور پر نابالغ لڑکوں کی بیعت جائز ہے واللہ اعلم۔

فائدہ : مولانا نے فرمایا کہ شاید نابالغ لڑکے سے بیعت کا جواز صحیح مسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے عبداللہ کو جبکہ ان کی عمر سات یا آٹھ سال کی تھی بیعت کے لئے آپ علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔ اور آپ علیہ السلام نے ان کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر تبسم فرمایا، پھر ان سے بیعت لی۔

وَاَمَّا الْمَسْئَلَةُ الْخَامِسَةُ فَاعْلَمْ اَنَّ الْبَيْعَةَ الْمُتَوَارِثَةَ بَيْنَ الصُّوفِيَةِ عَلٰى وُجُوهٍ اَحَدُهَا بَيْعَةُ التَّوْبَةِ مِنَ الْمَعَاصِيْ وَالثَّانِي بَيْعَةُ التَّبَرُّكِ فِيْ سِلْسِلَةِ الصَّالِحِيْنَ بِمَنْزِلَةِ سِلْسِلَةِ اِسْنَادِالْحَدِيْثِ فَاِنَّ فِيْهَا بَرَكَةً۔ وَالثَّالِثُ بَيْعَةُ تَاكِيْدِ الْعَزِيْمَةِ عَلَى التَّحَرُّنِ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَتَرْكِ

مَا نَهٰی عَنْهُ ظَاهِراً وَبَاطِناً وَتَعْلِيْقِ الْقَلْبِ بِاللّٰهِ تَعَالٰی وَهُوَ الْاَصْلُ۔

پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ صوفیاء کرام کے درمیان جس بیعت کا رواج ہے اس کے کئی طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ گناہوں سے توبہ کرنے کی بیعت، دوسرا طریقہ بیعت تبرک ہے، یعنی صالحین کے سلسلے میں داخل ہوکر برکت حاصل کرنا، جیسا کہ سلسلہ اسناد حدیث میں ہوتا ہے۔ اس میں یقیناً برکت ہی برکت ہے۔ تیسرا طریقہ عزیمت پر عمل کرنے کے اہتمام پر بیعت لینا ہے۔ یعنی ظاہر و باطن سے اخلاص کے ساتھ امر الٰہی اور ترک مناہی کا عزم مصمم کرنا اور اللہ جل شانہ سے دل لگانا جیسے نسبت کہتے ہیں۔ یہی تیسرا طریقہ اصل ہے۔

وَاَمَّا الْاَوَّلَانِ فَالْوَفَاءُ بِالْبَيْعَةِ فِيْهِمَا تَرْكُ الْكَبَائِرِ وَعَدَمِ الْإِصْرَارِ عَلَى الصَّغَائِرِ وَالتَّمَسُّكِ بِالطَّاعَاتِ الْمَذْكُوْرَةِ مِنَ الْوَاجِبَاتِ وَالسُّنَنِ الرَّوَاتِبِ وَالنَّكْثُ بِالْاِخْلَالِ فِيْمَاذَكَرْنَا۔

پہلی دو قسم کے طریقوں میں ایفائے بیعت سے مراد کبیرہ گناہوں کو چھوڑنا اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا ہے۔ طاعات مذکورہ جو واجبات اور سنت موکدہ ہیں ان پر مضبوطی کی ساتھ کار بند رہنا ہے۔ عہد شکنی سے مراد درج بالا باتیں ہیں یعنی کبیرہ گناہوں کو اختیار کرنا، صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا اور طاعات پر مستعد نہ ہونا ہے۔ یہ بیعت شکنی کہلاتا ہے۔

وَاَمَّا الثَّالِثُ فَالْوَفَاءُ، اَلْبَقَاءُ عَلٰى هٰذِهِ الْهِجْرَةِ وَالْمُجَاهَدَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ مُتَنَوِّراًبِنُوْرِالسَّكِيْنَةِ وَيَصِيْرُ ذٰلِكَ دَيْدَنَالَهُ وَخلقًا وَجِبِلَّةً فَعِنْدَ ذٰلِكَ قَدْيُرَخَصُ فِيْمَا اَبَاحَهُ الشَّرْعُ مِنَ اللَّذَّاتِ وَالْإِشْتِغَالِ بِبَعْضِ مَايَحْتَاجُ اِلٰى طُوْلِ التَّعَهُّدِ كَالتَّدْرِيْسِ وَالْقَضَاءِ وَالنَّكْثِ بِالْإِخْلَالِ فِي ذٰلِكَ۔

تیسرے طریقے میں ایفائے بیعت کا مطلب مذکورہ ہجرت، مجاہدہ اور ریاضت پر مداومت کرنا ہے۔ حتی کہ وہ طمانیت اور سکون کے نور سے روشن ہوجائے یہ چیز بلا تکلف اس کی عادت اور جبلت ہوجائے ایسی حالت میں اسے کبھی مباح امور سے لذت حاصل کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور ان کاموں میں مشغول ہونے کی بھی اجازت دی جاتی ہے جن کے لئے طویل مدت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے علوم دینیہ کی درس

وتدریس اور محکمہ قضاء کے معاملات وغیرہ، البتہ دل کے نورانی بنانے سے پہلے ان امور میں مشغول ہونا بیعت شکنی ہے۔

وَاَمَّاالْمَسْئَلَةُ السَّادِسَةُ فَاعْلَمْ اَنَّ تَكْرَارَالْبَيْعَةِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاثُوْرٌ وَكَذٰلِكَ عَنِ الصُّوفِيَةِ اَمَّامِنَ الشَّخْصَيْنِ فَاِنْ كَانَ بِظُهُوْرِ خَلَلٍ فِيْمَنْ بَايَعَهُ فَلَا بَأْسَ وَكَذٰلِكَ بَعْدَ مَوْتِهِ اَوْغِيْبَتِهِ الْمُنْقَطِعَةِ وَاَمَّابِلَاعُذْرٍ فَاِنَّهُ يُشْبِهُ التَّلَاعِبَ وَيَذْهَبُ بِالْبَرَكَةِ وَيَصْرِفُ قُلُوْبَ الشُّيُوْخِ عَنْ تَعَهُّدِهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

چھٹے سوال کا جواب یہ جانئے کہ تکرار بیعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، اسی طرح حضرات صوفیاء کرام سے بھی یہ ثابت ہے، لیکن دو پیروں سے دو مرشدوں سے بیعت کرنا اگر اس پیرو مرشد میں کسی خرابی اور بگاڑ کی وجہ سے ہو جس سے وہ بیعت کر چکا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح اس کے انتقال کے بعد یا وہ اتنا دور ہو کہ اس سے ملاقات کی توقع باقی نہ رہے تو کوئی حرج نہیں ہے، البتہ بلا عذر دوسرے مرشد سے بیعت کرنا کھیل اور مذاق ہو جائیگا۔

ہر پیر سے بیعت کرنا برکت کو کھو دیتا ہے اور مرشدوں کے دلوں کو اس کی تعلیم اور تہذیب سے پھیر دیتا ہے۔ واللہ اعلم، پیران محترم اس کو ہرجائی سمجھ کر اس پر کسی قسم کی التفات نہیں کرتے ہیں۔

وَاَمَّا الْمَسْئَلَةُ السَّابِعَةُ فَاعْلَمْ اَنَّ اللَّفْظَ الْمَاثُورَ عَنِ السَّلْفِ عِنْدَ الْبَيْعَةِ اَنْ يَّخْطُبَ الشَّيْخُ الْخُطْبَةَ الْمَسْنُوْنَةَ۔

ساتویں سوال کا جواب یہ جانیں کہ بیعت کے وقت سلف صالحین سے منقول بات یہ ہے کہ مرشد خطبہ مسنونہ پڑھے۔

وَهِيَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهُ وَاَشْهَدُاَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

خطبہ مسنونہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں،

اس سے مغفرت چاہتے ہیں، پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے، جس کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جس کو اس نے گمراہ کر دیا ہے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، رحمت نازل فرمائے اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کے آل واصحاب پر اور اللہ تعالیٰ ضرور برکت اور سلامتی نازل فرمائے۔

ثُمَّ یُلَقِّنُهُ الْاِیْمَانَ الْاِجْمَالِیَّ فَیَقُوْلُ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَبِمَا جَاءَ عند اللّٰه علی مراد اللّٰه واٰمنتُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ وَبِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ للّٰہِ علی مرادِ رَسُوْلِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَبَرَّأْتُ مِنْ جَمِیْعِ الْاَدْیَانِ وَجَمِیْعِ الْعِصْیَانِ وَاَسْلَمْتُ الْاٰنَ وَاَقُوْلُ اَشْهَدُ وَاَشْهَدُاَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

خطبۂ مذکورہ کے بعد پیر و مرشد اپنے مرید کو ایمان اجمالی کی تلقین اس طرح کرے کہ کہو! ایمان لایا میں اللہ پر اور اس پر جو آئی اللہ کے پاس سے، اللہ کی مراد پر، ایمان لایا، میں رسول اللہ پر اور اس پر جو رسول کے پاس آئی، رسول اللہ کی مراد پر، صلی اللہ علیہ وسلم، میں بیزار ہوں اسلام کے سوا تمام دینوں سے بیزار ہوں تمام گناہوں سے، اب میں اسلام لایا یعنی اسلام کو تازہ کیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

ثُمَّ یَقُوْلُ قُلْ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِوَاسِطَةِ خُلَفَائِهٖ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءُ الزَّکَاتِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَحَجَّ الْبَیْتِ اِنِ اسْتَطَعْتُ اِلَیْهِ سَبِیْلاً۔

پھر پیر و مرشد اپنے مرید سے کہے کہ کہو میں نے بیعت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ باتوں پر، آپ علیہ السلام کے خلفاء کے واسطوں سے، پہلی اس بات کی گواہی کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ دوسری بات نماز قائم کرنے پر، تیسری بات زکوٰۃ دینے پر، چوتھی بات رمضان کے روزے رکھنے پر، پانچویں بات اگر مجھ کو اس کے راستے میں نکلنے کی طاقت ہو تو حج بیت اللہ

کرنے پر، اس طرح بیعت کرے۔

فائدہ : استطاعت سبیل سے مراد ٹکٹ پیسے اور توشہ ہے۔

ثُـمَّ یَقُوْلُ قُلْ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِوَاسِطَةِ خُلَفَائِهِ عَلٰى اَنْ لَّا اُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَیْئاً وَلَا اَسْرِقَ وَلَا اَزْنِیَ وَلَااَقْتُلَ وَلَا اٰتِی بِبُهْتَانٍ اَفْتَرِیْهِ بَینَ یَدَیَّ وَرِجْلَیَّ وَلَا اَعْصِیَهٗ فِیْ مَعْرُوْفٍ۔

پھر پیرومرشد اپنے مرید سے کہے کہ بیعت کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خلفاء کے واسطے سے اس بات پر کہ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرونگا۔ چوری نہیں کرونگا، زنا نہیں کرونگا، قتل نہیں کرونگا اور اپنے سامنے کسی پر گھر کر کوئی بہتان نہیں لگاؤں گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کرونگا۔

فائدہ : اس طرح کے مضمون کی بیعت قرآن مجید میں مذکور و منصوص ہے۔

ثُمَّ یَتْلُوْاهَا تَینِ الْاٰیَتَینِ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْاللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نفسه وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَعَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْراً عَظِیْماً۔

بعد ازاں پیرومرشد ان دو آیتوں کی تلاوت کرے پہلی آیت یا ایھا الذین سے آخر تک یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس سے وسیلہ تلاش کرو اور جہاد کرو تم اس کی راہ میں، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ دوسری آیت ان الذین یبایعونک سے آخر تک بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں یقیناً وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا دست قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔ جس نے بیعت کو توڑا بیشک وہ اپنے ہی نقصان پر بیعت کو توڑا اور جس نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو پورا کیا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائیگا۔

فائدہ : پہلی آیت میں وسیلہ سے مراد پیرومرشد کی بیعت ہے مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ میں فرمایا کہ ہم نے اپنے جد امجد حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہٗ کے ایک مرید سے سُنا کہ ان کے ہم عصر ایک عالم نے ان سے بیعت کے سنت یا بدعت ہونے کے بارے میں گفتگو کی، جد امجد نے اس کی مشروعیت کے سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا اور فرمایا کہ یہ ممکن نہیں کہ وسیلے سے ایمان

مراد لیا جائے، کیونکہ خطاب اہل ایمان سے ہے، چنانچہ یاایھا الذین امنوا اس پر دلالت کرتا ہے اور عمل صالح بھی مراد نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ تقویٰ میں داخل ہے اس لئے کہ تقویٰ امتثال امر اور اجتناب نواہی کا نام ہے۔ عطف کا قاعدہ اس بات کا متقاضی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ہو، اسی طرح مذکورہ دلیل کی روشنی میں جہاد بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ تقویٰ میں داخل ہے۔ لہٰذا متعین ہوگیا کہ وسیلے سے مراد پیرومرشد کی ارادت و بیعت ہے۔ اس کے بعد ذکر وفکر میں مجاہدہ اور ریاضت ہے، تاکہ فلاح حاصل ہو، اسی کا نام وصول ذات پاک ہے، واللہ اعلم۔

ثُمَّ يَدْعُوْلِنَفْسِهٖ ولِلتِّلْمِيْذِوَلِلْحَاضِرِيْنَ فَيَقُوْلُ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَنَفَعْنَا وَاِيَّاكُمْ ۔

اس کے بعد پیرومرشد اپنی ذات کے لئے، اپنے مرید کے لئے اور تمام حاضرین مجلس کے لئے اس طرح دعا کرے، اللہ برکت نازل فرمائے ہم پر اور تم پر اور نفع پہنچائے ہم کو اور تم کو۔

وَلَابَأْسَ اَنْ يُّلَقِّنَهٗ فَيَقُوْلُ قُلْ اِخْتَرْتُ الطَّرِيْقَةَ النَّقْشَبَنْدِيَّةَ اَوِالْقَادِرِيَّةَ اَوِالْجِشْتِيَّةَ الْمَنْسُوْبَةُ اِلَى الشَّيْخِ الاعظم والخطب الفخم خواجه نقشبنداَوِالشَّيْخِ مُحيِ الدِّيْنَ عَبْدِالْقَادِرُ جِيْلَانِى اَوِالشَّيْخِ مُعِيْنِ الدِّيْنِ السَّنجرِىّ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَافُتُوحَهَاوَاحْشُرْنَا فِىْ زُمْرَةِ اَوْلِيَائِهَا بِرَحْمَتِكَ يَااَرْحَمَالرَّاحِمِيْنَ ۔

اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ مرید کو اس طرح تلقین کرے کہ کہو میں نے نقشبندیہ طریقہ کو اختیار کیا جو شیخ اعظم، قطب الفخم خواجہ نقشبند کی طرف منسوب ہے یا طریقہ قادریہ کو اختیار کیا جو حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہے۔ یا طریقہ چشتیہ کو اختیار کیا جو حضرت شیخ معین الدین سنجری یعنی سیستانی کی طرف منسوب ہے، خداوندیا ارحم الراحمین تو ہمیں اپنی رحمت سے اس طریقہ کی فتوحات و برکات عنایت فرما اور ہمارا حشر اس طریقہ کے بزرگوں کی جماعت میں فرما۔

سُمِعْتُ سَيِدِىَ الْوَالِدَ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ مُبَشَّرَةٍ فَبَايَعْتُهٗ فَاَخَذَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَدَىَّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاَنَا اُصَافِحُ عِنْدَالْبَيْعَةِ عَلٰى هٰذِهِ الصِّفَةِ ۔

میں نے اپنے والد بزرگوار سے یہ فرماتے ہوئے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کو خواب میں دیکھا چنانچہ میں نے آپ سے بیعت کی، آپ علیہ السلام نے میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے دست مبارک میں لیا، لہٰذا میں اسی طرح جیسے خواب میں دیکھا ہے بیعت لیتے وقت مصافحہ کرتا ہوں۔

فائدہ : مولانا نے فرمایا کہ بعض اکابر صوفیاء مرید سے فرماتے کہ اپنا سیدھا ہاتھ پھیلائے پھر وہ اپنا سیدھا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے اسی طرح عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

اَمَّا بَیْعَةُ النِّسَاءِ فَبِاَنْ یَاخُذُ الشَّیْخُ طَرَفَ ثَوْبِ وَالَّتِیْ تُبَایِعُ طَرَفَهُ الْاٰخَرَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

عورتوں کی بیعت کا طریقہ یہ ہے کہ پیر و مرشد کو چاہیے کہ کپڑے کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ میں پکڑے اور بیعت کرنے والی خاتون کپڑے کے دوسرے کنارے کو اپنے ہاتھ سے تھام لے واللہ اعلم۔

فائدہ : مولانا نے فرمایا کہ کسی چیز کو پکڑے بغیر زبانی بیعت بھی جائز ہے، چنانچہ نبی اکریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا بھی کرتے تھے۔ ☆☆☆☆☆☆☆

حمد باری تعالیٰ

حافظ مرتضیٰ شریف صاحب

مدرس دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور

کروں کس منہ سے میں حق کی حمد بیاں
ہر ایک ذرہ سے ہے اسکی شان عیاں
نہیں ہے کوئی تجھ سے راز پنہا
ہر ایک دل کا ہے تو درپہ پنہا
تجھی سے ہیں یارب ہم بخشش کے خواہاں
گناہوں سے رکھ ہم کو آزادو فرحاں
نگاہوں کو میری کب ہوئی دیدہ عرفاں
لبوں پر رہے میرے ہر دم یہ ورد قرآں
تیرا ذکر کرکے سکوں پایا میں نے رضواں
ممکن نہیں ہے لوٹ جاؤں میں پریشاں
الٰہی یہ ناچیز کی ہے تمنا
رہے روز محشر میں ایک نظر والہانہ

پیش کش: مولوی عبدالسبحان،

مدرس دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور۔

جواهر الحقائق

تصنیف لطیف ماهر علم دین شریعت و طریقت، واقف رموز معرفت و حقیقت

حافظ قرآن مجدد جنوب حضرت شاه محی الدین سید شاه عبد اللطیف قادری نقوی

المعروف به قطب ویلور قدس سرهٗ : المتوفی ۱۲۸۹ھ

نوادرالدقائق ترجمۂ **جواهر الحقائق**

ترجمہ وتشریح: علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی حسنی حسینی قادری

صدر کل ہند جمیعۃ المشائخ و مدیر اعلیٰ ماہنامہ صوفی اعظم، حیدرآباد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوادرالدقائق ترجمۂ جواهر الحقائق

تیئیسویں (۲۳) قسط

خیال متصل کے عجائب وغرائب بہت ہیں۔ ان کے منجملہ جیسا کہ شیخ محی الدین غزلیؒ نے فتوحات مکیہ کے (۱۸۸)ویں باب میں فرمایا ہے جب بچے کے ہونے پر خواب (وخیال) کی دلیل ہوتو پھر وہ بچہ اس خواب کے بالکل موافق مخلوق ہے جو اسی خواب سے اسکے باپ کی صلب میں پانی (نطفہ) پیدا کیا گیا اور جب وہ پانی رحم میں داخل ہوا تو اس میں شکل دی گئی۔ وہی بچہ خواب ہے اور وہی خواب بچہ ہے۔ اور اسکے لئے پہلے ہی خواب نہ ہوتو وہ اسکے اصل نشان پر ہوگا جیسا کہ اسکی ساری اولاد ہوگی۔ پس جان لو کہ یہ عجیب راز اور صحیح انکشاف ہے کہ ہر بچہ خواب سے ہوتا ہے جسکو اسکے غیر

کے مقابل پہچانا جاتا ہے اور وہ دوسروں کے مقابل روحوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور ہر مخلوق کی ایک حالت ہوتی ہے یا عرض یا ولایت سے نسب وغیرہ۔ یہ رویا سے ہوتی ہے جو رویا سے نہ ہونے والے سے پہنچانی جاسکتی ہے۔ وہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بی بی آمنہ کے کواب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے کہ ہم نے جو کچھ بیان کیا وہ صحیح ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے رودا سے اپنے والد کے پانی میں ظاہر ہوئے تو اسی صورت میں جسکو آپ کی والدہ نے دیکھا تھا۔ اور اس بارے میں کئی رائے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں پر امتیاز حاصل تھا۔ اور ہم نے جو کہا ہے اسکو اہل علم کے سوا کوئی نہیں جانتا کشف کی صورت میں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش تو وہ اللہ کے رازوں میں سے ہے۔

اور ہم نے جو بیان کیا اسکی اگر تم تحقیق کرنا چاہتے ہو تو علم طبیعت کا مطالعہ کرو۔ اگر کسی چیز کو دیکھتے ہوئے عورت حاملہ ہو تو بچہ اسی چیز کے مشابہ پیدا ہوتا ہے اور اگر جماع کے وقت اس نے دیکھا یا اس وقت جس صورت کے تصور کے ساتھ مرد کے نطفہ کا انزال ہوا تو بچہ تصور کردہ صورت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی لئے حکماء مشورہ دیا کرتے تھے کہ مکانوں میں اکابر حکماء، وفضلاء کی تصاویر رکھا کریں تاکہ جماع کے وقت عورت اور مرد اس تصویر میں موجود صورت دیکھیں پھر اس تخیل کا اثر طبیعت پر پڑتا ہے اور بچہ اسی صورت پر پیدا ہوتا ہے جو اس کے نطفہ میں تھی۔ اور علم الطبیعہ کا بھی یہ عجیب راز ہے۔

اور دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے میں کہ بی بی مریم نے جبرئیل علیہ السلام کا بشری صورت میں مشاہدہ کیا تو کسطرح انکی روح دنیا میں لائی گئی۔ مردہ کو دنیا میں بشر کی حیثیت سے زندہ کرنے انکے لطیف جسموں میں روح ہوتی ہے۔ اور اس سے قوی ترین وہ واقعہ ہے کہ سامری نے جبرئیل علیہ السلام کے پاؤں کی مٹی کو اپنے قبضہ میں محفوظ رکھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ روح زندگی بخشتی ہے۔ جس وقت بچھڑے پر اسے لگایا گیا تو بچھڑا اسکے اثر سے زندہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس روح کی بدولت جو گھوڑے کی شکل میں تھی یا انسانی شکل میں تھی وہ بات کرنے لگی۔ پس زندگی سے جو استعداد ظاہر ہو وہ مظاہر میں ظاہری صورت کی پہچان ہے اور بیشک مظاہر بظاہر اسکو استعداد عطا کرتے ہیں جو کہ حاملہ اور محمولہ صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کو ظاہر فرمایا۔ وہ اسی پر برقرار رہتا ہے جس کا کہ حکم اس پر نافذ ہے۔

اور (۱۹۸) ویں باب میں فرماتے ہیں کہ دنیا حامل اور محمول وہ ہے کہ اسکے ساتھ صورت اور جسم فاعل ہے اور اس میں جو محمول ہے وہ روح ہے جو معنوی طور پہ منفعل ہے۔

پس اس سے یہ جاننا چاہئے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں۔ ایک بیداری کی حالت اور دوسری نیند کی حالت، ہر دو حالتوں میں اسکے مقید خیال سے ایک ادراک حاصل ہوتا ہے کہ جس کے ذریعہ ان اشیاء کی دریافت کرتے ہیں۔

بیداری کے ادراک کو حس اور نیند میں دکھائی دینے والی چیزوں کو رویا کہتے ہیں نیز مبشرہ اور بشریٰ کا بھی نام دیتے ہیں.

صاحب فتوحات مکیہ (یعنی شیخ محی الدین ابن عربیؒ) (۱۸۸) ویں باب میں فرماتے ہیں رویا کیلئے بشریٰ ومبشرہ انسان کے بشرہ میں تاثیر کے لئے ہے۔ پس بیشک بشریٰ صورت بدلتی رہتی ہے جس کا اسکے باطن میں وہی اثر ہوتا ہے جس کے تخیل سے صورت میں نظر آتا ہے یا وہ کلمہ جسکو وہ سنتا ہے خواہ غم کا ہو کہ خوشی کا اسکا اثر چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بلاشبہ طبعی حکم ہے جسکو اللہ تعالیٰ طبیعت میں ودیعت فرماتا ہے تو اسی طرح واقع ہوتا ہے۔

بیداری کی حالت میں ارباب ذکر و استغراق کو کبھی کبھی دو حالتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایک تو حضوری کی حالت میں غائب ہوئے بغیر محسوسات میں بعض غیبی باتوں کا انکشاف ہوتا ہے جسکو ''مکاشفہ'' کہتے ہیں۔ دوسری حالت یہ کہ غیب کی حالت میں محسوسات میں سے وہ معنی ہاتھ آتا ہے جسکو واقعہ کہا جاتا ہے۔

اور نیند دو قسم کی ہے۔ ایک قسم راحت ہے اور وہ ایسی نیند ہے کہ جس میں کوئی خواب نظر نہ آئیں اور وہ جسمانی راحت کے لئے تنہا ہے کوئی دوسری حالت نہیں۔ اور دوسری قسم انتقال ہے اور وہ ایسی نیند ہے کہ جس میں خواب دکھائی دیتے ہیں۔ انسانی خیال کی ایک شکل عالمِ مثال ہے کہ یہ خیال اسی سے ملا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ اور ایک شکل نفس اور جسم سے متعلق ہوتی ہے کہ جو کچھ اس میں علوی جہت یا نورانی قلب سے تعلق ہوتا ہے وہ سچا ہوتا ہے اور اس میں جو کچھ صورت ہوتی ہے وہ سفلی جہت کی شکل اختیار کرتی ہے جو جھوٹی ہوتی ہے۔ اور وہ محاکات کے طور پر نفسانی ہیئت یا مزاجی ہیئت یا بخار کیلئے ہوتی ہے جو دماغ کی طرف بلند ہوتی ہے جیسا کہ مالی خولیا والوں کو ہوتا ہے اور اس میں کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اور اسکو ''اضغاثِ احلام'' کا نام دیا گیا ہے۔

مکاشفہ ہرگز جھوٹا نہیں ہوتا کیونکہ مکاشفہ روح کی خالص عبادت ہے تاکہ تجرد کی حالت میں پوشیدہ چیزوں کا مطالعہ کیا جاسکے لیکن اکثر واقعات اور خوابوں میں روح کے ساتھ نفس بھی شریک ہو جاتا ہے اور بعض میں روح کی صفت مستقل طور پر سچی اور نفس کی صفت جھوٹی ہوتی ہے۔ لہٰذا مکاشفات سب کے سب سچے ہوتے ہیں اور واقعات اور خواب میں بعض سچے اور بعض جھوٹے ہوتے ہیں۔ پس ہر واقعہ اور خواب میں تین قسم پر ہے۔ پہلی قسم کشف مجرد ہے یعنی خیالی قوت کے تصرفات سے بالکل جدا۔ اور وہ اسطرح ہوتی ہے کہ صورت حالی کے خیال سے دیدۂ روح ابھی عالم غیب میں رہے یا عالم شہادت میں آیا ہو لیکن ظاہری حس غائب رہے جسے واقعہ یا خواب میں دیکھے۔ پس بالکل اس کی جیسی مرئی صورت، عالم شہادت میں واقع ہوتی ہے یا ظاہری حس سے مشاہدہ کرتی ہے اور اس صورت میں اگر ادراک کا مشاہدہ

کرے تو اسکی مدرک روح کی بصیرت ہوتی ہے اور اگر غیب کی آواز سن کر اسے دریافت کرے تو اسکی مدرک روح کی سماعت ہوتی ہے۔ مکہ کے مجاروین میں سے ایک درویش کا ایک دوست بغداد میں تھا۔ اسکی وفات کی خبر سنا تو افسردہ ہوگیا۔ نفس غائب ہوگیا۔ واقعہ میں دیکھا کہ مذکورہ دوست بغداد کے بازار میں خرید کرتا بیٹھا ہے۔ جب واپس آیا تو دوستوں کو تفصیلی خبر پہنچایا۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ اس وقت اس دوست کا وہی حال تھا جو درویش نے بیان کیا تھا اور اس حال میں بغداد کے لوہاروں کے ہتھوڑوں کی آواز کان میں سنائی دے۔ نیز ایک متوکل درویش جو اپنے سوال پر قائم تھا وہ ایک روز کسی ضرورت سے بغداد پہنچا۔ چاہا کہ سوال کا دروازہ کھولے مگر پشیمان ہوا۔ خواب میں ہاتف کی آواز سنائی دی کہ اے فلاں شخص! فلاں جگہ ایک نیلگوں رنگ کے کپڑے میں رقم کی تھیلی رکھی ہوئی ہے اسے لے لے اور اپنی ضروریات کے لئے خرچ کرلے۔ درویش اس جگہ اسی طرح رقم کی تھیلی پایا۔ اس قسم میں مشہود سالک کی مطلق مثال تھی اور خیالی صورت کے ساتھ خارجی صورت مطابقت رکھتی تھی اور اس میں حاجت کی جھوٹی تعبیر کی گنجائش نہیں کیوں کہ اس کشف میں روح تنہا تھی۔ اس سے جھوٹ کی نفی ہوتی ہے۔

دوسری قسم ''کشف مخیل'' ہے اور وہ اسطرح ہے کہ واقعہ یا خواب میں انسانی روح بعض غیب کی باتیں پالیتی ہیں اور نفس اس تعلق سے غیبی بات میں روح کے ساتھ شرکت اور مداخلت کرتا ہے۔ اور خیالی قوت پوشیدہ لباس میں اسکو محسوسات سے ڈھانکے رکھتی ہے اور اسی لباس میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس قسم میں جھوٹ کی مداخلت ممکن ہوتی ہے لیکن جب تک کہ روحانی ادراک خالی نہ ہوجائے محض کذب کی صورت پیدا نہیں ہوتی پھر روح کے ادراک کی حالت میں اگر نفسانی اور روحانی ادراکات ضم نہ ہوں ار جز متخیلہ روحانی مدرکات کے حقائق کو خیالی لباس نہ پہنائے وہ واقعہ یا خواب سچا ہوتا ہے اور اگر روحانی مدرکات کے ساتھ نفسانی خیالات مل جائیں اور متخیلہ پورا خیالی لباس پہن لے تو ان میں سے بعض سچے اور بعض جھوٹے ہوتے ہیں۔ پس تعبیر دینے والے کو چاہئے کہ علم تعبیر کی قوت سے روحانی مدرکات کے حقائق کو نفسانی خیالات کے ساتھ خالص کردے اور اسکی تعبیر دے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پہلی بات جس کا آغاز ہوا وہ یہ ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی سے چھ ماہ کے عرصہ تک وہ سچے خواب تھے۔ پس جبرئیل علیہ السلام آئے تو بحالتِ بیداری مثالی یا خیالی صورت میں محسوس چیز کے ساتھ آئے اور یہ خواب دراصل وحی کی قسموں میں سے ایک تھا۔ لہٰذا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سچا خواب، نبوت کا (۴۷) واں حصہ ہوتا ہے۔ مومنوں کا حصہ یہی خواب ہے اور سچے خوابوں سے عبارت ہے۔ آنحضرت علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے علم کو شیر کی صورت میں اور ایمان کو لباس کی شکل میں دیکھا اور سچے خواب معبرہ اور غیر معبرہ ہوتے ہیں۔ وہ جو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں سورج، چاند، اور گیارہ تاروں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو والد کو سورج کی شکل میں اسکی نوریت کے کمال کے ساتھ دیکھا اور بھائیوں کو تاروں کی شکل میں دیکھا پس یہ صورت معبر ہے اور ان کا سجدہ غیر معبر کہ بعینہ عالم شہادت میں واقع ہوا۔

تیسری قسم خیال مجرد ہے اور وہ اس طرح ہے کہ انسانی خواطر دل میں غلبہ کریں اور اسکے غلبہ کی وجہ سے روح عالم غیب کے مطالعہ سے محجوب رہے۔ پس واقعہ یا نیند کی حالت میں وہ زیادہ قوی ہو جاتا ہے اور متخیلہ ہر ایک کو خیالی لباس پہنا دیتا ہے اور ان کی شکلوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے اور متخیلہ کے تصرف کے بغیر اسکی تلبیس کو مرئی اور مشہود کر دیتا ہے۔

نعت شریف

سید شاہ تحسینؔ یمنی

یہ محفل نبیؐ کی سجاتے رہینگے — مقدر کو اپنے جگاتے رہینگے
بڑے ہی ادب سے یہ میلاد پڑھ کر — گھروں کو منور بناتے رہینگے
ازل سے ہی وابستہ ہیں آپؐ سے ہم — یہ رشتہ ابد تک نبھاتے رہینگے
سرور و مسرت کا عالم نہ پوچھو — وہؐ غلاموں کو جلوہ دکھاتے رہینگے
قیامت میں تاجِ شفاعت پہن کر — وہؐ امت کو اپنی بچاتے رہینگے
چھڑا کر جہنم سے ہم سب کو آقاؐ — ہمیں جامِ کوثر پلاتے رہینگے
ہمیں اپنے دامانِ رحمت میں لے کر — وہؐ دیدار رب کا کراتے رہینگے
خدا کا اُنہیں قرب ہوتا ہے حاصل — جو سجدوں میں آنسو بہاتے رہینگے
ہر ایک دور میں انکےؐ عشاق دیکھو — دل و جان اُنؐ پر لُٹاتے رہینگے

کہ بو سے قلم کے تو لیتے ہی رہنا
وہؐ تحسینؔ نعتیں لکھاتے رہینگے

خطبۂ صدارت

ادارہ

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمہ سابق سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور و سرپرست دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور نے ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم لطیفیہ کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد کے موقعہ پر ذیل کا خطبہ پڑھا تھا۔ یہ خطبہ قرآن کریم سے متعلق ہے اور پراز معلومات ہے اور فارغین کے لئے نصیحت آموز ہے، جسکی افادیت کے پیش نظر اللطیف کے موجودہ شمارہ میں شامل کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز حاضرین و عزیز طالب العلمو!

حضرت علامہ شیخ شہاب الدین تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے،

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کہ اسکی جانب زوال وانقطاع کو راہ نہیں اور وجوہ تواتر سے کوئی چیز قرآن کے مرتبہ کو نہیں پہنچی، مدتیں گذر گئیں کہ حق تعالیٰ کی یہ آواز خاص وعام کے کانوں میں گونج رہی

ہے کہ اے محمد مخالفین سے کہدو کہ اگر میں یہ قرآن اپنی طرف سے بنا کر کہتا ہوں تو تم اس کے مثل دس سورتیں بنا کر لاؤ، پھر فرمایا کوئی حدیث تو اس کے مانند لاؤ۔غرض بار بار خدائے تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے مخالفین کو قرآن کے مثل بنا کر لانے کا چیلنج دیا۔مگر کسی سے آج تک ایک سورت بھی اس کے مثل نہ بن سکی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یہ نہایت عظیم الشان معجزہ ہے۔اس واسطے کہ قریش جو آپ کی قوم تھی اور پہلے پہل انہیں سے خطاب تھا یہ لوگ فصیح و بلیغ اور سخندان لغت تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پڑھتے تھے اس کے معارف وحقائق کو خوب سمجھتے تھے اور یہی لوگ آپ کے دشمن ہیں۔سب سے زیادہ حصہ لیتے اور آپؐ کی ہلاکت میں سے سے بڑھکر کوشش کرتے تھے انہوں نے آپ کی محاربت میں بے انتہا مال خرچ کیا اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا کہ کس طرح آپ پر غالب ہوں پھر جب ان سے کہا گیا کہ اس قرآن کی نسبت ایک سورت ہی بنا لاؤ تو اس کے جواب سے قریش پہلوتہی کرتے تھے اور ان سے ممکن نہ تھا کہ قرآن کے مثل بنا کر لائیں وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن سحر اور جادو ہے اور کذب و دروغ ہے اگر ان سے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کا معاوضہ ممکن ہوتا تو ناحق اپنی جان و مال کو ہلاکت میں کیوں ڈالتے اور گوناگوں کوششیں آپ کی ہلاکت میں کیوں کرتے، اس واسطے کہ بشرط امکان قرآن سے معاوضہ کرنا اور اس کے مثل ایک سورت بھی بنالانا اس سے زیادہ آسان ہے کہ بذل مال اور ترک وطن اور مفارقت یا رودیار کی حاجت پڑے، پھر جب ان سے قرآن کا مقابلہ نہ ہوسکا اور چھوٹی سی سورت بھی مثل قرآن کے نہ لا سکے پس یہ امر کی برہانیں قاطع ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور یہ کہ قرآن کلام خدا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے جو قیامت تک زندہ رہیگا اور ہرگز ہرگز کسی زمانے میں بھی عربی کے بڑے سے بڑے عالم وفاضل سے اس کا جواب نہ بن سکے گا۔کیونکہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے خطاب کیا تھا اسی طرح یہ خطاب ہمیشہ اور اب بھی تمام دنیا کے فضلاء وعلمائے علوم عربیہ،فصحا و بلغاء و ماہرین لغاتِ عرب سے ہے مگر نہ آپ کے زمانہ میں قرآن کا جواب ہوسکا اور نہ آپ کے بعد، اب تک باوجود یکہ ہر قرن میں عربی کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوتے رہے اور انشاءاللہ قیامت تک بھی نہ ہوسکے گا۔

ایک حکایت درمنشور سے نقل ہے، عرض ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس مسجد اقصیٰ کے اندر پہنچے تو وہاں ایک جگہ حوران جنت کو بیٹھے دیکھا۔حورانِ جنت نے حضور کو سلام کیا آپؐ نے فرمایا کہ تم کون ہو،حورانِ جنت نے عرض کیا یا حضرت! ہم نیک لوگوں کے بیویاں حورانِ جنت ہیں اور آج آپ کے پیچھے نماز پڑھنے آئی ہیں یہ سُنکر آپؐ وہاں

سے آگے چلے اور مسجد اقصیٰ کے اندر تشریف لے گئے۔ ساری مسجد کو نمازیوں سے بھرا پایا، وہاں ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ دراز قامت اور نہایت خوبصورت ہیں اور نماز میں مشغول ہیں، حضور شافع یوم النشور نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں پھر آپؐ نے ایک اور بزرگ کو دیکھے جن کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہیں اور نماز میں مشغول ہیں حضورﷺ نے فرمایا اے جبرئیل یہ کون ہیں جبرئیلؑ نے فرمایا کہ یہ جدالانبیاء حضرت خلیل علیہ السلام ہیں، پھر دیکھا کہ ایک بزرگ کی سانولی رنگت ہے اور چہرۂ مبارک پر جلال کے آثار نمایاں ہیں پوچھا کہ جبرئیل یہ کون ہیں تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ خدا کے لاڈلے پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں اسی طرح آپ نے بہت سے نبیوں کو وہاں نماز پڑھتے ملاحظہ فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچتے ہی حضرت جبرئیل نے اذان کہی، آسمان کے دروازے کُھلے آسمان سے فرشتے نماز کیلئے نازل ہوئے۔ ساری مسجد اندر باہر سے بھرگئی، پھر فرشتے ہوا میں معلق جمع ہوئے اور زمین سے آسمان تک ایک سلسلہ ہوگیا اتنے میں حضرت جبرئیل امین نے تکبیر کہی صف بندی ہوی، یہاں سے وہاں تک صفیں درست ہوئیں۔ تکبیر یعنی اقامت ختم ہوگئی مگر ابھی تک مصلّٰے امام سے خالی ہے کوئی امام مصلّٰے پر نہیں، اگرچہ آج بھی امامت کی ہر ایک نبی کو تمنا ہے مگر ادب کے سبب کوئی آگے نہیں بڑھتا جب حضرت جبرئیلؑ نے مصلّٰے خالی پایا تو اپنی جگہ سے تشریف لائے اور امام الاولین والآخرین کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یا حضرت، اے حبیب خدا آپ کو کس کا انتظار ہے، آج کی رات کون ایسا ہے جو آپ کو نماز پڑھائے! آج کی امامت کا عہدہ صرف آپ کے لئے ہے، اے محبوب خدا، میں نے نہایت تیز پرواز کی اور مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک دوڑا مگر قسم ہے اللہ پاک کی کہ آپ سے افضل واعلیٰ کسی کو نہ پایا۔ بسم اللہ تشریف لے چلئے اور نماز پڑھایئے۔ یہ سُن کر محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مصلّٰے پر تشریف لے گئے اور دوگانہ ادا کیا جس وقت سلام پھیرا تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اے حبیب خدا آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت جناب کے پیچھے کس کس بزرگ نے نماز پڑھی، آپؐ نے فرمایا کون کون بزرگ ہیں حضرت جبرئیل نے کہا کہ اس وقت آپ کے پیچھے اس نماز میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ومرسلین اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے موجود ہیں۔

آسمان کعبہ جس کا نام بیت المعمور ہے جو فرشتوں کا قبلہ ہے جب حضورِ سراپا نور وہاں پہنچے اور وہاں جا کر نماز پڑھی اور آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ بیت المعمور کے پاس مجھے دو طرح کے لوگ نظر آئے، ایک گورے نوری سفید رنگ کے جن کے لباس بھی نہایت سفید تھے۔ دوسرے لوگ جن کے منہ اور چہرے کالے اور کپڑے بھی میلے تھے جب نماز کیلئے بیت المعمور میں جانے لگے تو فرشتوں نے ان میلے لوگوں کو اندر آنے سے روکا، آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ

یہ کون لوگ ہیں، کہا کہ یا حضرت یہ سب لوگ جناب کی اُمت کے ہیں۔ یہ اُجلے نورانی چہرے والے تو نیک اور صالحین ہیں اور میلے کپڑے والے گنہگار بدکار شامتِ اعمال میں گرفتار لوگ ہیں۔ یہ سنکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں گنہگاروں کی شفاعت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شفاعت سے ان لوگوں کے گناہ معاف فرمائے اب تو ان کے کالے کالے چہرے آپ کی شفاعت سے سفید نوری ہو گئے۔ پھر حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المعمور سے آگے چل کر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ حضرت جبرئیلؑ اس مقام پر ٹھہر گئے اور آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑنا چاہا۔ آنجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرئیل مجھے اکیلا چھوڑتے ہو تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ یا حضرت اب آگے جانا آپ کو مبارک ہو آج آپ کو وہ مرتبہ ملا ہے کہ نہ مجھے ملا اور نہ کسی پیغمبر کو ملا یا حضرت میں اگر بال برابر آپ کے ساتھ اوپر چلوں میرے تمام پر تجلی الٰہی سے جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

اے عزیز طالب العلمو! وقت کی قلت کی وجہ دعا پر تقریر ختم کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور طفیل سے علم و عمل حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور فقر و صداقت کو اپنا شیوہ بنائے رب العزت سرخروئی اور کامرانی عطا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین۔ اللھم بحاہ نبیك المصطفیٰ و نبیك المرتضیٰ اوصلنا الیٰ مقاصد نا وتب علینا انك انت التواب الرحیم ۵ط

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رباعیات اصغرؔ ویلوری

یہ دہر منظّم ہے تمہاری خاطر
تخلیق دو عالم ہے تمہاری خاطر
کونین بھی کونین کی ہر اک شئے بھی
اے نور مجسم ہے تمہاری خاطر

پیش کش: وائی، سید الیاس ویلوری

نقوشِ طاھر
نذرانۂ عقیدت

سالنامۂ اللطیف میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور۔ کا ایک مفید و دلچسپ اور فکر انگیز و بصیرت افروز مضمون ''نذرانہ عقیدت'' شائع ہوا تھا۔ اللطیف کے اس شمارے کی زینت ہے۔ ادارہ

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گویم کمالِ بے ادبی است

سلام اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن پر خود اللہ تبارک وتعالےٰ درود وسلام نازل فرماتا ہے۔ سلام اس ذات

صلے اللہ علیہ وسلم پر جو پیغمبر خدا اور نبی آخرالزماں ہیں۔ درود اُن پر جو خاتم النبیینؐ افضل البشرؐ اور رحمۃ للعالمینؐ ہیں۔ سلام ان پر جو تمام خوبیوں اور بزرگیوں میں سب سے زیادہ کامل ہیں۔ سلام اُن پر جن کا نور اللہ کا نور ہے۔ نور من نور اللہ۔ سلام اُن پر جن کے اندر صبر، بردباری، عاجزی، شرم وحیاء، مروّت، وقار، راست بازی، شجاعت، دلیری، خوش بیانی، میانہ روی بدرجۂ اتم ہے۔ جو صاحبِ اسوۂ حسنہ ہیں۔ درود اُن پر جن کے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ جمیلہ بے حد و بے شمار ہیں۔

ناظرین! ملاحظہ فرمایئے ہمارے اور تمام مسلمانوں کے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوص ومحبت کو جب آپ سے کوئی شخص مصافحہ کرتا تو آپ اپنے ہاتھوں کو اس وقت تک علیحدہ نہ فرماتے جب تک وہ خود اپنے ہاتھوں کو علیحدہ نہ کر لے۔ مساوات اور رواداری کا یہ عالم کہ غلام، باندی، آزاد، مفلس ومسکین ہر ایک پر یکساں نظر فرماتے۔ جو کوئی آپؐ کی دعوت کرتا فوراً قبول فرماتے۔ اپنے خادم کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، شہر سے دور مدینہ منورہ کے کنارے اگر کوئی شخص رہتا اور بیمار ہوتا تو آپؐ وہیں اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔ حتیٰ کے غیر مذہب والوں کو بھی بیمار پُرسی فرماتے۔ آپؐ کی شانِ رحیمی اور رحمۃ للعالمینی کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ جنگِ اُحد میں آپؐ کو سخت چوٹ آئی۔ حتیٰ کہ دندانِ مُبارک شہید ہو گئے تو لوگوں نے کہا کہ مشرکوں کے حق میں بددعا فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا آپ نے یہ دُعا کی **اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون** ، حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گوئی کا سکّہ دشمنوں کے قلوب پر اس طرح جما ہوا تھا کہ ابوسفیان باوجود سخت دشمن ہونے کے جب ہرقل روم نے آپ کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور سچ پر قائم رہتے ہیں۔ آج تک آپ نے خلافِ وعدہ کوئی کام نہ کیا اور نہ کوئی جھوٹ ثابت ہوا۔

آپ کے جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ ایک روز آپ کی خدمتِ بابرکت میں ایک بدّو نے آکر سوال کیا۔ آپ نے اس کو گھر سے لا کر کچھ دیا۔ فرمایا، اب میں تجھ پر احسان کر چکا ہوں اس پر اس نے بگڑ کر کہا: یہ بھی کوئی احسان ہے؟ صحابۂ کرام کو اس کی جہالت پر غصہ آیا اور مارنے کو اٹھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو روکا اور گھر سے پھر کچھ لا کر دیا۔ وہ خوش ہو گیا اور دعائیں دینے لگا۔ صحابہ اس وقت جا چکے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل سے کہا کہ تو نے جو بات پہلے کہی تھی وہ میرے اصحاب کو بُری معلوم ہوی، اس لئے اگر تو مناسب سمجھے تو ان کے سامنے اپنی رضامندی کا اظہار کر دے تا کہ اُن کے دلوں سے کدورت دور ہو جائے۔ اس نے منظور کیا اور سب کے سامنے آکر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کو تسلیم کیا۔ اور دعائیں دیں۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میری اور اس سائل کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی

اونٹنی بھاگ نکلی ہواور وہ لوگ اس کے پیچھے پکڑنے کو دوڑے نتیجہ یہ ہوا کہ گھبرا کر اور بھاگنے لگی۔اس کے بعد یہ دیکھ کر لوگوں کو روک دیا اور خود آہستہ آہستہ جا کر اس اونٹنی کو پکڑ لایا۔میں بھی تم کو نہ روکتا تو تم اس کو قتل کر ڈالتے۔

مسٹر تھامس کارلائل مشہور مورخ وفاضل وادیب جو یورپ کے باشندوں میں سے ہیں۔ایک جگہ آپ کی نسبت تحریر کرتے ہیں کہ با اخلاق اور پُر غور طبیعت کے مالک تھے۔وہ ایک غیر معمولی طاقت والی روح تھے جو سوائے راست باز ہونے کے اور کچھ ہو ہی نہ سکتے تھے۔اور جس کو خود قدرت نے سچا اور راست باز پیدا کیا تھا۔

مدینہ منورہ کی نسبت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کے سلسلہ میں مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ درختوں میں پھل لگتا تو لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں پیش کیا کرتے تھے اور اس پھل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ میں لے یہ دعا کرتے کہ ''اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت دے مدینے میں برکت دے اور ہمارے مُد میں برکت دے۔اے اللہ! ابراہیم تیرے بندے اور تیرے دوست اور تیرے نبی تھے، میں تیرا بندہ اور نبی ہوں۔انہوں نے مکہ کے لئے دعا کی اور میں مدینے کے لئے دعا کرتا ہوں کہ مکہ کی دوچند برکتیں مدینے میں دے۔'' یہی دعا کا اثر ہے جو مدینے میں اتنی برکت پائی جاتی ہے۔

حضرت قطبؒ ویلور اپنی تصنیف لطیف میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں خیر و برکت کا لامتناہی سلسلہ جاری وساری رہنے کے لئے اپنے اصحابِ کرام میں موئے مبارک تقسیم فرمائے۔حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حینِ حیات میں جیسی تعظیم وتکریم ہوتی تھی۔آپ کے موئے مبارک کی بھی ویسی ہی تعظیم وتکریم ہونی چاہئے۔اس لئے کہ جزوِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ اس سلسلہ میں مزید ایک واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں۔کہ آپ محمود بندر پہنچے تو وہاں آثار شریف کی زیارت کرائی جانے والی تھی۔اور آپ اس کی زیارت کا قصد کر چکے تھے اتنے میں دو طالب علموں نے آکر آپ سے کہا کہ یہ آثارِ مبارک جھوٹے ہیں۔آپ اس کی ہرگز زیارت نہ کریں۔آپ نے جواب میں کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی تعظیم ہی میرے لئے بس ہے۔اور مزید ان کی باتوں پر التفات کئے بغیر آپ زیارتِ آثار مبارک سے مشرف ہوئے۔ آدھی رات گزرنے نہ پائی تھی کہ اتنے میں وہ دونوں طالب العلم روتے ہوئے آپ کے پاس آئے اور کہا کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی اپنا روئے انور پھیر لیا۔اور ارشاد فرمایا کہ ایسا انکار کرنا اچھا نہیں۔ایسے ہی انکار سے ابو جہل اور ابولہب خراب ہوگئے۔

صاحب جواہر السلوک حضرت قطبؒ ویلور رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچّی محبت رکھنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضرت مکّی حتمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز خواب میں ابولہب کو دیکھا اور پوچھا، تیرا کیا حال ہے؟ جواب میں اس نے کہا کہ ہر دوشنبہ کی شب ان دوانگلیوں کے درمیان چوسنے کو پانی مل جاتا ہے۔ جب اس کا سبب آپ نے دریافت کیا تو کہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کی خوش خبری اپنی لونڈی آکر سنائی تو میں نے اس وقت اس لونڈی کو اس خوشی کے موقع پر ان دوانگلیوں کے اشارے سے آزاد کردیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس محبت کی وجہ سے ہر پیر کی شب عذاب میں تخفیف کرتا ہے اور چوسنے کے لئے ان دوانگلیوں سے پانی مہیا فرماتا ہے۔

حضرت مکّی حتمی رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ جب ابولہب جو کافر تھا اور جس کی مذمت میں قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں اس کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھتے ہوں فردوسِ بریں سے سرفراز فرمائے گا۔ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

از محمد یوسف شمیم مرحوم نیلور (اے،پی)

محمدؐ سے خوش ہے خدائے محمدؐ — خُدا کی رِضا ہے رِضائے محمدؐ
محمدؐ بنے حق کے محبوب و دلبر — پسند آئی حق کو ادائے محمدؐ
محمدؐ ہیں لولاک کے شاہِ ذیشاں — ہے ساری خدائی برائے محمدؐ
مری کشتیٔ دل کو طوفاں کا ڈر کیا — کہ جب 'ناخدا' ہے خدائے محمدؐ
وہ بازارِ طائف میں خود زخم کھاکر — عدو کے لئے تھی دعائے محمدؐ
مریضانِ غم کیوں نہ آنکھوں میں رکھ لیں — ہے خاکِ شِفا خاکِ پائے محمدؐ
مرے کعبۂ دل میں نورِ خدا ہے — کہ ہے جلوہ فرما ضیائے محمدؐ
یہ قرآں جو مٹّی کو سونا بنادے — یہ ہے نسخۂ کیمیائے محمدؐ
یہ وارفتۂ جان اپنی یہ شیفتۂ دل — نثارِ محمدؐ فدائے محمدؐ
اَبد تک رہونگا اسی فن میں یکتا — اَزل سے ہوں مدحت سرائے محمدؐ

ہے بے شک متاعِ دل و جاں سے پیاری
شمیمؔ الفت بے بہائے محمدؐ

پیش کش: محمد باقر حُسین و محمد سجاد حسین نبائر: محمد یوسف شمیمؔ مرحوم

شـــــانِ ولایــــت

ازسید شاہ عثمان قادری

زبان اولیاء پر ہے ترانہ غوث اعظمؒ کا
بہشت معرفت ہے آستانہ غوث اعظمؒ کا

ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام پیغمبروں اور رسولوں میں افضل واعلیٰ ہیں۔ اسی طرح ہمارے غوث پاک تمام اولیاء میں اعلیٰ وافضل ہیں۔ جہاں تمام تر بلندیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ومکمل ہوتی ہیں۔ وہاں شان ولایت کی تمام تر بلندیاں غوث پاک پر کامل اور مکمل ہوتی ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے آخر میں جب اسلام میں انتشار پیدا ہوا، اور اسلام کی اجتماعی قوت فرقہ بندی کی نذر ہو چکی تھی، غیر اسلامی لوگ اسلام کی تباہی کے منصوبے بنا رہے تھے دین حنیف پر پژمردگی شائع ہو چکی تھی۔ ایسے وقت میں ایک مرد کامل یعنی غوث پاک کا ظہور ہوا، جس نے مردہ دلوں کو حیات تازہ بخشی اور پھر اسلام کو نئی حیات بخشی اس لئے آپ کو محی الدین بھی کہتے ہیں۔

آپ کا پورا نام ابومحمد عبدالقادر تھا۔ اور لقب محی الدین تھا، آپ غوث اعظم کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد کا نام حضرت سید ابوصالح موسیٰ تھا اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ آپ کی پیدائش گیلان میں ہوئی اسے جیلان بھی کہتے ہیں، اسی بناء پر آپ کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کہتے ہیں آپ کی تعلیم بغداد میں ہوئی جو اس وقت کا دینی مرکز تھا۔ آپ کی شان اور آپ کے مقام ومرتبہ کے بارے میں کئی حضراتِ قلم نے لکھا ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیاری کا کیؒ

قبلۂ اہل صفا حضرت غوث الثقلین دستگیر ہمہ جا حضرت غوث الثقلین

حضرت غوث الثقلین تمام اہل اللہ کے قبلہ ہیں اور ہر جگہ حاجت مندوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔

حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ

من آمدم بہ پیش تو سُلطان عاشقاں ذات تو ہست قبلۂ ایماں عاشقاں

اے عاشقوں کے سلطان میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی ذات گرامی عاشقوں کا قبلۂ ایمان ہے۔

''حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ حضرت غوث پاکؓ کے شان میں فرماتے ہیں۔

یا غوث معظم نور ہدیٰ مختار نبیؐ، مختار خدا سلطان دو عالم قطب علی حیراں ز جلالت ارض وسما

اے غوث معظم آپ نور ہدایت ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مختار ہیں آپ شاہ دو جہاں اور قطب اعلیٰ ہیں اور آپکی رفعتِ شان کو دیکھ کر زمین و آسماں متحیر ہیں۔

حضرت شاہ ابو المعالیؒ حضرت غوث پاکؓ کی شان میں یوں فرماتے ہیں:

گر کسے واللہ بعالَم از مئے خرنافی است از طفیل شاہ عبد القادر گیلانی است

یعنی اگر کسی کو دنیا میں شراب عرفان حاصل ہوی ہے تو واللہ وہ شاہ عبد القادر گیلانی کے طفیل ملی ہے۔

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ، حضرت غوث اعظم کی شان میں فرماتے ہیں

غوث اعظم دلیل راہ یقین بیقین رہبرا کابر دین

اوست در جملہ اولیاء ممتاز چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

غوث اعظمؓ راہ یقین کی دلیل ہیں اور بلا شبہ اکابرامت کے رہبر ہیں جس طرح سرور کونینؐ تمام انبیاء علیہم السلام میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں اسی طرح وہ غوث اعظمؓ تمام اولیاء میں ممتاز ہیں۔

مذکورہ اشعار سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت غوث پاکؓ کا مرتبہ و مقام بہت بلند و بالا ہے آپؓ کا قدم تمام ولیوں کے گردنوں پر ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا ہے آپؓ کی نظر کسی پر پڑ جائے تو اسکی تقدیر بدل جاتی ہے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

☆☆☆☆☆☆☆☆

مثنوی مولوی معنوی میں وحدت الوجود کی جھلکیاں

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی،

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رابطہ ادب اسلامی شاخ کرناٹک کی جانب سے جنوری ۲۰۱۳ء میں مولانا محمد جلال الدین رومی کی شخصیت اور فن پر ایک سمینار امیر ملت حضرت مولانا مفتی اشرف علی باقوی مدظلہ کی سرپرستی میں دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور میں منعقد ہوا مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق کا یہ مقالہ اس سمینار میں پڑھا گیا، اسکی افادیت کے پیش نظر قارئین اللطیف کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

ادارہ

میرے مقالہ کا عنوان ہے مثنوی مولوی معنوی میں وحدت الوجود کی جھلکیاں! اس موضوع کی دو جہتیں ہیں، ایک مثنوی، دوسری وحدت الوجود، دوسری جہت کا تعلق کلی طور پر تصوف سے ہے۔ اور اس جہت کے دو رخ ہیں، ایک نفس تصوف، دوسرا اسکے بطن سے وجود پذیر نظریۂ وحدت الوجود ہے جو اپنی ذات سے ایک مستقل مکتبۂ فکر ہے۔

مثنوی ساتویں صدی ہجری میں منصۂ شہود پر جلوہ نما ہوئی اور یہ عالم اسلام کی معروف ترین شخصیت اور دنیائے

تصوف کی مقبول ترین تاریخ ساز ہستی حضرت العلام محمد جلال الدین صدیقی المعروف مولانا روم (۶۰۴ھ ۶۷۲ھ) کی عظیم الشان تاریخی وعلمی اور عرفانی تخلیق ہے۔اس کتاب کو معرض وجود میں آئے ہوئے سات سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن وہ آج بھی تصوف اور فارسی زبان کی مقبول اور مشہور کتاب ہے جسکی مقبولیت اور شہرت کی بلندیوں کو تصوف اور فارسی کی دوسری کتاب چھو نہ سکی۔

اس کتاب کی غیر معمولی مقبولیت اور شہرت کا راز یہ ہے کہ اسکے اندر اخلاقیات ، پندونصائح، تمثیلات ، مشاھدات، وجدانیات، تخیلات اور تجربات کی ایک وسیع کائنات ہے جسکی وجہ سے تاریخ کے ہر دور میں جلیل القدر علماء، فضلاء، شعراء، صوفیاء، مدرسین، واعظین اور مصنفین نے اپنی اپنی فکری سمتوں اور جہتوں میں مثنوی کو ممد ومعاون اور مفید پایا اور اسے اپنے اپنے موقف کی تائید اور تقویت میں دلیل وحجت کے طور پر پیش کیا اور اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ زندگی اور زندگی کے مسائل سے ہم کنار رہی حتّٰی کہ مستشرقین اور یوروپی محققین نے بھی اسکی جانب التفات اور اعتناء کیا اور ان کے زاویۂ نظر سے بھی مثنوی کی بعض نئی تعبیرات سامنے آگئیں۔حال میں مسیحی دنیا نے اپنے ایک نئے سال کے کیلینڈر کو سال رومی سے موسوم کیا۔

صاحب مثنوی مولانا روم خلیفۂ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، آپ کا اسم گرامی محمد اور لقب جلال الدین ہے۔علمی دنیا میں مولانا روم کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔آپ کے والد ماجد کا نام بھی محمد اور دادا کا نام بھی محمد ہے۔آپ کے والد بہاؤالدین کے لقب سے معروف تھے۔اور آپ کا وطن بلخ تھا۔آپ اپنے وقت کے جید عالم وفاضل اور صوفی تھے۔علم وادب اور تعلیم وتزکیہ کے میدان میں عوام اور خواص کے لئے مرجع تھے۔ پورے خراسان سے لوگ علمی وروحانی استفادہ کے لئے پہنچتے تھے اور مختلف فقہی، معاشرتی، سماجی اور عائلی مسائل میں فتویٰ طلب کرتے تھے۔اور آپ علمی، درسی اور تربیتی کام وقت کی پابندی کے ساتھ بالترتیب انجام دیتے تھے صبح سے لے کر دوپہر تک مختلف علوم وفنون کا درس دیتے تھے۔دوپہر کے بعد حقائق ودقائق اور اسرار ومعارف کی شرح فرماتے تھے اور دیگر اوقات میں مریدین کی تربیت فرماتے تھے، عوام الناس کے درمیان پیر اور جمعہ کے دن وعظ فرماتے تھے۔اس طرح آپ کی ذات گرامی سے درس وتدریس، تزکیہ، وتطہیر اور دعوت وتبلیغ کا کام وسیع پیمانہ پر ہوا اور آپ سے ہزاروں تشنگان علم وعرفان سے سیرابی حاصل کی۔

آپ کے عہد میں محمد خوارزم شاہ کی حکومت تھی، بادشاہ کو آپ کے ساتھ بڑی محبت اور عقیدت تھی۔آپ کی

مجلسوں میں شریک ہو کر علمی استفادہ کرتا تھا۔ اسکے ہمراہ امام فخر الدین رازی بھی شریک مجلس رہتے تھے۔ امام رازی فلسفیانہ دل و دماغ کے مالک تھے اور شیخ بہاؤالدین عارفانہ وصوفیانہ ذہن و دل کے مالک تھے اس طرح دونوں کے خیالات ونظریات میں تضاد اور تصادم تھا، شیخ بہاؤالدین اپنی علمی اور دعوتی مجلسوں میں فلسفیوں کی بے راہ روی اور مذہبی دوری پر کھل کر تنقید فرماتے تھے اور یہ جرح وقدح اور نقد ونظر امام رازی کے لئے بڑی گراں تھی۔ اس فکری ونظریاتی اختلاف اور شیخ کی غیر معمولی عزت ومقبولیت کے باعث امام رازی کے دل میں شیخ بہاؤالدین کے تعلق سے رشک وحسد کے جذبات پیدا ہو گئے لیکن وہ اپنی زبان سے اظہار نہیں کر پارہے تھے۔ ایک روز سلطان خوارزم شاہ شیخ بہاؤالدین سے ملنے کے لئے گیا تو یہ دیکھکر حیران رہ گیا کہ ان کے ارد گرد علماء وصوفیاء اور امراء وعمائدین کا بہت بڑا مجمع ہے۔ اس نے اپنے دل میں اپنی سلطنت سے متعلق خدشات محسوس کئے، امام رازی بادشاہ کے مقرب تھے ان کے دل میں شیخ بہاؤالدین کے تعلق سے حسد اور رشک کے جذبات تھے، ان کے رقیبانہ گفتار وکردار سے خوارزم کے خدشات کو تقویت ملی۔ امام رازی نے بادشاہ سے کہہ دیا، اگر آپ نے ابھی سے کچھ تدارک نہیں کیا تو آپ کو بڑی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ امام رازی کے ایماء واشارہ پر خوارزم شاہ نے شاہی خزانہ اور قلعہ کی کنجیاں شیخ کی خدمت میں بھیج دی اور کہلا بھیجا کہ اسباب سلطنت میں سے صرف یہ کنجیاں میرے پاس رہ گئی ہیں وہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، شیخ نے صورت حال کی حقیقت کو سمجھ لیا اور قاصد کے ذریعہ بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ میں اس جمعہ کا خطبہ دے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ چنانچہ آپ خطبۂ جمعہ اور نماز پڑھانے کے بعد شہر سے نکلے تو آپ کے ہمراہ تین سو علماء اور صوفیہ بھی نکل کھڑے ہوے۔ سلطان کو یہ خبر پہنچی تو تیزی کے ساتھ راہ میں جاملا اور آپ کو شہر چھوڑنے سے منع کیا لیکن شیخ اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ آپ کا گذر جن جن شہروں سے ہوتا وہاں کے علماء، مشائخ، امراء، روساء اور عوام آپ سے ملنے کے کشاں کشاں چلے آتے۔ ٦١٠ھ میں شیخ اپنے اہل عیال کے ساتھ نیشاپور پہنچے تو اس وقت مولانا روم اپنی عمر کی چھٹی بہار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

مولانا روم کی ولادت ٦٠٤ھ میں بلخ میں ہوئی۔ اپنے والد ماجد شیخ بہاؤالدین سے تعلیم وتربیت پائی۔ اور اپنے والد کے شاگرد مولانا سید برہان الدین محقق کے آگے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ پھر مزید علوم وفنون کی تکمیل اور اختصاص کے لئے مختلف شہروں قونیہ، دمشق، حلب، ترمذ، لارند وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کی ذی علم وعرفان شخصیتوں سے اکتساب فیض کیا۔ مولانا روم نے حلب کے زمانۂ قیام میں مولانا کمال الدین مصنف تاریخ حلبی سے استفادہ فرمایا۔ اوران کے علاوہ اپنے وقت کے جلیل القدر متعدد ائمہ علم وفن سے بھرپور فائدہ اٹھایا جسکا نتیجہ زمانۂ طالب علمی ہی میں سامنے آگیا کہ لوگ دور دور

سے آپ کی جانب آتے تھے اور مسائل کا حل پوچھتے تھے۔

٦٢٨ھ میں مولانا کے والد شیخ بہاؤ الدین دنیا سے چل بسے تو مولانا اپنے استاد اور اتالیق حضرت سید برہان الدین محقق کے پاس قونیہ چلے گئے۔ استاد اپنے نونہال لائق وفائق شاگرد کو گلے لگایا اور اپنے پاس رکھا اور تصوف کی تعلیم دی اور تربیت فرمائی لیکن مولانا کی ذات وصفات پر تصوف ضوفگن نہ ہوسکا۔ اور آپ کے ذہن ودل پر منقولات اور معقولات کی گرفت اس قدر مضبوط اور مستحکم تھی کہ آپ اس خول سے باہر نہیں نکلے اور آپ کی تمام تر توجہات علوم ظاہری کی تعلیم و تدریس اور تفہیم پر مذکور رہیں۔

مولانا روم کا عہد سیاسی اعتبار سے نہایت پر آشوب رہا۔ تاتاریوں نے عالم اسلام کو تہہ وبالا کر دیا تھا، لیکن اس سے علمی دنیا کی رونق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ مولانا کے معاصرین کی علمی وجاہت اور علم وفن کی ایجاد وترقی اور اکابرین علم سے مولانا کی ملاقاتیں اور ان سے علمی وروحانی استفادہ سے متعلق علامہ شبلی کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے جس سے اس عہد کا علمی منظر نامہ ہمارے سامنے آسکتا ہے۔

یہی زمانہ ہے جس میں تاتاریوں کا سیلاب اٹھا اور ساتویں صدی ہجری کے آخر تک برابر بڑھتا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن عالم اسلام کا علمی دربار اسی اوج اور شان کے ساتھ قائم رہا۔

محقق طوسی، شیخ سعدی، خواجہ فریدالدین عطار، عراقی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ محی الدین ابن عربی، صدرالدین قونیوی، یاقوت حموی، شاذلی ابن الاثیر، مورخ ابن الفارض، عبداللطیف بغدادی، نجم الدین رازی، سکاکی، سیف الدین آمدی، شمس الائمہ کروری، محدث ابن الصلاح، ابن النجار مورخ بغداد، ضیاء بن بیطار، ابن حاجب، ابن القطفی، صاحب تاریخ الحکماء خونجی منطقی، شاہ بوعلی قلندر، ذملکانی وغیرہ اسی پر آشوب عہد کے یادگار ہیں۔ سلطنتیں اور حکومتیں مٹتی جاتی تھیں، لیکن علم وفن کے حدود وسیع ہوتے جاتے تھے، اسی زمانے میں محقق طوسی نے ریاضیات کو نئے سرے سے ترتیب دیا، یاقوت حموی نے قاموس الجغرافیہ لکھی۔ ضیار بن بیطار نے بہت سی دوائیں دریافت کیں۔ شیخ سعدیؒ نے غزل کو معراج پر پہنچایا، ابن الصلاح نے اصول حدیث کو مستقل فن بنادیا، سکاکی نے فن بلاغت کی تکمیل کی۔

اکثر تذکروں میں لکھا ہے کہ مولانا روم اپنے زمانے کے ان مشاہیر میں سے اکثر سے ملے تھے، شیخ محی الدین اکبر سے دمشق میں ملاقات ہوگئی۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا تحصیل علم میں مصروف تھے اور ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ سید سالار لکھتے ہیں کہ مولانا جس زمانے میں دمشق میں تھے محی الدین، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ

اوحدالدین کرمانی، اور شیخ صدرالدین قونوی سے اکثر صحبتیں رہیں۔ جو حقائق واسرار ان صحبتوں میں بیان کئے گئے ان کی تفصیل میں طول ہے (مناقب العارفین)

حضرت شمس تبریزی سے ملنے کے بعد ہی مولانا روم کی زندگی میں عظیم انقلاب آگیا اور آپ تصوف کی دنیا میں چلا گئے۔ اس سلسلہ میں دوتین واقعات تذکروں میں ملتے ہیں۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت شمس کو ان کے مرشد روحانی حضرت کمال الدین جندی نے حکم دیا کہ روم جاؤ، وہاں محمد جلال الدین نامی ایک سوختہ دل اور خشک ذہن آدمی ہے اسکے دل کو اسرار و معارف سے بھر دو۔ شیخ کے حکم کے مطابق حضرت شمس قونیہ پہنچے اور ایک روز یہ نظارہ دیکھا کہ مولانا محمد جلال الدین رومی کی سواری بڑی شان وشوکت کے ساتھ ان کے سامنے آرہی ہے تو آپ سرراہ جا کھڑے ہوے اور راستہ روک کر مولانا روم سے پوچھا، مجاہدہ اور ریاضت سے کیا مقصد ہے، مولانا نے جواب دیا، شریعت کی اتباع و پیروی، حضرت شمس نے کہا یہ بات ہر کس و ناکس جانتا ہے پھر مولانا نے کہا اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے؟ حضرت شمس نے فرمایا حقیقی معنی میں علم تو وہی ہے جو آدمی کو منزل تک پہنچادے، پھر انہوں نے حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا۔

علم کز تو ترانہ بستاند　　جہل ازاں علم بہ بود بسیار

جو علم تجھے، تجھ سے نہ لے لے، اس علم سے جہل بہت بہتر ہے

ان جملوں نے مولانا کے ذہن و دل پر بڑا گہرا اثر ڈالا، اور حضرت شمس سے بہت متاثر ہوے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

ایک حکایت یہ بھی منقول ہے کہ مولانا روم حسب عادت درس دے رہے تھے ان کے سامنے طلباء بیٹھے ہوے تھے اور ان کے سامنے مختلف علوم وفنون کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت شمس درسگاہ میں آپہنچے اور کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا روم سے پوچھا ایں چہ چیز است۔ یہ کیا چیز ہے۔ مولانا نے محسوس کیا کہ یہ ایک جاہل شخص ہے، بڑی بے رخی اور بے اعتنائی کے ساتھ جواب دیا۔ این چیزیست کہ تو نمی دانی، یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں۔ اتنا کہنا ہی تھا کہ کتابوں میں آگ لگ گئی۔ مولانا حیران اور خوف زدہ ہو گئے اور حضرت شمس سے پوچھ بیٹھے، ایں چہ چیز است، یہ کیا ہے؟ حضرت شمس نے جواب دیا ایں سرایست کہ تو نمی دانی، یہ وہ راز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ یہ کہا اور مجلس سے چلے گئے، اس واقعہ سے مولانا روم کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ آپ قال سے حال کی طرف متوجہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی

یہی پیغام سنایا۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

ایک اور روایت یہ ہے کہ مولانا روم ایک حوض کے کنارہ کتابوں کے مطالعہ میں مشغول تھے۔ حضرت شمس آ پہنچے اور آپ سے دریافت کیا کہ یہ کیا کتابیں ہیں، مولانا نے دیکھا کہ ایک بے علم شخص ہے، تحقیر آمیز لہجہ میں کہا۔ ان کتابوں سے تمہیں کیا غرض۔ اس پر حضرت شمس نے وہ کتابیں حوض میں پھینک دیں۔ مولانا آگ بگولہ ہوگئے اور حضرت شمس پر برس پڑے کہ تم نے ایسی نادر و نایاب کتابوں کو ضائع کر دیا جن کا نعم البدل مشکل ہے۔ یہ سن کر حضرت شمس نے حوض میں ہاتھ ڈالا وہ ساری کتابیں نکال کر مولانا کے سامنے رکھ دیا۔ مولانا حیرت زدہ رہ گئے اور دیکھا تو کتابوں پر کوئی نمی کہیں نہ تھی۔ حیرت و تعجب سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے حضرت شمس نے جواب دیا، یہ حال کی باتیں ہیں تم صاحب قال کیا جانو۔

اس واقعہ نے حضرت رومی کی زندگی کے دھارے کو بدل دیا۔ حضرت شمس کی صحبت نے انہیں صاحب قال سے صاحب حال بنا دیا۔

مولوی ہرگز نہ شد ملائے روم تا غلامے شمس تبریزی نشد

مولانا کے اولین سوانح نگار اور ان کے شاگرد رشید اور چالیس سال تک کے خادم حاضر باش حضرت سپہ سالار فرماتے ہیں:

''حضرت رومی اور مولانا شمس تبریز کے درمیان ایسے گہرے روابط اور تعلقات قائم ہوگئے کہ یہ دونوں ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوتے تھے۔ چھ چھ ماہ کی طویل مدت گذر جاتی تھی اور یہ دونوں حضرات کرام صلاح الدین زرکوب کے حجرے میں چلہ کش رہتے تھے اور کسی شخص کو حجرہ میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ خلق سے انقطاع و تبتل اور ریاضات و مجاہدات نے مولانا کی زندگی ہی کو بدل کر رکھ دیا۔ اس سے پہلے مجلس سماع کو دیکھنا تک پسند نہ کرتے تھے اب یہ حالت ہوگئی کہ سماع کے بغیر مولانا کو چین و سکون اور قرار نہیں ملتا تھا۔ تدریس و تعلیم اور افتاء سارے کام چھوڑ دئے تھے بس رات دن حضرت شمس کی صحبت رہتی تھی اور سماع سے جڑ گئے تھے۔ سماع سے ان کے اندر ایک عجیب و غریب کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، وجد میں آ کر رقص کرنے لگ جاتے تھے۔

اس صورت حال سے مولانا کے شاگرد، مرید اور معتقد سب پریشان اور متفکر تھے کہ اس درویش نے مولانا پر ایسا

کیا جادو کر دیا ہے کہ وہ کسی کام کے نہ رہے۔ لوگوں کے دلوں میں حضرت شمس کے تعلق سے نفرت وعداوت کے جذبات بھڑک اٹھے یہاں تک کہ سارے شہر میں حضرت شمس کے خلاف نفرت اور شورش کی آگ بھڑک اٹھی تو حضرت شمس خوف زدہ ہوگئے اور مولانا سے کچھ کہے بغیر قونیہ سے نکل کر دمشق جا پہنچے۔ مولانا، حضرت شمس کی جدائی سے بے چین اور مضطرب ہوگئے، کسی سے کچھ بولتے نہ تھے، حضرت شمس کے فراق وہجر میں درد بھرے یاس وقنوطیت سے بھرپور شعر کہنے لگے۔ ان کی حالت عجیب اور دگرگوں ہوگئی تو مولانا کے اہل خانہ اور مریدین ومعتقدین کو حد درجہ رنج اور فکر لاحق ہوگئی اور حضرت شمس کے ساتھ مخالفانہ رویہ پر ندامت ہوئی اور آخرکار یہ طے پایا کہ حضرت شمس کو قونیہ واپس بلوالیا جائے تاکہ مولانا کی حالت میں بہتری اور درستگی پیدا ہوسکے۔

مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد اور کچھ رفقاء واحباب دمشق پہنچے اور حضرت شمس سے ملاقات کی، اور انہیں مولانا کی حالت زار سے آگاہ اور مطلع کیا، اور قونیہ لوٹ آنے کی دعوت دی۔ حضرت رومی نے شمس کے نام ایک منظوم خط تحریر فرمایا تھا۔ سلطان ولد نے حضرت شمس کی خدمت میں پیش کیا۔ مکتوب ملاحظہ فرمایا، بہت متاثر ہوئے اور سلطان ولد اور ان کے ساتھیوں کے ہمراہ قونیہ واپس آگئے۔ مولانا روم کو حضرت شمس کے آنے کی اطلاع ملی تو آپ اپنے مریدین و معتقدین کے ساتھ شہر کے باہر تشریف لائے اور بڑے ادب واحترام کے ساتھ حضرت شمس کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ گھر لے آئے، حضرت شمس کی آمد سے حضرت رومی کی زندگی میں بہار لوٹ آئی پھر سے دونوں کے درمیاں صحبتیں گرم ہونے لگیں۔ وصال کا یہ زمانہ بھی دو برس سے زیادہ نہ رہا۔ بقول سپہ سالار ۶۴۵ھ میں حضرت شمس کو شہید کر دیا گیا یا وہ قونیہ سے نکل کر کہیں چلے گئے۔ اسکے بعد ان کا کوئی پتہ نہ لگ سکا۔

مولانا روم میں شاعری کا مادہ طبعی طور پر موجود تھا لیکن اسکی تحریک کا سامان نہ تھا جسکے باعث وہ قوت سے فعل کے دائرہ میں نہ آسکا۔ حضرت شمس کے فراق نے انہیں حد درجہ بے چین و بے قرار اور بے تاب کر دیا۔ یہی وہ دلی جذبات واحساسات تھے جن سے شاعری کو تحریک ملی۔

ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ ایک حلوہ فروش حضرت رومی کی درسگاہ میں آیا۔ مولانا نے بھی اس سے حلوہ کی ایک شاخ خرید کر کھائی جس سے مولانا کے احوال یکسر بدل گئے۔ بے اختیار اٹھے اور گھر بار چھوڑ نکل گئے۔ ایک عرصہ تک گم رہے واپس آئے تو بالکل خاموش تھے۔ جذبہ میں کسی وقت بولتے تو زبان پر اشعار ہی اشعار جاری ہوجاتے، یہی اشعار ہیں جو بصورت مثنوی آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔

حضرت شمس تبریز کی جدائی مولانا کے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھی اور آپ پر اضطراب، سکر، وجد اور استغراق کی کیفیت اور حالت طاری رہتی تھی۔ سماع سے غیر معمولی شغف وانس تھا ہی، اس شوق وذوق کی تحریک کا ساماں اس طرح فراہم ہوا کہ آپ ایک روز صلاح الدین زرکوب کی دکان کے اوپر سے گذر رہے تھے۔ اور وہ دکان میں چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے۔ اس آواز میں ایک عجیب وغریب کشش تھی اس نے مولانا پر سماع کا اثر پیدا کردیا

آپ پر وجد طاری ہوگیا، جذب واستغراق کے عالم کھڑے ہوگئے۔ صلاح الدین نے مولانا کی یہ کیفیت دیکھی تو چاندی کے ورق مسلسل کوٹتے رہے، لیکن مولانا میں صحو وبیداری کی کوئی علامت دیکھنے میں نہ آئی تو خود ہی زرکوبی بند کردی اور مولانا کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ صلاح الدین پر بھی وجد کی حالت طاری ہوگئی اور دونوں مستی و بےخودی کے عالم میں دیر تک کھوے رہے۔ صلاح الدین ایک صاحب حال بزرگ تھے سماع سے وہ بھی جڑے ہوے تھے اور مولانا کے والد شیخ بہاؤالدین کے شاگرد رشید اور مرید خاص تھے اس طرح مولانا اور ان کے درمیان اجنبیت اور بعد نہ تھا۔ دونوں پر ظہر سے لے کر عصر تک جذب اور وجد کی کیفیت اور حالت طاری رہی۔ اس حال میں مولانا کی زبان سے یہ شعر صادر ہوا

یکے گنجے پدید آمد ازیں دکان زرکوبی ‏ ‏ ‏ زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

اس زرکوب کی دکان سے ایک خزانہ ہاتھ لگا، کیا ہی عجیب، کیا ہی عجیب خوبی، کیا ہی عجیب معنی۔

جب ان دونوں حضرات سے مستی و بےخودی کی کیفیت دور ہوگئی تو جذبات نے ایک نیا رخ لیا صلاح الدین نے دکان بند کردی اور مولانا کے ساتھ ہوگئے۔ یہاں سے حضرت رومی کی زندگی کا ایک اور دور شروع ہوگیا۔ آپ کو دوسرا شمس مل گیا جن کی پر کیف اور پر لطف صحبتوں کے باعث زندگی میں چین وسکون کا دور شروع ہوگیا اور یہ نشاط انگیز دور تقریباً نوسال جاری رہا۔ ۶۲۴ھ میں شیخ صلاح الدین زرکوب سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ شمس ثانی کے فراق میں ایک پرسوز اور پردرد غزل لکھی ہے جسکا مطلع یہ ہے۔

اے زہجراں در فراقت آسماں بگریستہ ‏ ‏ ‏ دل میان خون نشتہ عقل و جان بگریستہ

شیخ صلاح الدین کی وفات کے بعد مولانا روم کو حسام الدین چلپی کی صحبت ورفاقت میسر ہوئی اور یہ دوستی وہم نشینی اور رفاقت ومصاحبت مولانا کے دم واپسی تک قائم رہی۔ یہی وہ حسام الدین ہیں جن کی ترغیب وتشویق اور تحریک کے باعث مولانا روم نے اپنی شاہکار مثنوی سپرد قلم کی۔

مولانا روم اس عالم رنگ و بو میں ساٹھ دہوں تک اقامت گزیں رہے۔ ۲۷۶ھ میں قونیہ میں ایک ہلاکت خیز زوردار ہیضہ آیا جو چالیس دن تک قائم رہا۔ اس آفت ناگہانی اور بلائے آسمانی سے سارے لوگ سراسیمہ و حیران رہے۔ کچھ لوگ حضرت رومی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑے رنج کے ساتھ اس بلا کا ذکر کرنے لگے تو آپ نے فرمایا، زمین بھوکی ہے وہ لقمہ تر چاہتی ہے۔ اللہ نے چاہا تو کامیاب ہوگی۔ اس واقعہ کے چند دن بعد مولانا کی صحت خراب ہوگئی۔ حکیم اکمل الدین اور حکیم غضنفر آپہنچے تا کہ دوا داروکی جائے، لیکن مولانا روم نے علاج کی جانب چنداں التفات نہیں کیا۔ مولانا کی ناسازی مزاج کی خبر دور دور تک پھیلتی چلی گئی، آپ کے مریدین، معتقدین، متعلقین اور محبین کی آمد ورفت کا ایک لا متناہی سلسلہ چل پڑا۔ شیخ صدرالدین قونیوی اپنے رفقاء واحباب کے ساتھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کی حالت وکیفیت کو دیکھ کر آب دیدہ ہوگئے اور دعا فرمائی کہ اللہ جلد شفا دے۔ یہ سن کر مولانا روم نے شیخ صدرالدین سے فرمایا، شفا آپ کو مبارک ہو، محبّ اور محبوب میں صرف ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ اٹھ جائے اور نور، نور سے مل جائے، یہ سن کر شیخ رو پڑے اس وقت مولانا کی زبان سے یہ شعر صادر ہوا۔

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہے ہم نشین دارد　　　رخ زریں من منگر کہ پائے آہین دارم

مولانا روم کی شخصیت نہ صرف مسلمانوں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں میں مقبول ومحترم تھی ہر مذہب وملت کے عوام اور خواص اپنے محبوب اور مخلص کی عیادت وزیارت کے لئے چلے آئے اور اپنے مخلص ومحبوب کے دم واپس کا نظارہ دیکھ کر آب دیدہ ہوجاتے تھے۔ مولانا صبر وسکون کے ساتھ ہر ایک پر اپنی نگاہیں مرکوز فرماتے تھے۔

زندگی کی اس اختتامی حالت میں بعض احباب نے آپ کی جانشینی کا سوال اٹھایا تو آپ نے مولانا حسام الدین چلپی کا نام لیا، یہ نام بعض لوگوں کی توقع کے خلاف رہا کیونکہ مولانا کے بڑے صاحب زادے سلطان بہاؤالدین کی موجودگی میں مولانا حسام الدین کی خلافت کا اعلان سن کر بعض لوگوں نے پھر یہی سوال اٹھایا کہ آپ کا جانشین کون ہوگا تو اس مرتبہ بھی مولانا روم نے مولانا حسام الدین چلپی ہی کا نام لیا۔ اس طرح آپ نے اپنے بعد مولانا حسام الدین کو سجادہ نشین مقرر کردیا۔

مولانا کی اس وصیت نے خانقاہی نظام کے لئے ایک مثال قائم کردی کہ خلافت میں وراثت نہیں، صلاحیت اصل ہے اور اس کا مستحق صاحب استعداد مرید ہے خواہ کسے باشد۔

مولانا حسام الدین نے حضرت رومی سے پوچھا آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے تو فرمایا مولانا صدرالدین

قونیوی، ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ روز یکشنبہ سورج غروب ہونے کے وقت یہ آفتاب علم وعرفان ڈوب گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ صدرالدین نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن نماز پڑھا نہ سکے غش کھا کر گر گئے تو مولانا قاضی سراج الدین آگے بڑھے اورانہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا روم کے نامزد خلیفہ اور جانشین مولانا حسام الدین چلپی تھے تاہم بعض اشخاص کی خواہش تھی کہ مولانا کے بڑے صاحب زادے سلطان ولد کو گدی نشین بنایا جائے۔ صاحب زادیٔ رومی کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مطلق پسند نہیں کیا اور لوگوں میں یہ اعلان کر دیا کہ مولانا حسام الدین چلپی ہمارے والد ماجد کے حیات میں نیابت کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں لہٰذا اب وہی خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے۔ اسکے بعد مولانا حسام الدین مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور پورے اخلاص وللّٰہیت اور نیک دلی ونیک نفسی اور بے نفسی کے ساتھ نہایت خوبی وعمدگی سے بارہ سال تک مولانا روم کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ ۶۸۴ھ میں سفر آخرت پر روانہ ہوگئے اسکے بعد صاحب زادۂ رومی حضرت سلطان ولد نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔

مولانا روم کے دو فرزند تھے، سلطان محمد، علاؤالدین محمد، سلطان محمد صاحب علم وعرفان شخصیت تھے۔ ان کی تخلیق ایک بہترین مثنوی ہے جس میں انہوں نے اپنے والد ماجد کے حالات زندگی بیان کیا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحب زادے مولانا جلال الدین فریدون عرف چلپی سجادہ نشین ہوے۔ مولانا روم کی اولاد کا سلسلہ جاری ہے یا نہیں، تذکروں میں ذکر نہیں ہے، البتہ مولانا روم کی ذات گرامی سے تصوف کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری بیجاپوری علیہ الرحمہ نے عربی زبان میں مخزن السلاسل کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں صوفیہ کے ایک سوا کا نوے سلاسل جمع کیا ہے اور یہ سارے سلاسل امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ مولانا روم سے منسوب سلسلہ جلالیہ، رومیہ اور مولویہ کے نام سے مذکور ہے۔

شخصیتوں کی عظمت اور اہمیت کا انحصار حسن اخلاق ہی پر ہے۔ حسن عمل اور حسن اخلاق کے بغیر کوئی بھی شخصیت علم وادب اور فن وہنر کے آسمان کو بھی چھولے وہ چنداں لائق اعتناء نہیں رہتی، تاریخ میں ہزاروں باکمال ہستیاں ایسی ہیں جن کا دامن حسن اخلاق کے موتیوں سے خالی رہا تو دنیا نے انہیں یاد نہیں رکھا۔ اسکے برعکس حضرات صوفیہ کی حیات جاوداں کا راز یہی ہے کہ یہ نفوس قدسیہ علم وادب کے ساتھ حسن اخلاق کے پیکر تھے۔ صدیاں بیت جانے کے بعد آج بھی ان کی

آرام گاہیں بوسہ گاہ خلائق بنی ہوئی ہیں۔مولانا روم کا شمار بھی ایسی ہی زندۂ جاوید ہستیوں میں ہے،آپ اپنے حسن خلق اور علمی وروحانی فیضان سے آج بھی مشہور معروف ہیں۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

مولانا کے اخلاق حسنہ اور عادات جمیلہ کے دو پہلو ہیں،ایک پہلو تصوف سے پہلے کا ہے اور دوسرا پہلو تصوف کے بعد کا ہے۔قبل تصوف زندگی کا جو دور رہا ہے اس میں اخلاق وعادات کا رنگ کچھ اور ہی تھا،ان کی زندگی میں تصوف داخل ہونے کے بعد اخلاق وعادات کا رنگ کچھ اور ہی ہوگیا۔تصوف سے پہلے کی زندگی عالمانہ شوکت،فقہیانہ شان اور ظاہری طمطراق کا مظہر تھی۔آپ کے حلقۂ احباب میں امراء وزراء اور ارباب سلطنت شامل تھے۔آپ کی سواری بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ نکلتی تھی آپ کو مناظروں اور مباحثوں سے بڑا شغف تھا غرضیکہ زندگی،ظاہری تکلفات سے عبارت تھی۔

جوں ہی آپ نے تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا زندگی کی قدریں بدل گئیں۔دنیاوی شان وشوکت اور علمی وفقہی فخر ومباہات ومباحثات اور ظاہری تکلفات رخصت ہوگئے۔امراء اغنیاء اور ارباب حکومت کی صحبت وہم نشینی سے کنارہ کشی ہوگئی،زندگی زہد وقناعت،صبر وتحمل،فقر وفاقہ کا آئینہ دار ہوگئی،امراء وسلاطین کے تحفوں اور نذرانوں سے بے نیازی و بے زاری پیدا ہوگئی۔اگر کسی سے تحفہ قبول بھی کر لیتے تو فوراً صلاح الدین زرکوب اور مولانا حسام الدین چلپی اور دیگر احباب کو بھیج دیتے تھے۔کئی کئی دن بھوکے اور پیاسے رہ جاتے تھے۔گھر میں چولہ نہیں سلگتا تھا۔اور اس حالت وکیفیت میں شاداں وفرحاں رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے گھر میں درویشی کی بو باس آرہی ہے۔سماع کا ذوق بڑھتا چلا گیا،جذب وسکر اور محویت کے عالم میں رہتے تھے۔وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی تو رقص کرنے لگ جاتے تھے۔استغراق کی حالت دور ہوجاتی اور اگر وہ وقت نماز ہوتا تو روبقبلہ ہوکر نماز ادا فرماتے تھے۔اور کبھی کوئی نماز جذب واستغراق کی وجہ سے فوت نہ ہوتی تھی۔مزاج میں غیر معمولی سادگی وعاجزی اور فروتنی تھی،بچوں سے بڑی محبت تھی،معصوم ننھے ننھے بچے،آپ کی دست بوسی کرتے تو آپ بھی ان کے ہاتھوں کو چوم لیتے تھے،علماء ومشائخ کا ادب فرماتے تھے۔بزرگوں کے سامنے کسی سوال کا جواب دینے میں یا بات چیت کرنے میں پہل نہیں کرتے تھے اور دوسروں کے آرام کا بہت خیال فرماتے تھے،ایک مرتبہ آپ ایک تنگ راستہ سے گذر رہے تھے ایک کتا سو رہا تھا جس سے راستہ رک گیا تھا۔آپ خاموش ٹھہر گئے لیکن ایک دوسرے شخص نے کتے کو مار بھگایا،اس منظر سے آپ کبیدہ خاطر ہوگئے اور آدمی سے فرمایا،تم نے ناحق اسکو تکلیف دی۔

مولانا روم ایک مجلس میں شریک تھے۔مجلس جاری تھی، ایک جگہ پر کھانے پینے کا سامان رکھا ہوا تھا،لوگ ابھی دستر خوان پر پہنچے نہ تھے کہ ایک کتا آیا اور اس نے طبق میں منہ ڈال کر کچھ کھالیا۔لوگوں نے کتے کو مارنا چاہا تو لوگوں سے فرمایا،اسے بھوک تم لوگوں سے زیادہ تھی اس نے کھالیا۔یہ اس کا حق تھا،اس بے زبان حیوان کو مارنے سے کیا فائدہ؟

مولانا روم صاحب علم آدمی تھے۔تصوف کی دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے بھی علم سے وابستہ رہے اور اس دیار میں قدم رکھنے کے بعد بھی علم سے وابستہ رہے صرف فرق یہ رہا کہ قبل تصوف دور میں آپ کی تمام تر توجہ ظاہری علوم وفنون کی جانب مرکوز رہی۔ بعد تصوف دور میں آپ کی توجہ علوم شرعیہ کے ساتھ علوم باطنی کی جانب بھی مرکوز رہی۔اب آپ کا موضوع تعلیم کے ساتھ تزکیہ بھی تھا۔لوگوں کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرماتے تھے اور شریعت کے احکام سمجھاتے اور ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے تھے،اسکے علاوہ عوام الناس کے لئے مجلسیں آراستہ فرماتے تھے جن میں وعظ ونصیحت کے ساتھ شرع شریف کے احکام اور مسائل بیان فرماتے تھے۔اور خواص کے لئے مجلسیں منعقد فرماتے تھے۔جن میں وقت کے اکابر علماء وفضلاء اور صوفیہ شریک ہوتے تھے اور آپ ان کے سامنے علمی نکات،شرعی احکام کی حکمتیں و مصلحتیں اور علتیں بیان فرماتے تھے اور اخص الخواص کے سامنے تصوف کے معارف و اسرار کا بیان فرماتے تھے۔مولانا شبلی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے۔

ایک دفعہ قونیہ میں قلعہ کی مسجد میں جمعہ کے دن وعظ کی مجلس تھی،تمام امراء اور صلحاء حاضر تھے مولانا نے قرآن مجید کے دقائق اور نکات بیان کرنے شروع کئے، ہر طرف سے بے اختیار واہ واہ اور سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔اس زمانے میں وعظ کا طریقہ یہ تھا کہ قاری قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھتا تھا اور واعظ ان آیتوں کی تفسیر بیان کرتا تھا،مجمع میں ایک فقیہ بھی تشریف رکھتے تھے انہوں نے حسد سے کہا،آیتیں پہلے سے مقرر کرلی جاتی ہیں،ان کے متعلق بیان کرنا کونسی کمال کی بات ہے۔مولانا ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا آپ کوئی بھی سورۃ پڑھئے، میں اسکی تفسیر بیان کرتا ہوں،فقیہ نے سورۃ والضحیٰ پڑھی مولانا اس سورۃ کے دقائق اور لطائف بیان کرنا شروع کئے تو صرف والضحیٰ پر اس قدر شرح اور بسط کے ساتھ بیان کیا کہ شام ہوگئی۔تمام مجلس پر ایک وجد کی کیفیت طاری تھی۔فقیہہ صاحب ایسے شرمسار ہوئے کہ بے خود ہوکر مولانا کے قدموں پر گر پڑے۔

مولانا صاحب قلم بزرگ تھے ان کی ذات گرامی سے جو کتابیں وجود پذیر ہوئیں۔ان کا ماخذ اور منبع تصوف ہے اور ان کتابوں میں علم حقائق اور علم اسرار کو فنی اور اصطلاحی زبان میں شرح وسبط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔آج تصوف کے

موضوع پر ایک عظیم کتب خانہ تیار ہو چکا ہے ہنوز کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ جاری وساری ہے۔قدیم زمانے میں تصوف پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کا براہ راست استاذ کے بغیر کوئی شخص مطالعہ کرے جو تصوف کی اصطلاحات سے ناآشنا ہو تو اسکے حق میں حیرانی اور الجھن کے سوا کوئی چیز حاصل نہ ہوگی، فن تصوف کے اصول ومبادی اور اصطلاحات سے واقفیت اوران کی تعلیم وتفہیم کے لئے عالم باعمل صوفی کی ضرورت ہے جسکے بغیر صحیح اور حقیقی معنوں میں تصوف کو سمجھنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ جو موجودہ زمانے میں ذی علم وعمل اور صاحب عرفان شخصیت کبریت احمر کے مصداق ہے مولانا روم کہتے ہیں:

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نشد ہیچ آہن خود بخود تیرے نشد
مولوی ہر گر نہ شد ملاّئے روم تاغلام شمس تبریزی نہ شد

کوئی بھی چیز خود بخود کسی شئی کا روپ اختیار نہیں کرتی، اور کوئی بھی لوہا خود بخود کاٹنے والی دھار نہیں بنتا، مولوی (رومی) نے جب تک شمس تبریزی کی شاگردی اختیار نہ کی وہ مولانائے روم نہ کہلا سکا۔

تصوف سے متعلق حقیقت پسندانہ موقف یہ ہے کہ وہ عہد نبوی میں مسمّٰی بے اسم اور حقیقت بے نمایاں کی حیثیت سے معنوی طور پر اپنا وجود رکھتا تھا۔ اور وہ اپنے آغاز واظہار میں کتاب وسنت اور تعامل صحابہ کی روشنی لئے ہوئے جلوہ نما ہوا۔ پھر وہ ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لیا جس طرح مختلف اسلامی علوم وفنون مرتب اور مودن ہوکر، امت کے سامنے آئے اور یہ حقیقت ہے کہ عہد نبوت میں کوئی بھی علم وفن اس صورت میں نہ تھا جو صورت کہ اس نے بعد میں اختیار کر لی، یہاں تک کہ قرآن بھی مدون شکل میں نہ تھا، عہد صحابہ میں اس کی تدوین ہوی۔ دور صحابہ کے بعد احادیث، فقہ، اصول حدیث، اور اصول فقہ کی تدوین ہوئی پھر عقائد، کلام اور نحو کو علم وفن صورت اور حیثیت حاصل ہوئی۔ ان کے ظہور وشہود کی وجہ سے یا ان کی جمع وتدوین اور شکل وصورت کی وجہ سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ان علوم کے اجزاء وحصے اور مأخذ ومبادی اپنا وجود ہی نہیں رکھتے تھے ایسی سوچ وفکر یقیناً ایک غیر علمی اور غیر سنجیدہ ہوگی، اسی طرح علم تصوف کی بھی وہ شکل و صورت نہ تھی جو بعد کے ادوار میں ظاہر ہوگئی۔

تصوف اپنی شروعات میں عمل میں اخلاص پیدا کرنے کا نام تھا، اور وہ قلب کی صفائی، باطن کی درستگی اور نفس کی پاکیزگی میں شریعت مطہرہ سے ہم آہنگ رہا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کے اخلاص وعمل کا عکس حسین اور مظہر جمیل رہا، اسی حقیقت اور حالت کے پیش نظر حضرت جنید بغدادی نے کہا علمنا مشیدۃ بالکتاب والسنۃ۔

ہمارا علم وعمل کتاب وسنت سے ماخوذ اور مربوط ہے۔ یہی فکر وخیال حضرت ابوبکر محمد کلاباذی اور حضرت ابوالقاسم قیشری وغیرہ کے ہاں بھی ملتا ہے۔ ان حضرات کے علاوہ متعدد صوفیائے کرام نے تصوف کو اسلام کی باطنی حقیقت کا آئینہ دار قرار دیا۔ مشہور فلسفی اور صوفی امام غزالیؒ کی فکر ونظر بھی یہی ہے کہ تصوف، اسلام سے مختلف اور متضاد چیز نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کی معنویت اور حقیقت کی واضح تفسیر وتعبیر ہے۔ ان کا یہ نقطہ نظر احیاء العلوم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔

تصوف اپنی زندگی میں مختلف مرحلوں اور منزلوں سے گذرتا رہا ہے اور اس کا ایک دور ایسا شروع ہوا جس میں اجتھاد کا دروازہ کھلا، صوفیہ کرام نے کتاب وسنت کی روشنی میں اجتھادات اور استنباطات کئے اور اصطلاحات وضع کیں، حضرت قطب ویلور قدس سرہ اپنی فارسی تصنیف فصل الخطاب میں فرماتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اجتہاد علماء فقہ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ صوفیاء بھی اجتھاد ہی میں فقہاء کے ساتھ شریک ہیں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی مرج البحرین میں فرماتے ہیں۔ اس طائفہ صوفیہ کے بھی خاص طریقے، آداب، اصطلاحات، اور مستحسنات ہیں جیسے خانقاہوں کی تعمیر، الباس خرقہ، اجرائے مقراض، کیفیات ذکر، خلوت گرینی اور اجتماع سماع وغیرہ اور علماء فقہ کی طرح ان امور کے اندر علمائے تصوف کے اجتہادات اور استنباطات ہیں اور یہ بھی ابواب علم کی ایک قسم ہے کہ جس میں اجتہاد کی صحت اور اسکے شرائط اور سنت وبدعت کی تحقیق سے بحث ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر صوفی اور فقیہہ دونوں برابر ہیں اور دونوں سے اپنے اصل کے وجود اور دلیل کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم کے پہلے باب میں لکھتے ہیں۔ شریعت کا ایک باطن ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ سے قلب کا تعلق، اور شریعت کا ایک ظاہر ہے اور وہ ہے اوامر کی پیروی اور منہیات سے اجتناب، مختلف سلسلوں کے صوفیہ کبار نے فن باطن شریعت میں امامت کا درجہ حاصل کیا ہے اور انہوں نے اصلاح قلب کے قواعد میں (جو دین متین کا خلاصہ ہے) اجتہاد کی قوت حاصل کی تھی۔

اس مقام پر یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ صوفیہ سے ان کے اجتھاد میں کوئی خطا ہو جائے تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوگی اور ان کے اجتھاد کو باطل قرار دیتے ہوئے رد نہیں کیا جاسکتا، اور یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ اجتھاد میں خطا اور صواب دونوں پہلو رہتے ہیں، فقہ میں اجتھاد کے لئے جو اصول ہیں اور مجتہد کے لئے جو اجر وثواب ہے یہی تصوف میں بھی ہے مجتہد صوفی اگر اپنے اجتہاد میں صحیح ہو تو اسکے لئے دو اجر ہیں اور اگر وہ اپنے اجتہاد میں غلطی کر جائے تو بھی اسکے لئے ایک اجر ہے۔

تصوف میں اجتہاد کے علاوہ الہام بھی ایک چیز ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ صوفیائے کرام کے بعض امور و معاملات، احوال و مقامات، واردات و کیفیات اور مشاہدات کا تعلق الہام سے ہے اور الہام سے متعلق ہمیں یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ الہام کوئی شرعی حجت و دلیل نہیں ہے کہ اس سے احکام کا استخراج کیا جائے کیونکہ وہ ایک غیر قطعی اور ظنی چیز ہے۔

حضرت قطب ویلور شرح مسلم الثبوت مولانا بحر العلوم کے حوالہ سے فصل الخطاب میں لکھتے ہیں:

''اور اگر تم شیخ ابن عربی اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ عبد اللہ تستری، شیخ ابو مدین الغربی، شیخ ابو یزید بسطامی، سید الطائفہ جنید بغدادی، شیخ ابو بکر شبلی، شیخ عبد اللہ انصاری اور شیخ احمد النامقی الجامی، اور ان کے علاوہ دیگر اولیائے کرام کے مقامات و حالات، اذواق اور وجدان میں غور و فکر کرو تو عقل یقین کے ساتھ جان لو گے کہ ان کو جو الہام کیا گیا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں پا سکتا، بلکہ وہ حق ہے اور نفس الامر کے مطابق ہے اور اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ علم ضروری پیدا کر دیتا ہے کہ وہ الہام اللہ کی طرف سے ہے لیکن وہ اولیاء اس ظرف علم (الہام) کو صرف مدد الٰہی اور تائید محمدیؐ سے پاتے ہیں، بالذات بغیر وسیلہ کے ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔

نیز حضرت قطب ویلور فصل الخطاب میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے ۵۵ ویں مکتوب کے حوالے سے فرماتے ہیں یہ بات صحیح ہے کہ خواص اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کی معارف میں بعض ان اسرار اور حقائق کا علم رکھتے ہیں جن سے ظاہر شریعت ساکت ہے۔ علماء ظاہر امور دین کے اندر اخبار غیبیہ کو اخبار پیغمبراں کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں۔ اور دوسروں کو ان غیبی اخبار میں شریک نہیں سمجھتے، یہ بات معنی وراثت کے منافی ہے اور بہت سارے علوم و معارف صحیحہ جو دین متین سے متعلق ہے، ان کی نفی کی ہے، البتہ شرعی احکام کا ادلّہ اربعہ سے تعلق ہے، جن میں الہام کی گنجائش نہیں، لیکن امور دینیہ جو احکام شرعیہ کے علاوہ ہیں، وہ بہت ہیں، اور ان میں اصل خاص، الہام ہے اور یہ اصل، عالم کے فنا ہونے تک قائم ہے، پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت؟

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کتاب وسنت سے دین مکمل ہو گیا تو اکمال کے بعد الہام کی کیا ضرورت ہے اور وہ کونسی کمی رہ گئی تھی جو الہام سے پوری کی جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ، الہام، دین کے کمالات خفیہ کو ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زائد کمالات کو ثابت کرنے والا، جس طرح اجتہاد، مظہر احکام ہے، اسی طرح الہام، مظہر دقائق و اسرار ہے، جن کے جاننے سے اکثر لوگوں کی عقل قاصر ہے۔ اگر چہ کہ اجتہاد اور الہام میں بہت فرق ہے اور وہ واضح

ہے۔ کیونکہ اجتہاد کا اعتماد، عقل ورائے پر ہے، اور الہام کا اعتماد خالق عقل ورائے (اللہ تعالیٰ) پر ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں ہے، الہام، نبیؐ کے اعلام اور اخبار کے مانند ہے جو ماخذ سنت ہے، الہام اگر چہ کہ ظنی ہے اور نبی کا اعلام قطعی ہے، ربنا اٰتنا من لدنك رحمة وھیئی لنا من امرنا رشدا۔

حضرت قطب ویلور فصل الخطاب میں ''شرح مشکوٰۃ'' شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں،

مشکوٰۃ کتاب العلم میں علم سے مراد علم دین ہے، جو کتاب وسنت سے متعلق ہو، اسکی دو قسمیں ہیں، مبادی اور مقاصد، مبادی وہ علوم ہیں، جن کا تعلق اعمال واخلاق اور عقائد سے ہے۔ اور یہ سب علم معاملہ ہے۔ اور علم مکاشفہ وہ نور ہے، جو طریق حق کے سلوک اور صدق معاملہ کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جسکے بعد حقائق اشیاء کی کماہی معرفت، منکشف ہوتی ہے۔ اور ذات وصفات اور افعال حق سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اور اسکو علم حقیقت اور علم وراثت کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ من عمل بما علم ورثه الله علما مالا یعلم۔ جو شخص اپنے حاصل کئے ہوئے علم پر عمل کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسکو اس علم کا وارث بناتا ہے۔ جس کو وہ نہیں سیکھا ہے۔ چنانچہ آیت واتقو اللہ ویعلکم اللہ۔ میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اور علم ظاہر اور علم باطن جو کہتے ہیں اسکے بھی یہی معنی ہیں، اور ان میں سے ایک کی دوسرے سے نسبت، بدن اور جان اور پوست اور مغز کی ہے، آیات واحادیث جو علم کی شان اور فضیلت کے باب میں وارد ہیں۔ وہ ان تمام اقسام پر تفاوت مراتب ودرجات کے ساتھ شامل ہیں۔

مذکورہ وضاحتوں کے بعد حضرت قطب ویلور نے نتیجہ خیز ماحصل بات اس طرح کہی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ احکام شرعیہ، ادلّہ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع اور قیاس) سے مربوط ہیں جن میں الہام کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن احکام شرعیہ کے علاوہ امور دینیہ بہت ہیں جن میں اصل خاص، الہام ہے۔ مقامات، حالات، واردات، کیفیات اور اخبار غیبیہ جو اولیائے کرام اور وارثین انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ الہام سے مربوط ہیں۔

اور امور غیبیہ، عقائد حقہ ہیں، یا اعمال انسانیہ۔ اول کو علم کلام کہتے ہیں اور دوم (یعنی اعمال انسانیہ) اعمال بدنیہ ہیں یا اعمال قلبیہ۔ اور ان میں سے اول کو (یعنی اعمال بدنیہ) جو اقوال لسانیہ اور افعال جسمانیہ ہیں۔ علم فقہ کہتے ہیں۔ اور ان میں سے دوم (یعنی اعمال قلبیہ) کو اگر رذائل سے خالی اور فضائل سے مزین ہو تو اس کو اخلاق جمیلہ کہتے ہیں اور اگر حالات قدسیہ کے انوار سے قلب منور ہو تو اس کو علم تصوف کہتے ہیں۔

مذکورہ تفصیلات اور بیانات سے یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو چکی ہے کہ تصوف کتاب وسنت سے منسلک اور اجتہاد والہام سے مربوط علم اور عمل ہے اور تاریخ کے ہر دور میں جلیل القدر علماء، فقہاء، ائمہ کرام تصوف سے مربوط اور منسلک رہے ہیں اور ان تمام حضرات نے شریعت کے ساتھ تصوف کے ارتباط و امتزاج کو دین میں بصیرت اور کمالیت کی نشانی سمجھا۔ امام مالک نے حقیقت پر مبنی بات کہی، من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق۔ جس شخص نے علم فقہ سیکھا اور علم تصوف نہیں حاصل کیا تو وہ فاسق ہے اور جس نے علم تصوف سیکھا اور علم فقہ حاصل نہیں کیا تو وہ زندیق ہے اور جس شخص نے فقہ اور تصوف دونوں کو سیکھا وہ محقق اور کامل ہے۔

نیز حضرت قطب ویلور نے اپنی فارسی کتاب فصل الخطاب کے تیرہویں مقدمہ میں لکھا ہے۔

صوفیائے کرام کے علوم ومعارف کا انکار کرنے والا اور اولیائے عظام پر طعن وتشنیع کرنے والا اپنے آخری وقت میں سوء خاتمہ کے خوف کے سوا دوسری چیز نہیں رکھتا ہے اور ان بزرگ ترین حضرات کے ساتھ بغض وعناد رکھنا، ذلت وخواری اور عذاب وعقاب میں مبتلا ہونے علامت اور نفاق وبدبختی کی نشانی ہوگی، شیخ الاسلام مخذومی نے فرمایا۔ کسی بھی عالم کو صوفیہ کا ردو انکار کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ خود ان کے طریقے پر نہ چلا ہو، اور ان کے اقوال و افعال کو قرآن وحدیث کے خلاف نہ پایا ہو، اور ان کے اقوال واعمال کی اشاعت پر انکار کرنا اور ان کو برا بھلا کہنا جائز نہیں۔ صوفیہ کرام کی تردید اور انکار کرنے والے ضروری ہے کہ وہ کم از کم ستر امور سے واقف رہے، جس کے بعد ہی اس کو انکار کرنا سہل ہوگا۔

ان امور میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رسولوں اور ان کے مختلف درجات کے مطابق معجزات میں بصیرت رکھتا ہو، اور ولیوں اور ان کے مختلف مرتبوں کے مطابق کرامتوں کی معرفت میں کمال وبصیرت رکھتا ہو، اور ان پر ایمان رکھتا ہو، اور یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ بے شک اولیائے کرام بجز اس چند معجزات کے جن کا استثناء کیا گیا ہے، تمام معجزات میں انبیائے کرام کے وارث ہیں۔

ان امور میں سے یہ بھی ہے کہ وہ سلف اور خلف کی تمام کتب تفاسیر کا مطالعہ کیا ہو، تاکہ اسے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اسرار سے معرفت حاصل رہے۔ اور ائمہ مجتہدین نے جن چیزوں سے استنباطات کئے ہیں۔ ان کی اساس اور بنیاد سے واقف ہو۔ اور تفسیر وتاویل کو ان کے تمام شرائط اور ضوابط کے ساتھ جانتا ہو، اور عرب

کی بولیوں اور لغات کے غیر حقیقی معانی اور مجازات اور استعارات کی معرفت میں تبحر اور کمال رکھتا ہو تا کہ اسکی رسائی مقصد تک ہو سکے۔

ان امور میں یہ بھی ہے کہ وہ صفات خداوندی سے متعلق آیات کریمہ اور احادیث نبویہ کے معانی میں سلف وخلف کی جو کتابیں رہی ہیں۔ وہ اس کے مطالعہ میں رہی ہوں۔ اور اس چیز سے بخوبی واقف رہے کہ کس نے ظاہری معنی کو لیا ہے اور کس نے تاویل کی ہے، اور ان میں سے ایک دوسرے سے کس کی دلیل راجح ہے اور کس کی دلیل مرجوح ہے۔ ان امور میں یہ بھی ہے کہ وہ اصول دین اور اصول فقہ کے علم اور ائمہ کلام کے استنباطات کی بنیادوں سے پوری طرح واقف ہو۔

ان امور میں یہ چیز بھی انتہائی ضروری اور اہم ہے کہ وہ صوفیائے کرام کی اصطلاحات سے پوری طرح واقف اور باخبر ہو۔ جن سے یہ حضرات کرام کلام کرتے ہیں، تجلی ذاتی وصوری، ذات۔ ذات الذوات، اسماء وصفات کی معرفت کے درمیان فرق وامتیاز، احدیت اور واحدیت کے درمیان فرق وامتیاز، ظہور وبطون اور ازل وابد کے راز کی معرفت اور جذب ومحبت کے علم کی معرفت بکمال طریق احسن حاصل رہے۔ اور یہ بصیرت بھی رہے کہ جذب وسکر میں کون صادق ہے۔ امتیاز کر سکے تاکہ اسکے ساتھ نرمی کی جاسکے اور کون کاذب ہے تاکہ اسکا مواخذہ کیا جاسکے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں لہٰذا جو عالم، صوفیہ کی مراد ہی کو نہ جانتا ہو، بھلا وہ کیوں کر ان کے کلام کی شرح وبسط بیان کر سکتا ہے۔ یا ان کے مسائل کے اندر جن میں ان کی مراد کچھ اور ہے۔ بھلا کیونکر وہ ان کی تردید کر سکتا ہے۔

حضرت قطب ویلور کے مذکورہ طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تصوف اور اہل تصوف کا انکار کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے جب تک کہ سیاق میں کہی گئی باتوں سے ایک عالم دین واقف نہ رہے۔ ان چیزوں کے علم کے بغیر کوئی عالم تردید اور انکار کے درپے ہو جائے تو یہ چیز اسی کے نکبت اور وبال ہے۔ اس بات کا ہمیں اعتراف ہے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے جس سے مفر ممکن نہیں کہ تصوف پر ایک ایسا دور آیا جس میں بعض ایسے اعمال واشغال اور مراسم شامل ہوگئے جو ذرائع اور مقاصد دونوں اعتبار سے افادیت کے حامل نہ تھے۔ یہی بے جان وبے سود اور خلاف شرع امور ورسوم نے تصوف کے نام سے اپنی شناخت بنالی اور اسی مجموعۂ تصوف کو لوگوں نے حقیقی تصوف سمجھ لیا، اور بعض اہل علم نے بھی اسی مجموعہ کا تجزیہ اور محاسبہ کئے بغیر ہی اسکو اپنے سامنے رکھتے ہوئے تصوف کو دین میں بدعت کہہ دیا۔ اس باب میں صحیح موقف

یہ ہے کہ جو تصوف کتاب سنت اور صحابہ واکابر صوفیہ کے علم وعمل سے مطابقت رکھتا ہو اسکو قبول کر لینا چاہئے اور جو بدعات وخرافات کا مجموعہ ہو ایسے تصوف کو رد کر دینا چاہئے، خذ ما صفیٰ دع ما کدر ، جو چیز اچھی ہے اسکو لے لو اور جو چیز اچھی نہیں ہے اسکو رد کر دو۔

آمدم برسر مطلب! مولانا روم کے ہاں جو تصوف ہے وہ متقدمین اور اکابر صوفیہ کے تصوف کا آئینہ وار ہے آپ کے تصوف کی ایک ہلکی سی جھلک علامہ شبلی نعمانی کی وضاحتی تحریر میں ملتی ہے جو انہوں نے مثنوی کے دفتر پنجم سے پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

شریعت ہم چوں شمعے است کہ راہ می نماید، چوں درراہ آمدی این رفتن تو، طریقت است، وچوں بہ مقصود رسیدی ،آں حقیقت است، حاصل آں کہ شریعت ہم چون علم کیمیا آموختن است از استاد یا کتاب، وطریقت استعمال کردن داروہا۔ ومس رادر کیمیا مالیدن، وحقیقت زر شدن مس، یا مثال شریعت ہچوں علم طب آموختن ست وطریقت پرہیز کردن بموجب علم طب، ودارو خوردن وحقیقت، صحت یافتن۔

شریعت ایک شمع کی طرح ہے جو راستہ بتاتی ہے، اس راہ پر چلنا، یہ طریقت ہے منزل پہنچا، یہ حقیقت ہے، شریعت استاذ یا کتاب سے علم کیمیا سیکھنے کے مانند ہے، اسکا استعمال کرنا، یہ طریقت ہے، تانبا سونا بن جانا، یہ حقیقت ہے ایک آدمی نے علم طب پڑھا، یہ شریعت ہے۔ دوا کھائی، یہ طریقت ہے، مرض سے افاقہ ہوا، یہ حقیقت ہے۔

شریعت چار چیزوں کا نام ہے، اقرار زبانی، اعتقاد قلبی، تزکیہ اخلاق، اعمال یعنی اوامر اور نواہی، اعتقاد تین طریقہ سے پیدا ہوتا ہے۔ تقلید سے، استدلال سے، کشف وحال سے۔

پہلی دو قسموں کو شریعت کہتے ہیں۔ یعنی ان طریقوں سے کسی کو اگر اعتقاد حاصل ہو تو کہا جائے گا اسکو اعتقادی شرعی حاصل ہے۔ تیسری قسم کا اعتقاد طریقت ہے۔ یہ قسم بھی شریعت سے باہر نہیں۔ لیکن امتیازاً ایک خاص نام رکھ لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اعتقاد سلوک وتصوف اور مجاہدہ وریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح تزکیہ اخلاق کے جو احکام شریعت میں مذکور ہیں۔ ان کا نام شریعت ہے لیکن محض احکام جاننے سے اخلاق کا تزکیہ نہیں ہوتا۔ علمائے ظاہر اخلاق کی حقیقت وماہیت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ لیکن خود ان کے اخلاق پاک نہیں ہوتے۔ یہ مرتبہ مجاھدات اور فنائے نفس سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام طریقت ہے تعمیل فرائض اور اجتناب منہیات کا بھی یہی حال ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت اور طریقت دو متناقض چیزیں نہیں ہیں بلکہ دونوں میں جسم و جان۔ جسدوروح، ظاہر و باطن، پوست ومغز کی نسبت ہے۔تصوف بھی دو چیزوں سے مرکب ہے۔علم اور عمل،عقائد میں جن مسائل سے بحث کی جاتی ہے ان میں ذات وصفات کے متعلق جو مسائل ہیں،تصوف میں بھی انہی مسائل سے بحث ہوتی ہے لیکن تصوف میں ان عقائد کی حقیقت اور طرح پر بیان کی جاتی ہے۔یہی حصہ کا علمی حصہ ہے۔لیکن تصوف کے اس حصہ میں جو چیز اصلی اور مابہ الامتیاز ہے، یہ ہے کہ اس میں علم اور ادراک کا طریقہ عام طریقے سے مختلف ہے۔تمام حکماء اور علماء کے نزدیک ادراک کا ذریعہ حواس ظاہری اور حواس باطنی یعنی حافظہ، تخیل اور حس مشترک وغیرہ ہیں۔لیکن ارباب تصوف کے نزدیک ان وسائل کے سوا، ادراک کا ایک اور بھی ذریعہ ہے۔حضرات صوفیہ کا دعویٰ ہے کہ مجاہدہ، ریاضت، مراقبہ اور تصفیۂ قلب سے ایک اور حاسّہ پیدا ہوتا ہے جس سے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو حواس ظاہری اور حواس باطنی سے معلوم نہیں ہوتیں۔ یہ علم باطن ہے۔یہی علم ہے جسکو علم لدّنی اور کشف اور علم غیبی کہتے ہیں اور یہی علم ہے جو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء میں یہ علم نہایت کامل اور فطری ہوتا ہے،یعنی مجاہدہ اور ریاضت کا محتاج نہیں ہوتا۔ برخلاف اسکے اولیاء کو مجاہدات اور ریاضات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

علم باطن حواس سے بالکل جداگانہ شئی ہے تو صوفیہ کی شہادت پر کیوں نہ اعتبار کیا جائے۔ چونکہ یہ مسئلہ تصوف کے تمام علمی مسائل کی بنیاد ہے اس لئے مولانا روم علیہ الرحمہ نے اس کو بار بار بیان کیا ہے اور مختلف مثالوں سے سمجھایا ہے کہ ارباب ظاہر کا اس سے منکر ہونا۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بچہ مسائل فلسفہ سے انکار کرتا ہے یا ان کے سمجھنے سے قاصر ہے چنانچہ اسکے متعلق مولانا روم نے مثنوی میں مختلف مقامات پر روشنی ڈالی ہے۔ایک جگہ فرماتے ہیں۔

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک — نقشہا بینی بروں از آب و خاک

پنج حسّے پست جز این پنج حس — آں چو زر سرخ وایں حسہا چو مس

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی — صیقلی کن صیقلی کن صیقلی

مولانا روم نے تصوف کو علمی اور فنی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اسے عملی حیثیت سے بھی اپنی زندگی میں جگہ دی ہے اس طرح آپ کی زندگی اور تصوف میں مطابقت ہے۔آپ نے اپنی مثنوی کے اندر جن اسرار وحقائق اور معارف و دقائق کو بیان کیا ہے۔ان کو کماحقہ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی فن تصوف کی اصطلاحات سے بخوبی واقف رہے ورنہ اشعار کے معانی ومفاہیم کو سمجھنا مشکل ہے۔آپ نے تصوف کے جن مسائل مہمات پر روشنی ڈالی ہے ان سب کی تشریح اور

تجزیہ غیر معمولی طوالت کا باعث ہے یہاں صرف مثنوی کے چند موضوعات کی صرف نشاندہی کی جارہی ہے جن سے مثنوی کی ہمہ گیریت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وجود، وجود کے مراتب، وحدت الوجود، جبر وقدر، مسئلہ ارتقاء، تجدد امثال، تجاذب ذرات، کشف والہام، انبیاء اور اولیاء کا الہام، حواس خمسہ ظاہری، حواس خمسہ باطنی، روح، فیض روحانی، تناسخ، جسم مثالی، عوالم، معجزات، کرامات، استدراج، نفس اور اسکی اقسام، مسئلہ سماع، سعد ونحس، نجوم، مذہبی فرقے، مذہبی اور تاریخی شخصیات وغیرہ۔

مذکورہ موضوعات میں سے جو موضوع ہمارے مقالہ کا بنیادی حصہ ہے وہ مسئلہ وحدت الوجود ہے۔ مولانا روم تصوف میں وجودی نقطہ نظر کے حامل اور داعی تھے اور تادم زیست اسی پر قائم رہے حتّٰی کے انتقال کے قریب وقت میں شیخ صدرالدین قونیوی حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی شفا کے لئے دعا کی تو مولانا روم نے فرمایا، صدرالدین شفا آپ ہی کو مبارک ہو، محبّ اور محبوب میں صرف ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے، کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ اٹھ جائے اور نور، نور سے مل جائے۔

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں مختلف مقامات پر وحدت الوجود پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے چیدہ چیدہ اشعار پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وحدت الوجود سے متعلق کچھ باتیں عرض کی جائیں۔

وحدت الوجود تصوف کا ایک انتہائی دقیق اور نازک ترین اور نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اسی دقت و باریکی اور پیچیدگی اور کسی قدر عقل وفہم پر ثقل وگرانی کے باعث علمائے ظاہر اور متکلمین، انکار کے درپے ہوگئے۔ صوفیہ نے اس نظریہ کو کتاب وسنت سے کہیں زیادہ کشف وشہود اور الہام کی بنیاد اخذ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مسئلہ شرعی حیثیت سے کہیں زیادہ کشفی والہامی اور شہودی حیثیت اختیار کرگیا ہے، اور یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کشف والہام ایک ظنی اور غیر یقینی چیز ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ مسئلہ خود صوفیائے کرام کے درمیان مختلف فیہ بن گیا۔ اور ارباب تصوف کے درمیان تائید اور تردید کا ایک سلسلہ چل پڑا اور اس نظریہ کے مؤیدین اور منکرین نے اپنے اپنے استدلالات کی روشنی میں اپنے اپنے موقف کی تائید وتقویت میں دلائل و براہین کے انبار لگادے، وحدت الوجود کے قابل صوفیائے کرام کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے اور بہت سارے وجودی صوفیہ نے اپنی نظم اور نثر کی کتابوں میں مسئلہ وحدت الوجود کو بیان کیا ہے، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ ایک وجودی بزرگ تھے وحدت الوجود پر انہوں نے بھی کتابیں لکھی ہیں ان کا ایک دکنی شعر تصوف کی دنیا میں کافی مشہور ہے۔

پانی میں نمک ڈال نمک دیکھ، ناد سے　　جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے
یوں کھوی خودی اپنی، خدا سات محمدؐ　　جب گھل گئی خودی تو، خدا بن نہ کوئی دسے

وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں علمائے ظاہر اور علمائے باطن کے خیالات میں فرق ہے۔ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، کائنات سے الگ ہے، اہل باطن کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کائنات سے الگ نہیں ہے۔ اپنے اس خیال کی تائید میں دریا اور دھاگہ کی مثال پیش کرتے ہیں۔ موج، کف، گرداب، یہ سب دریا ہے، اس سے الگ نہیں ہیں، ایک دھاگہ میں سو گرہیں لگا دی جائیں تو وہ اپنے وجود سے ممتاز تو نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ دھاگہ ہی ہے۔ صرف صورت میں تبدیلی نظر آ رہی ہے۔

گفتم از وحدت و کثرت سخنے گوئی بہ رمز　　گفت موج و کف و گرداب، ہمانا دریاست
باوحدت حق زکثرت حلق چہ باک　　صدجائے اگر گرہ زنی رشتہ یک یست

اہل باطن میں بعض حضرات نے یہ مثال دی ہے۔ آدمی کا سایہ جب زمین پر پڑتا ہے تو یہ سایہ آدمی سے الگ تو نظر آتا ہے لیکن واقع میں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ آدمی ہی اصل ہے۔

وحدۃ الوجود کا عقیدہ اہل اسلام کے علاوہ ہندی اور یوروپی قوموں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن مسلمان صوفیہ اور غیر مسلم وجودی اقوام کے نظریات اور خیالات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ وحدت الوجود کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی ذات ہے اور اسکے علاوہ کوئی اور وجود نہیں ہے۔ کائنات اور کائنات میں موجود اشیاء کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ اور یہ ساری اشیاء ذات وحدہ لاشریک سے علی حدہ اپنا وجود نہیں رکھتی ہیں بلکہ اسی ذات کے مظاہر، ظلال اور عکوس ہیں۔ خارج میں صرف ایک ہی ذات اور ایک ہستی کا وجود ہے اور یہ ذات اپنے آپکو متعین کر لیتی ہے تو اس تعین کے نتیجہ میں اس کے اندر فرق اور امتیاز پیدا ہوتا ہے اور وحدت سے کثرت کا ظہور ہوتا ہے اور اس عمل میں وہ نہ تقسیم ہوتی ہے، اور نہ ہی کم یا زیادہ، وہی ایک ذات مختلف مظاہر میں جلوہ نما ہوتی ہے، جیسے پانی ہے، وہ کبھی بھاپ کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی برف کی شکل میں ہوتا ہے لیکن بھاپ اور برف کی حقیقت پانی ہے، وحدۃ الوجود کا اصلی اور بنیادی تصور یہی ہے کہ موجود ایک ہے اور وہ اللہ ہی ہے۔

وحدۃ الوجود ایک قدیم نظریہ اور عقیدہ ہے۔ اسلام کے ابتداء کی دور میں اسکی وہ شکل وصورت اور ہیئت نہ تھی جو

بعد کے ادوار میں بنتی چلی گئی، سب سے پہلے شیخ ابن عربی نے وحدۃ الوجود کے نظریہ کو ایک فلسفیانہ رنگ و آہنگ اور علمی پیرایہ عطا کیا۔ اور اسکے لئے ایک مخصوص اصطلاح ہمہ اوست وضع کی۔ ان ہی کی وجہ سے یہ مسئلہ غیر معمولی شہرت اور مقبولیت اختیار کرتا چلا گیا اور ہزاروں علماء اور صوفیہ نے اس نظریہ کو قبول کیا اور اسکے زبردست داعی اور مبلغ بن گئے۔ اور وحدۃ الوجود ایک مستقل مکتبۂ فکر بن گیا۔

جب اس نظریہ کی اشاعت ہونے لگی اور عام طور پر اسکی تشہیر اور تفہیم ہونے لگی تو ایک دوسرا رخ سامنے آ گیا اور بہت سارے علماء اور صوفیہ کے ذریعہ اسکی تردید ہونے لگی اور اسکے مقابل ایک اور مستقل شہودی مکتبہ فکر وجود میں آ گیا۔ اس مکتبہ فکر کے بانی امام ربانی مجدد الف ثانی ہیں جنہوں نے ہمہ از وست کی ایک مخصوص اصطلاح وضع کی۔ انکی فکر کی اساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات سے بالکل مختلف اور کلی طور پر غیر ہے۔ اور کائنات کسی بھی معنی و مفہوم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہے۔ اور نہ دونوں ایک وجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ایک ہے۔ اور کائنات کا وجود بالکل دوسرا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور کائنات دونوں ایک وجود نہیں ہے۔ اللہ کائنات سے جدا ہے۔ اس میں شامل نہیں۔ خدا کی ذات کے علاوہ خارج میں کائنات کا وجود تسلیم کر لینے سے اس حقیقت کی نفی نہیں ہوتی کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے۔ خدا کا وجود حقیقی ہے اور کائنات کا وجود غیر حقیقی ہے۔

اس طرح شیخ ابن عربی سے وحدۃ الوجود ہمہ اوست اور امام ربانی سے وحدۃ الشہود ہمہ از دست ایک دوسرے کے مقابل نظریات سامنے آ گئے دونوں جانب علماء اور صوفیہ کی اکثریت رہی دونوں جانب سے وجودی اور شہودی نقطۂ نظر پر کتابیں وجود میں آئیں جن میں ایک دوسرے کی تائید اور تردید اور تطبیق کی صورتیں ملتی ہیں۔

وحدۃ الوجود سے متعلق حضرت مولانا سید محمد علی قادری چشتی میکش اکبرالہ آبادی نے اپنی کتاب نقد اقبال میں اس طرح وضاحت کی ہے۔ وجود کا مسئلہ خالص فلسفیانہ ہے اور یقیناً اسلام اپنی ابتداء میں وجود اور عدم جیسے مباحث سے ناآشنا تھا۔ لیکن وحدۃ الوجود کا یہ اصلی تصور کہ موجود ایک ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لاموجود الا اللہ۔ خالص اسلامی ہے۔ ابن عربی بلکہ شنکر کے زمانے سے بہت پہلے سے اسلام میں رائج تھا جیسا کہ علامہ اقبال نے بھی فرمایا ہے۔

تو اے ناداں دل آگاہ دریاب — بخود مثل نیاگاں راہ دریاب

چناں مومن کند پوشیدہ را فاش — زلاموجود الا اللہ در یاب

سری شنکر ہندی وحدۃ الوجود کے بانی سمجھے جاتے ہیں، ان کا زمانہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی ہے یعنی

(۷۸۸ء تا ۸۲۰ء مطابق ۱۷۲ھ تا ۲۰۵ھ) لیکن شنکر سے کئی سو سال قبل ہندوستان سے بہت دور عرب کی ایک بے پڑھی لکھی قوم کے شاعر لبیدؔ نے کہا تھا۔

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل۔ اور پھر پیغمبر اسلام نے اسکی تصدیق فرما کر اس عقیدے کو غیر فانی بنا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے سچی بات جو شاعر نے کہی ہے وہ لبید کی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ یہ حدیث امام بخاری نے تین جگہ بیان کی ہے۔ باب ایام الجاھلیۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے، باب الادب میں ابن بشار سے اور باب الرقاق میں محمد بن مثنّٰی سے۔

ابن عربی کے مرشد حضرت ابو مدین مغربی نے بھی اس عقیدہ کی وضاحت اپنی شاعری میں کی ہے۔ شیخ فریدالدین عطار نے بھی اس نظریہ کو نہایت سادگی اور صراحت کے ساتھ پیش کیا۔ اسی طرح شیخ نظامی گنجوی اور حکیم سنائی نے بھی صراحت کے ساتھ وحدۃ الوجود پر روشنی ڈالی ہے۔

اہل طریقت کے نزدیک جن میں اکثر بڑے بڑے عالم مجتہد اور محدث شامل ہیں، یہ مسلم ہے کہ یہ عقیدہ (وحدۃ الوجود یا وحدۃ الموجود) سند متصل سے پیغمبر اسلام سے اہل باطن کو پہنچا ہے۔ قرون اولیٰ میں یہ عقائد خواص کو ان کی استعداد باطن کے لحاظ سے تلقین کئے جاتے تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت مالک بن انس کے ایک جلیل القدر اور نامور شاگرد حضرت ذوالنون مصری (۲۴۵ھ ۸۵۹ء) ان مسائل کو اشارات سے عبارات میں لائے، ان کے بعد سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ ۹۱۹ء) نے تصوف کو بطور علم ترتیب دیا اور اس پر تصنیف کی۔ پھر شیخ شبلی (متوفی ۳۳۴ھ ۹۴۵ء) نے ان اسرار کو منبر پر بیان کیا، شیخ عطار نے اس واقع کو اپنے مشہور قصیدے میں بیان کیا ہے۔

روزِ آدینہ برسر منبر — گشت شبلی برائے خطبہ سوار
کرد توحید ایزدی آغاز — کہ یک است او چہ دہ چہ صد چہ ہزار
مگر آں جنید حاضر بود — گفت اے پاک باز نادرکار
انچہ من باتو گفتہ ام بہ نہفت — تو عیانش ہمی کنی اظہار
قم باذنی وقم باذن اللہ — ہردو یک نغمہ است از لب یار

صوفیائے اسلام کا سب سے بڑا گروہ جس میں شیخ ابن عربی بھی شامل ہیں۔ان کے خیال میں عالم اور انسان عین حق یا مظہر حق ہے۔قرآن سے اسی نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔موجودات، خارج اور ظاہر میں ہوں یا باطن میں، زمانی ہوں یا مکانی، سب کی حقیقت اللہ ہی ہے **ھو الاول و الاٰخر و الظاھر و الباطن** ۔قرآن یہ بھی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے علاوہ سب معدوم اور باطل ہے۔ **کل شئی ھالک الا وجھہ** ۔اور **ذلک بان اللہ ھو الحق و ان ماتدعون من دونہ الباطل**۔

سنریھم اٰیاتنا الی آخرہ الایہ ۔اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خدا کا مشاہدہ خارجی عالم اور اپنی ذات دونوں میں ہو سکتا ہے۔اپنی ذات میں مشاہدہ زیادہ قریب کا مشاہدہ ہے۔قرآن نے کہا، **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** ۔یعنی ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔لقاء رب تعالیٰ یا اس حقیقت وجدان و عرفان ہی صوفیوں کا آخری مطمح نظر اور انتہائی منزل ہے نہ کہ نفی محض یا نفی خودی۔(نقد اقبال از حضرت سید محمد علی قادری چشتی میکش اکبر آبادی)

مسئلہ وحدۃ الوجود پر حضرت قطب ویلور قدس سرہ کی بھی فارسی میں ایک کتاب غایۃ التحقیق ہے جو ایک استفتاء کا جواب ہے یہاں اسکے بعض مباحث کا ترجمہ پیش کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

مسئلہ وحدۃ الوجود حق اور مطابق واقع ہے۔قرآنی آیات اور احادیث نبوی اسکی تائید میں ہیں۔ان ہی دلائل میں سے ایک دلیل کلمۂ توحید ہے۔یہ مسئلہ انبیائے کرام کے نزدیک وحی الٰہی کے نور سے اور اولیائے کرام کے نزدیک مکاشفہ کے نور سے منکشف ہوا ہے۔لہٰذا عقل متوسط کی مخالفت میں کوئی ضرر نہیں۔لیکن عقل نورانی اسکی مخالفت نہیں کرتی۔

وحدۃ الوجود کو بہت سے صوفیہ اور نامور علماء اختیار کئے ہوتے ہیں جن میں سے معتمد و مستند سلسلہ قادریہ میں سے شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ صدر الدین قونیوی اور شیخ عبد الکریم جیلی اور شیخ عبد الرزاق جھجانوی اور شیخ امان پانی پتی رحمھم اللہ۔

اور سلسلہ کبرویہ میں مولانا جلال الدین صدیقی رومی صاحب مثنوی معنوی اور حضرت شمس تبریزی رحمھما اللہ۔اور سلسلہ نقشبندیہ میں سے خواجہ محمد باقی باللہ اور حضرت عبید اللہ احرار اور مولانا نور الدین جامی اور مولانا عبد الغفور لاری، اور اسی طرح شیخ عبد الرزاق کاشی قندھاری اور علامہ قیصری اور مولانا سعید الدین فرغانی اور ان کے علاوہ اور بھی صوفیہ گذرے ہیں اور ان بزرگوں کی تصانیف موجود اور مشہور ہیں۔

اور دوسری جماعت نے ان کے تمام اشارات کو تاویل حکایت یا شکر پر حمل کرتے ہوئے وحدۃ الوجود کا انکار

کیا ہے۔اور کہا ہے کہ وجود کی وحدت بعض اوقات سالک کی نظر میں آتی ہے حالاں کہ حقیقت میں وہ نہیں ہے۔جس طرح آفتاب کی روشنی میں تمام ستارے بے نور ہو جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے حالانکہ نفس الامر میں ان کا وجود ہے اور وہ روشنی بھی رکھتے ہیں لیکن دن کے وقت میں نور آفتاب کے غلبہ کی وجہ سے ان کا نور مضمحل ہو جاتا ہے اور یہی حال مشعل کے سامنے چراغ کا ہے۔

اور جن لوگوں نے توحید خالص کی راہ اختیار کی ہے ان کی توحید صرف شہود میں،اور نظر میں ہے نہ کہ وجود میں۔ اور یہی مذہب شیخ علاؤالدین سمنانی اور متقدمین میں سے ایک دوسری جماعت کا ہے۔اور یہی امام ربانی مجدد الف ثانی اور ان کے متبعین کا مذہب ہے اور ان حضرات نے بھی اس عقیدہ کے اثبات وثبوت میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

شریعت کے باطنی مسائل، ظاہری شریعت سے اختلاف نہیں رکھتے، کیونکہ اہل باطن، ظاہری معنوں کو قبول کر لینے کے ساتھ ساتھ دوسرے معانی رکھتے ہیں۔جن کی تردید ظاہری شریعت نہیں کرتی۔لیکن ان معانی کو عوام الناس کی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انی جاعل فی الارض خلیفه۔نیز فرماتا ہے وعلم اٰدم الاسماء کلھا۔اور اخبار و آثار اور تورات کے دفتر اول باب اول میں خلق اللہ اٰدم علی صورته، وارد ہے۔نیز اخبار اور انبیائے سابقین کے صحیفوں میں من عرف نفسه فقد عرف ربه۔آیا ہوا ہے۔نیز میرا بندہ مجھ سے تقرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کا کان ہو جاتا ہے اور جب اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو اسکی زبان بن جاتا ہوں۔

نیز میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی، میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اسکی عیادت کرتا تو گویا میری عیادت کیا ہوتا۔

اور بھی اس جیسی بہت سی مثالیں ہیں۔ان نصوص ومقدمات کا صحیح حل مذکورہ اخبار واحادیث کے ایسے باطنی معانی کے انکشاف پر موقوف اور مبنی ہے کہ اکثر ارباب فہم ان معانی کے سننے کی تاب وطاقت نہیں رکھتے۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ تعلیم اسماء اور معنی خلافت سمجھنے سے قاصر رہ گئے۔

اور لفظ صورت کے معنی کے متعلق سے تشبیہ میں پھنس کر یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ صورت سے مراد ظاہری صورت ہی ہو سکتی ہے۔اور بعض حلول واتحاد کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ان معانی کے سمجھنے میں جب عقل مند افراد کا یہ حال ہو تو ناسمجھ لوگوں کا حال کیا ہو گا۔

ارشاد نبوی ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل اور فہم کے مطابق گفتگو کیا کرو۔ نیز یہ ارشاد فرمایا ان امور کو چھوڑ دو، جن سے لوگ نامانوس ہیں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اسکے رسول ؐ کی تکذیب کی جائے۔

یہ حدیثیں مذکورہ حقائق و معانی کے اعلان و اظہار کے حق میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں اور شریعت ان کے اظہار کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ دراصل ان حقائق و معانی کا انکشاف صحیح سلوک و تربیت اور جذبہ معرفت الٰہی پر موقوف ہے۔

کوتاہ بین افراد قرآن کریم کے معانی اور مطالب کو ظاہری تفسیر میں منحصر سمجھتے ہیں اور اہل باطن کے بیان کردہ معانی و حقائق کو تحریف قرآن تصور کرتے ہیں۔ اس وضاحت سے یہ بات واضح ہو چکی ہو گی کہ چند آیات اور احادیث کے دوسرے معنی جو اہل باطن کے کشف و تحقیق سے ماخوذ ہیں جو شریعت سے ہم آہنگ اور اسکے موافق ہیں البتہ ان معانی کے سمجھنے سے اہل ظاہر کی عقلیں قاصر ہیں اور کوتاہ نظر اشخاص ان معانی کو تحریف تصور کرتے ہیں۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا مسئلہ مجتھد ان باطن کے قیاس سے مستنبط ہے اور وجود کی اثنینیت کا مسئلہ وجود اصلی سے مجتھدین ظاہر کے قیاس سے مستنبط ہے اور یہ تینوں مسئلے اہل سنت و جماعت کے اجتہادی مسائل میں سے ہیں اور ان میں اختلاف، مذاہب اربعہ میں اختلاف کے مانند ہے۔

وجودیہ، شہودیہ اور متکلمین یہ تینوں گروہ اہل سنت و جماعت میں سے ہیں اور جو اختلاف کہ اہل سنت و جماعت کے درمیان توحید وجودی اور توحید شہودی کے فرق و امتیاز کے باعث واقع ہوا، وہ اختلاف سنی اور رافضی یا سنی اور خارجی کے اختلاف کی طرح نہیں ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کی تکفیر اور تضلیل کی جائے بلکہ ان کے درمیان واقع شدہ اختلاف مذاہب اربعہ کے اختلاف کے مانند ہے۔

پانچویں صدی ہجری کے بعد صوفیہ کرام دو فرقوں میں بٹ گئے، اور ایک کثیر جماعت نے ان اشارات کو حقیقت پر محمول کیا۔ اور اس بات کے قائل ہو گئے، کہ وجوب، امکان، قدیم، حادث، مجرد، جسمانی، مومن، کافر، نجس اور طاہر کے مراتب اور درجات میں ایک ہی وجود ظاہر ہے۔ لیکن ہر مظہر علیحدہ حکم رکھتا ہے اور ان مظاہر کے احکام میں فرق و امتیاز کرنا ضروری ہے چنانچہ مومن کے لئے نجات کا حکم ہے تو کافر کے لئے عذاب کا حکم ہے۔ اور تمام صفات متضادہ میں اسی طرح قیاس کر لینا چاہئے۔

ہر مرتبہ وجود حکمے دارد گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

وجود کا ہر مرتبہ ایک حکم رکھتا ہے لہٰذا فرق مراتب نہ کیا گیا تو زندیقیت ہے۔

اور یہی فرق ظاہر شریعت کے احکام میں قائم ہے۔اسی لئے منکوحہ عورت حلال ہے اور اجنبی عورت حرام ہے۔ باپ کی تعظیم واجب ہے اور کافر ومعاند کی تحقیر واجب ہے۔اور جو شخص صرف وحدۃ الوجود کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت کے احکام مین فرق نہ کرے تو خلاف شرع اور الحاد وزندیقہ ہے۔

ہم لوگ جو وجودی اور شہودی کے اختلاف کے بعد پیدا ہوئے ہیں طرفین میں سے کسی ایک طرف کی صحت و درستگی کا جزم و یقین حاصل نہیں کر سکتے لہٰذا ہمارے لئے یہی راہ ہے کہ جس طرح مذاہب اربعہ میں حق کو دائر سمجھتے ہیں اسی طرح مذہب وجودی اور شہودی میں حق کو دائر سمجھیں، مذہب وجودی صواب پر مبنی ہے۔اور خطا کا احتمال ہے اور مذہب شہودی خطا پر مبنی ہے اور صواب کا احتمال ہے۔

اسی طرح مذہب وجودی اور شہودی میں سے کسی ایک مذہب کی دلیل راجح معلوم ہو تو دوسرے مذہب کو غلط اور گمراہ خیال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ دوسرے مذہب کو غلط سمجھنے سے نامور علماء اور مشائخ کی کثیر جماعت کا کافر اور گمراہ ہونا لازم آئے گا۔

ہاں! اگر کسی ایک مذہب کی تقلید میں غلو کرے اور فرق مراتب کو نظر انداز کر دے۔اور جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھے، اور عابد کو معبود، حادث کو قدیم، ملوث کو منزہ، حرام کو حلال اور نجس کو طاہر خیال کرے تو یقیناً ایسے اشخاص ملحد اور زندیق قرار پائیں گے۔

ہاں! اگر کوئی وجودی شخص جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھتے ہوئے الحاد اور زندیقہ کی نوبت اور مصیبت پیدا کردے تو وہ یقیناً گمراہ اور گمراہ کن ہے، اور اگر کوئی شہودی شخص اعتدال کی روش ترک کرتے ہوئے علماء اور صوفیہ کے گروہ کثیر کو کافر اور گمراہ کہنے لگے تو وہ بھی یقیناً مطعون اور قابل سرزنش ہے۔

علمائے متکلمین کے انکار مسئلہ وحدۃ الوجود کی دو وجہ ہیں۔ایک یہ کہ مسئلہ وحدۃ الوجود پر کمال دقت و باریکی کے باعث بہت سارے عقلی اور نقلی شبہات وارد ہوتے ہیں، اور ان شبہات کا حل متکلمین کو میسر نہ ہو سکا، جسکی وجہ سے انہوں نے اس مسئلہ کا انکار کیا۔اور یہ سطحی متکلمین کی حالت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کا تعلق اسرار و رموز سے ہے، اسکے سمجھنے اور سمجھانے پر شریعت کا انحصار نہیں ہے بلکہ اسکی تشریح اور تلقین عوام کے حق میں الحاد کا دروازہ کھول دیتی ہے۔اور ان کے لئے اباحت اعمال، شرور و فساد اور تکالیف شرعیہ میں مداہنت کا باعث ہے۔چنانچہ مسئلہ وحدۃ الوجود کی اسی دقت و باریکی کی وجہ سے اس مسئلہ کا اظہار و بیان

اورتشریح وتلقین ممنوع اور محذور ہے اسی لئے متکلمین نے اس باب میں کف لسان کوواجب اور ضروری سمجھا، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

جب قضاوقدر کا ذکر ہوتو خاموشی اختیار کرو، اور جب میرے صحابہ کا تذکرہ ہوتو ان کی شخصیات اور ذوات کو ہدف تنقید و بحث نہ بناؤ، اور جب نجوم کا ذکر ہوتو خاموشی اختیار کرو۔

علمائے متکلمین کی وہ جماعت جومعتمد اور مستند ہے اس نے صراحت کے ساتھ مسئلہ وحدۃ الوجود کا انکارنہیں کیا ہے بلکہ سکوت اختیار کیا ہے اور اسکے اظہار و بیان سے اپنی زبان وقلم کوروک لیا ہے۔ ان علمائے متکلمین کے مقلدین اور متبعین نے ان کے سکوت کو انکار خیال کیا ہے۔ جیسے علامہ تفتازانی اور قاضی عضد اور دیگر متاخرین، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ اس باب میں امام غزالی اور امام رازی اور ان کے ہم مثل علماء اور متکلمین ہی لائق تقلید ہیں یہ کہ متاخرین کا گروہ۔

مسئلہ وحدۃ الوجود کشف الہام سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسروں پر حجت ہوسکتا ہے۔ یا نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ وحدۃ الوجود کشف مجردنہیں ہے کہ دوسروں پر حجت نہ ہوگا۔ وہ تو کشف مدلل ہے جس پر دلائل عقلیہ اور نقلیہ قائم ہیں پھر کیسے حجت نہیں ہوسکتا۔ البتہ صاحب کشف کو اپنا کشف قرآن وحدیث کے مقابل پیش کرنا لازم ہے اور اس مسئلہ میں یہ بات ثابت ہے کہ صاحبان کشف اپنے کشف کو قرآن وحدیث کے مقابل پیش کرنے سے بہت سی دلیلیں پائے ہوئے ہیں۔

قرآن شریف سے یہ ہیں۔ **اینما تولوا فثم وجه الله** ۔تم جدھر منہ کرو ادھر اللہ کا چہرہ ہے۔ **سنریهم اٰیتنا فی الافاق و الانفس** ۔ ہم ان کو دکھلائیں گے اپنی نشانیاں دنیا میں اور خود ان کے نفوس میں۔ **وفی انفسکم افلا تبصرون** ۔ اور وہ خود تمہارے نفوس میں ہے کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔ **و مارميت اذرميت ولكن الله رمىٰ** ۔ اے نبیؐ وہ خاک تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی، **و كان الله بكل شئى محيط** ۔ ہر چیز پر اللہ محیط ہے۔ **كل شئى هالك الا وجهه** ۔ ہر چیز فانی ہے سوائے اسکی ذات کے۔

حدیث شریف سے یہ ہیں **لايزال عبدى يتقرب الخ وان احدكم اذاقام الخ وان الله يقول اذا مرضت الخ والذى نفس محمد بيده الخ** ۔

اگر دلائل عقلیہ سے وحدۃ الوجود کا ثبوت چاہئے تو ان بزرگوں کی تصانیف مطالعہ کیا جائے، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ صدرالدین قونیوی، شیخ فقہیہ علی مہایمی گجراتی، شیخ ابراہیم کردی، علامہ قیصری وغیرھم۔ (غایۃ التحقیق)

سیاق میں تصوف اور مسئلہ وحدت الوجود کا تعارف پیش کیا گیا ہے اب اسکے بعد مثنوی کی روشنی میں وحدت الوجود کا ایک مختصر جائزہ لیا جارہا ہے۔ مولانا روم کا تعلق مکتبہ وجودی سے تھا اور آپ تادم زیست وحدت الوجود کے نظریہ اور عقیدہ پر قائم رہے۔ آپ نے اپنی مثنوی میں اس عقیدہ کی شرح مختلف مقامات پر کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے جن کا مفہوم یہ ہے۔

کائنات اور انسان ذات مطلق کی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ عالم اس ہستی سے الگ نہیں ہے۔ ذات مطلق اور کائنات وانسان میں جو نسبت ہے اسکی کیت اور کیفیت الفاظ کے پیرایہ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، ذات مطلق کے سوا سب کچھ باطل وفانی ہے۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس　　ہست رب الناس را باجان باس

بحر واحدانیت جفت وزوج نیست　　گوہر وماہیش غیر موج نیست

گر ہزاراں اندیک کس بیش نیست　　جز خیالات عدد اندیش نیست

کل شئی ماخلاء اللہ باطل　　ان فضل اللہ غیم باطل

مثنوی میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ جان کو جسم سے ایک خاص تعلق ہے اور اسی طرح بصارت کو روشنی سے اور خوشی سے دل کو تعلق ہے لیکن یہ تعلق بے مثل و بے چون ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کو ممکنات سے نسبت ہے، وہ کیت اور کیفیت سے پاک ہے۔

آخر ایں جاں ما بدن پیوستہ است　　ہیچ ایں جان بابدن مانستہ است

تاب نور چشم ما ایں است جفت　　نور دل درقطرۂ خونے نہفت

ذات مطلق، انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس ہستی مطلق کی صفات اور عالم امر بے سمت و جہت ہے۔ یہ عالم خلق ہے، جس کے لئے حس اور جہت ہے اور کوئی مخلوق بھی اس سے بے تعلق نہیں ہے۔ یہ تعلق بے چون و بے مثل اور بے چگون ہے۔

قرب بے چوں ست عقلت را بہ تو　　نیست از پیش و پس وسفل و علو

بے تعلق نیست مخلو قے بہ او　　آں تعلق ہست بے چوں اے عمو

بے جہت داں عالم امر و صفات　　عالم خلق ست حسیّہـــــا وجہات

جان بتو نزدیک و تودوری ازو قرب حق را چوں بدانی اے عمو
آں کہ حق است اقرب ازحبل الورید توفگندی تیر فکرت رابعید

مولانا کے چنداور شعر ملاحظہ فرمایئے جن میں وحدت الوجود کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔

عدم ہائیم ہستی ہائے ما تو وجود مطلقی فانی نما
نیست رانمود ہست ان محتشم ہست را بنمود و بر شکل عدم
بحر را پوشیدو کف کرد آشکار باورا پوشیدہ ونمبودت غبار
خاک را بینی بیالا اے علیل بادرا بینی جز بتعریف و دلیل
کف ہمی بینی روانہ ہر طرف کف بجز دریا ندارد منصرف
کف بحس بینی ودریا از دلیل فکر پنہاں آشکار قال و قیل
نفی را اثبات می پنداشتیم دیدۂ معدوم بینی داشتیم
جرم سرگشتہ از ضلال جوں حقیقت شد نہاں پیدا خیال
اے عدم راچوں نشانہ اندر نظر چوں نہاں کرد آں حقیقت ازبصر
آفریں اے استاد سحر باف کہ نمودی معرضاں را درد صاف

(۱) ہم درحقیقت معدوم ہیں مگر موجود ہیں بظاہر تو (درحقیقت) سراپا وجود ہے (مگر) فانی جیسا (بظاہر)۔

(۲) اس مہتمم بالشان ذات (اللہ تعالیٰ) نے معدوم کو وجود (ظاہری) بخشا۔ اور موجود کو بہ شکل عدم بنایا، بعض نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔

(۳) سمندر کو چھپادیا اور جھاگ کو ظاہر کیا (یاد رہے کہ سمندر صرف پانی کا نام نہیں ہے جو نظر آتا ہے) ہوا کو پوشیدہ کیا۔ اور گرد وغبار کو تیرے (دیکھنے کے) لئے آشکار کیا۔

(۴) اے بیمار آنکھ والے (اس گرد وغبار میں) تم صرف مٹی ہی کا اوپر سے نظارہ کر سکتے ہو، نہ کہ ہوا کا، ہوا کا وجود دلیل وتعریف کے بغیر ثابت ہے۔

(۵) جھاگ کو (سطح آب پر) ہر سمت بہتے ہوئے تم دیکھ سکتے ہو، جھاگ کے لئے سمندر کے سوا کہیں ٹھکانہ نہیں ہے۔

(۶) جھاگ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے اور دریا دلیل کے ذریعہ جانا جاتا ہے۔ فکر اور سوچ چھپی رہتی ہے (مگر) بحث و گفتگو کے وقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

(۷) ہم نفی کو اثبات سمجھ بیٹھے ہیں یعنی معدوم کو موجود سمجھ گئے ہیں ہم (حقیقت کو) نہ دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہیں۔

(۸) بے شک ہم سراسر گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں، جب حقیقت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو وہم اور گمان پیدا ہوتے ہیں۔

(۹) اے شخص تو جب عدم کو نظر میں رکھا یعنی اپنے معدوم ہونے کا احساس تجھے نہیں رہا، اور جب وہ حقیقت (مطلقہ) تیری نگاہ سے پوشیدہ ہوگی یعنی تو خدا کے وجود کو فراموش کر بیٹھا (تو تیرا وہی حال ہوگا جس کا ذکر اوپر آیا ہے)۔

(۱۰) مبارک اے استاد فن، کب سے تو نے منہ موڑنے والوں کے لئے تلچھٹ پاک کیا ہے یعنی تو نے کبھی بھی حقیقت آشکار نہیں کیا اور معاملہ صاف نہیں کیا۔

حاصل کلام! مقالہ کے عنوان کی مناسبت سے مثنوی کے اشعار کا ایک مختصر انتخاب پیش کیا گیا ہے ہمیں امید ہے کہ یہ اشعار موضوع کی وضاحت کے لئے کافی ہیں۔ اختتام پر ایک بات عرض کرتے ہوئے اپنی طالبعلمانہ بات کو ختم کئے دیتا ہوں، سیاق میں وحدۃ الوجود سے متعلق پیش کردہ تفصیلات سننے کے بعد شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکے کہ کیا یہ مسئلہ مسلمانوں کی ایمانی اور عملی زندگی کے لئے ضروری ہے اور کیا لوگوں کا اس مسئلہ سے واقف ہونا ضروری ہے اور کیا اسکی تبلیغ واشاعت کرنا دین اور وقت کا تقاضہ ہے تو اسکے تعلق سے عرض یہ ہے کہ شریعت اس مسئلہ کے جاننے پر موقوف نہیں ہے اور سادہ لوح اشخاص کو اس مسئلہ کی تعلیم دینے سے الحاد و زندیقہ کا دروازہ کھل سکتا ہے اور لوگ شریعت کے احکام کی پابندی میں مداہنت اور بے پروائی سے کام لے سکتے ہیں اور شرور و مفاسد کا باب کھل سکتا ہے۔ یہ نئے خدشات نہیں ہیں۔ ماضی میں بھی محسوس کئے گئے ہیں۔ اسی لئے صاحب بصیرت علماء اور صوفیہ نے عوام کے سامنے اس مسئلہ کی وضاحت نہیں کی، اور اسکی تعلیم و تفہیم اور تبلیغ خواص تک محدود رکھی۔ یہ تو قدیم زمانے کی حالت تھی، موجودہ زمانے کی حالت تو اس سے کہیں زیادہ مختلف ہو چکی ہے۔ آج ایک ایسا دور ہے کہ لوگ تصوف ہی سے نا آشنا اور دور ہیں بلکہ اسکے تعلق سے منفی ذہن رکھتے ہیں، پھر بھلا تصوف کے بطن سے پیدا ہونے والے ایک دقیق اور انتہائی نازک مسئلہ سے متعلق کیونکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ سادہ لوح افراد کو کجا تعلیم یافتہ اشخاص کے لئے بھی اس مسئلہ کی تشریح و تفہیم سامان فتنہ ہے۔

. آج کا یہ سمینار مولانا روم کی زندگی اوران کی علمی وادبی، اخلاقی واصلاحی اور دعوتی وتبلیغی خدمات کے مطالعہ اور جائزہ کے لئے مختص ہے اور مولانا کی شخصیت اوران کے علم وفن کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ وجودی مکتبۂ فکر سے وابستہ تھے اور آپ کی شاہکار مثنوی کے اجزاء اور عناصر میں سے ایک عنصر وحدت الوجود کا بھی ہے۔ ایسی صورت میں وحدت الوجود سے متعلق آپ کے افکار وخیالات کا جائزہ لینا ایک ناگزیر صورت تھی۔ اسکے بغیر مولانا روم کی شخصیت اوران کے علم وعمل کا تجزیہ ناتمام اور ادھورارہ جاتا، اور آپ کی سیرت وسوانح اور تصنیف وتالیف اور شعر وسخن کا باب نامکمل رہ جاتا۔ اس لئے یہ پہلو زیر بحث آنا نہایت ضروری تھا۔ مثنوی کے موضوعات متعدد ومختلف اور متنوع ہیں اور وہ عوام وخواص دونوں کے لئے ہیں۔ وحدۃ الوجود کا موضوع خواص کے لئے ہے اور میرے اس مقالہ میں مخاطب بھی وہی حضرات کرام ہیں۔ اور تاریخ کے ہر دور میں خواص کا طبقہ اس مسئلہ کا حامی اور طرف داررہا ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں ہے لہٰذا میری اس تحریر کو زمانہ اور زمانہ کے ضروری تقاضوں سے مختلف اور بعید تصور نہ کیا جائے اور اسے بے وقت کی شہنائی نہ سمجھ لیا جائے۔ خواص اور اخص الخواص سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ وحدۃ الوجود کس قدر دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ہے ایسی صورت میں بھلا یہ دعویٰ کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس طالبعلمانہ تحریر نے موضوع کا پورا پورا حق ادا کردیا ہے لہٰذا خواص سے التماس ہے کہ وہ اپنے گراں قدر خیالات اور آراء سے راقم الحروف کو مستفیض فرما کر ممنون فرمائیں انشاء اللہ اہل تصوف کی جانب سے جو بھی علمی وعرفانی افادات سامنے آئیں گے ان پر غور اور عمل کیا جائے گا۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

☆☆☆☆☆☆

ملاحظات

(۱) مثنوی مولانا روم (۲) سوانح مولوی روم علامہ شبلی نعمانی (۳) غایۃ التحقیق حضرت قطب ویلور قدس سرہ (۴) نقد اقبال سید محمد علی قادری چشتی میکش اکبر آبادی (۵) تصوف ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی (۶) تصوف اور شریعت ڈاکٹر عبدالحق انصاری (۷) فصل الخطاب حضرت قطب ویلور۔

قدوة السالكين وزبدة العارفين حضرت سيد شاه سيد محمد حسيني المعروف به خواجه بنده نواز گيسو دراز رحمة الله عليه گلبرگه شريف

از : مولانا مولوی حافظ محمد ابراهیم صاحب لطیفی وجمالی
مهتمم، دارالعلوم فیضان لطیفیه، گنتکل

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام کی نشر واشاعت کا سلسلہ جو ہندوستان کی سرزمین پر چلا ہے وہ درحقیقت اولیاء اکرام ومشائخین عظام کا مرہون منت ہے، ان ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں ہر جگہ مساجد وخانقاہیں، ومدارس کی نہ صرف عمارتیں نظر آرہی ہیں، بلکہ اس میں تسبیح وتہلیل کی گونج بھی سنائی دے رہی ہے۔ اگر اکابرین اس قدر محنت شاقہ برداشت کرکے اسلام کی ترویج ونشر واشاعت کا کام انجام نہ دئے ہوئے تو آج اسلام کا نقشہ ہندوستان میں نہیں ہوتا جو آج ہمیں نظر آرہا ہے انہیں مبلغین اسلام، ورہنمایان اسلام میں سے ایک مقدس وبزرگ شخصیت حضرت سید محمد حسینی المعروف بہ خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ جن کی کدوکاش ومحنت کا صلہ ہے کہ اسلام کی نشر واشاعت کا کام جنوبی ہندوستان میں خصوصاً دکن کی وسیع وعریض سرزمین پر اس قدر اعلیٰ پیمانے پر ہوا کہ بہت ہی کم مقامات پر اسلام کی ایسی ترقی دیکھی گئی ہے اوران کے مریدین ومعتقدمین اور خلفاء کی بدولت اسلام کی ترقی کا یہ سلسلہ آج تک سرزمین ہند میں جاری وساری ہے۔

افق دنیا پر آپ کی جلوہ گری

۴، رجب المرجب ۷۲۱ھ بمطابق ۳ ستمبر ۱۳۲۱ء کی ساعتیں بڑی مبارک ومسعود تھیں جس میں حضرت سید محمد حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت بمقام دہلی ہوئی۔

حضرت بندہ نوازؒ کا اسم گرامی سید محمد اور کنیت ابوالفتح اور لقب صدرالدین الولی الاکبر اور الصادق تھا اور حضرت نصیرالدین چراغ دہلی سے مزید دو القاب آپ کو عطا ہوئے ایک بندہ نواز دوسرا گیسودراز جنکی وجہ تسمیہ کے تعلق سے مختلف محققین نے اپنی آراء کا اظہار خیال اس طرح کیا ہے۔

بندہ نواز کی وجہ تسمیہ

حضرت سید محمد حسینیؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنے آرام سے زیادہ دوسروں کی راحت کو ترجیح دیا کرتے تھے اور جو بھی آپ کو عطا ہوتا تھا، مثلاً اشیائے خورد ونوش ورقم وغیرہ آپ وہ تمام تر اشیاء غرباء ومساکین میں تقسیم کردیا کرتے تھے آپ کے اس عمل کو دیکھ کر حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی نے آپ کو بندہ نواز کے لقب سے ملقب فرمایا، پیرومرشد کا عطا کردہ یہ لقب اس قدر معروف مشہور ہوگیا کہ لوگ اصل نام کو بھول گئے اور اسی لقب سے آپ کو یاد کرنے لگے۔ (از روزنامہ سیاست ۵ مارچ ۱۹۹۹ء)

گیسودراز کی وجہ تسمیہ

گیسودراز کے لقب سے شہرت پانے کے تعلق سے بہت ساری روایات پائی جاتی ہیں، جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی، نے اپنے بھانجے حضرت زین الدین سے فرمایا کہ، زین الدین، سید محمد کو بلاؤ باہر اسی نام کے دو اور بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت زین الدینؒ نے دریافت فرمایا کہ، سرکار کونسے، سید محمد کو بلاؤں؟ جب کہ وہاں تین اشخاص اسی نام کے اور بیٹھے ہوئے ہیں حضرت نے فرمایا، گیسودراز کو بلاؤ، کہا جاتا ہے کہ اس وقت سے حضرت بندہ نواز کو اس لقب سے یاد کیا جانے لگا (از منادی) اس کے علاوہ مورخین آپکے گیسوؤں کی درازی کے متعلق یہ تاریخی روایت بھی بیان کی ہے، زمانہ قدیم میں سادات وغیر سادات کے درمیان ایک خاص فرق رکھا گیا تھا، جو سادات تھے وہ اپنے کاکلیں بڑی دراز رکھا کرتے تھے، جس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ سادات سے ہے، چونکہ آپ سادات سے تھے، اس لئے آپ کے گیسودراز تھے، اس درازی گیسو کے سبب آپ اس لقب سے مشہور بھی ہوگئے۔ (از روح تصوف)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت بندہ نواز اپنے مرشد کی پالکی اٹھائی، پالکی کے پایہ میں بال پھنس کر الجھ گئے آپ نے اکرام ومحبت میں شدید تکلیف کے باوجود اظہار نہ کیا دور تک یوں ہی چلے گئے جب حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کو پتہ چلا تو آپ نے بہ فرط محبت وشفقت بادیدہ نم فرمایا:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد   واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

مذکورہ تمام روایات سے قطع نظر سید شاہ خسرو حسینی قبلہ مدظلہ العالی نے ایک اپنی تحقیقی سند پیش کرتے ہوئے یہ روایت تحریر فرمائی ہے کہ حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق خراسان کے ایک مشہور و معروف سید خاندان سے تھا، آپ کے آباء واجداد خراسان میں سادات دراز گیسو کے نام سے مشہور تھے جسکی وجہ سے آپ بھی گیسو دراز کے نام سے مشہور ہو گئے۔

حسب و نسب

حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ غیاث الدین تغلق بادشاہ دہلی کے زمانے میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ نسب بائیسویں واسطے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے، آپ کے جد امجد سید ابوالحسن جندیؒ خراسان سے مع اہل وعیال علاء الدین مسعود شاہ کے عہد حکومت میں دہلی تشریف لائے، اور یہیں مقیم ہو گئے۔

آپ کا خاندانی خاکہ

آپ کے والد محترم سید شاہ یوسف حسینی المعروف بہ راجو قتالؒ اور والدہ محترمہ بی بی رانی ماں صاحبہ یا بی بی ملکہ خاتون صاحبہؒ کو دو نرینہ اولاد ہوئیں ایک صاحبزادے سید حسین، اور دوسرے حضرت سید محمد حسینیؒ یعنی حضرت بندہ نواز۔

پرورش و پرداخت

بزرگان دین کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی آل واولاد کی پرورش و پرداخت اپنی زیر نگرانی کیا کرتے تھے اور وہ ہمیشہ انکی نگہداشت بھی کیا کرتے تھے اور انکی تربیت کا کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل رہنے نہیں دیتے تھے اکابرین کی ان کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ انکی اولاد نہ صرف صالحہ معاشرہ کی زینت بنتی تھی بلکہ امت مسلمہ کے زمرہ کی سرخیل ہوا کرتی تھی، حضرت بندہ نواز کی ذات بابرکت بھی ان کے والدین کی پرورش و پرداخت کے نتیجہ میں انہیں اوصاف کی حامل نظر آتی ہے۔

دور بچپن اور تعلیمی زمانہ

زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت خاندان کے اکابرین ہی کرتے چلے آئے ہیں اسی قدیم روایت کے مطابق سید محمد یوسف حسینی اپنے فرزندگان کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری جانفشانی وانہماک کے ساتھ اپنے آپ کو مصروف کرلیا۔

محمد بن تغلق بادشاہ نے اپنا پایۂ تخت جب دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تو بادشاہ وقت کے حکم کے مطابق علماء، و

مشائخین و دیگر فنون لطیفہ کے ماہرین بھی دولت آباد منتقل ہوگئے، اس وقت آپ کے والد محترم بھی مع اہل وعیال یہاں آگئے اس وقت حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی عمر ۴ رسال کی تھی، حضرت عبدالمجید صدیقی صاحب کی روایت کے مطابق آپ کی ابتدائی تعلیم خلد آباد سے شروع ہوئی جہاں ایک بزرگ شیخ بابو نامی رہائش پذیر تھے جنکی خدمت میں آپ کو بٹھایا گیا، یہاں آنے کے بعد سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید مکمل حفظ کرلیا اور یہیں سے حدیث وفقہ وغیرہ کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اسکے بعد آپ نے اپنے والد سے علوم ظاہری وباطنی فیض حاصل کیا۔

وصال سید یوسف حسینی

سید یوسف حسینیؒ رشد وہدایت کی تعلیمات کو عام کرتے ہوئے فریضۂ خدمت خلق انجام دیتے ہوئے عمر کی اس منزل پر پہنچ گئے جہاں سے داعی اجل کو لبیک کہنا پڑتا ہے، آخر کار وہ وقت آگیا کہ حضرت بندہ نوازؒ کی عمر سات سال تھی کہ سید شاہ یوسف حسینی کا وصال ہوگیا، یہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون آج بھی آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

دوبارہ سفر دھلی

حضرت بندہ نوازؒ اپنے والد محترم کے وصال کے بعد ان کی پدرانہ ومشفقانہ محبت سے محروم ضرور ہو گئے تھے لیکن والدہ ماجدہ حضرت رانی ماں صاحبہ آپ کی محبت وتربیت میں پوری انہماک وتوجہ کے ساتھ دلچسپی لیتی رہیں تا کہ آپ کو اپنے والد محترم کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے پائے۔

حضرت بندہ نوازؒ جب اپنی عمر کے لحاظ سے چودہ یا پندرہ سال کو پہنچ گئے تو اسی اثناء میں آپ کی والدہ محترمہ اور آپ کے ماموں جان ملک الامراء حضرت سید ابراہیم مستوفی کے درمیان کسی بات میں شکررنجی پیدا ہوگئی چنانچہ آپ کی والدہ محترمہ آپ کو اور آپ کے بھائی کو لیکر دہلی چلی آئیں۔

حضرت نصیرالدین محمود چراغ دھلی کی بارگاہ میں حاضری اور، بیعت وارادتمندی میں داخلہ

دولت آباد سے دہلی واپسی کے بعد حضرت بندہ نوازؒ ایک جمعہ سلطان قطب الدین ایبک کی جامع مسجد کو اپنے

بھائی کے ہمراہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو دیکھا پہلی نظر میں آپ کو ان کے چہرہ میں حیاء اور آنکھوں میں نمی اور قلب میں صفائی، اور زبان پر حمد وثناء، اور ہاتھ میں جود وسخا، اور وعدہ میں وفا، اور کام میں شفا جیسے اوصاف نظر آئے دل کی گہرائیوں سے ان پر فریفتہ ہو گئے چونکہ آپ کی دیرینہ خواہش تھی کہ کسی اللہ والے کی صحبت میسر آجائے تاکہ ان سے فیض باطنی کا اکتساب کریں چنانچہ یہ وقت غنیمت سے ہاتھ آگیا تھا دونوں بھائیوں نے ۷۳۶ھ بمطابق ۱۳۳۶ء کو حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے دست حق پرست پر بیعت کرتے ہوئے انکے ارادتمندوں کے زمرۂ میں شامل ہو گئے۔

عنفوان شباب کا دور

حضرت بندہ نوازؒ اپنی عمر کی سولھویں منزل پر پہنچے، یہ دور انسانی زندگی میں بڑا نازک اور بڑا اہم دور ہوتا ہے کیونکہ یہاں سے انسانی زندگی ایک نیا موڑ اختیار کرتی ہے، یہ زمانہ انسانی مزاج اور فطرت کے اعتبار سے بڑے عیش وآرام ولہو لعب اور لذائذ دنیا کے حصول کا زمانہ ہوا کرتا ہے، مگر بزرگوں کا عالم اور انکی طرز زندگی اور انکا کردار، دنیاداروں سے بالکل مختلف نظر آتا ہے جیسے حضرت بندہ نوازؒ اس عمر میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہہ کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پیرومرشد کی بارگاہ سے فیض ظاھری وباطنی کااکتساب

حضرت بندہ نوازؒ اپنے پیرومرشد کی بارگاہ سے سب سے پہلے ظاہری تعلیم بذریعہ کتب متداولہ جو داخلہ درس نظامیہ ہے جسکو سبقاً سبقاً پڑھا جس کے ذریعہ آپ نے فیض باطنی کی طرف اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہی تو پیرومرشد نے آپ سے فرمایا کہ عزیزم پہلے تم ان کتابوں کو اچھی طرح پڑھ لو، ھدایہ، قدوری، رسالہ، شمشیہ، کشاف اور مفتاح وغیرہ کیونکہ مجھے تم سے بہت سارے کام لینے ہیں، پیرومرشد کے حکم کو سنکر آپؒ مذکورہ کتابوں کی تحصیل میں لگ گئے اور رات دن محنت ولگن سے کام لیتے ہوئے ان کتابوں میں کمال پیدا کرلیا۔

اسی علمی شوق نے حضرت بندہ نوازؒ کو مزید متبحر علماء وصوفیاء کی خدمت میں پہنچا دیا جو مشہور زمانہ، وفرد یگانہ تھے خصوصاً حضرت سید شرف الدین کھتیلیؒ اور مولانا تاج الدین بہادرؒ اور قاضی عبدالمقتدر صاحبؒ وغیرہ جو اپنے زمانے کے ماہرین فن علماء تھے جن سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا جسکا اثر یہ ہوا کہ آپ بھی جمیع علوم وفنون میں بے مثل وبے مثال بن گئے۔

حضرت بندہ نوازؒ کے علمی شوق وشغف کو دیکھ کر آپ کے پیرومرشد حضرت نصیر الدین نے علوم باطن کے اسرار و

معارف ورموز وحقائق کے دقیق نکات سے آپ کو بہرہ مندہ فرمانا شروع کیا پیرومرشد کے فیضان خاص نے بہت ہی قلیل مدت میں آپکوعلوم باطن کا آفتاب ومہتاب بنادیا۔

عبادت و ریاضت کا شوق و شغف

حضرت بندہ نوازؒ علوم باطن کے حصول کے بعد اپنے آپ کو عبادت وریاضت میں ایسے مصروف کرلیا کہ بڑے بڑے عبادوزہاد کو آپ کی عبادت پر رشک آنے لگا خود آپ کے پیرومرشد حضرت نصیرالدین کو یہ کہنا پڑا کہ،

بعداز ہفتیاوسال کودکے مرازسرشوراینده است (سیری محمدی ص ۱۴)

یعنی مجھے ستر سال کی عمر کے بعد ایک نوعمر نے عبادتوں کا ایسا شائق بنایا کہ بزرگوں کے واقعات سابقہ یاد آنے لگے آپ کے اسی شوق وعبادت نے جہاں آپ کو زمرہ اولیاء اصفیاء میں اونچا مقام عطا کیا وہیں آپ کو آپ کے پیرومرشد کا مرکز نظر بھی بنادیا یہی وہ خصوصیات تھیں جنکی بناء پر حضرت بندہ نوازؒ کا منصب خلافت کے لئے انتخاب عمل میں آیا۔

خلافت سے سرفرازی

حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کی عمر ۸۰ رسال ہوئی تو آپ میں ضعف دن بدن بڑھتا ہی جارہا تھا مگر خلافت و جانشینی کا مسئلہ ابھی طے نہیں ہو پایا تھا اچانک ۱۵ ررمضان المبارک ۷۵۷ھ بمطابق ۱۴ رستمبر ۱۳۵۶ء کو آپ سخت بیمار ہوگئے، آپ کی خدمت بابرکت میں یہ معروضہ پیش کیا گیا کہ مشائخ کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے وصال سے قبل اپنے خلفاء میں سے کسی ایک کو ممتاز قرار دیکر انہیں اپنا جانشین مقرر کردیتے ہیں اگر اس وقت اس طریقہ کار پر عمل کیا جائے تو بہتر ہوگا اس مشورہ کو سنکر آپؒ نے اپنے بھانجے حضرت زین الدین سے فرمایا کہ تم ذی استعداد واستحقاق لوگوں کی ایک فہرست تیار کرکے لے آؤ چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد ایک دو مرتبہ فہرست پیش کی گئی جس میں حضرت بندہ نوازؒ کا اسم گرامی نہیں تھا جس کو آپ مسترد فرماتے ہوئے کہا کہ سید محمد گیسودراز کا نام لکھ کر لے آؤ چنانچہ جب آپ کا نام لکھ کر پیش کیا گیا تو آپؒ نے حضرت بندہ نوازؒ کو سجادہ نشین نامزد فرمایا، حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کے وصال کے تیسرے دن ہی سے حضرت بندہ نوازؒ نے بیعت وارادت کے سلسلہ کا آغاز فرمایا اور خدمت خلق کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا اور چوالیس (۴۴) سال تک دہلی میں مخلوق خدا کی خدمت کرتے رہے۔

معمولات شب وروز

حضرت بندہ نوازؒ کو بچپن ہی سے پچھلی رات کو بیدا ہونے کی عادت تھی جب صبح کی نوبت بجتی نماز تہجد کے لئے اٹھ جاتے اور نماز تہجد سے فراغت کے بعد صلوٰۃ التحیۃ اور دعائے خلافت پڑھا کرتے تھے اسی سے متصل ذکر مراقبہ فرماتے اور بار بار ارشاد فرماتے کہ جو بھی فتح یاب ہوا وہ ذکر مراقبہ ہی سے ہوا، لوگ برسوں نماز و تلاوت میں گزار دیئے، مگر انہیں کوئی راستہ نہیں ملا، کیونکہ یہ لوگ ذکر مراقبہ سے غافل تھے حضرت بندہ نوازؒ اپنے اوراد و وظائف کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز ہمیشہ پابندی کے ساتھ باجماعت ادا فرماتے اور ہر نماز کے بعد کچھ نہ کچھ ذکر و اشغال و وظائف ہوتے جو اس وقت ادا کرتے تھے۔

نماز فجر

حضرت بندہ نوازؒ تازہ وضو فرماتے جس سے نماز فجر باجماعت ادا فرماتے نماز فجر کے بعد وہ تمام وظائف اوراد جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے عطا کردہ ہیں پڑھنے کے بعد نماز اشراق کے چھ رکعت اسکے بعد چاشت کے چار رکعت ادا فرماتے اور کچھ دیر تلاوت کلام مجید فرمانے کے بعد خانقاہ میں تشریف لے آتے اور مخدوم زادوں کے ساتھ ہلکا سا ناشتہ کرتے ساتھ ہی مجلس وعظ و نصیحت منعقد ہوتی، جو لوگ سلام کرنے کے لئے آئے ہوئے ہوتے وہ اور سبق پڑھنے والے سب خانقاہ میں بیٹھ جاتے، خادم خاص قاضی سراج الدین، خانقاہ میں کھڑے ہوکر یہ فرماتے یاراں بسم اللہ، یہ سنکر سب لوگ ایک ساتھ اندر جا کر خانقاہ میں سلام عرض کرتے اور اپنے اپنے مقررہ مقام پر بیٹھ جاتے حضرت بندہ نوازؒ جس میں زیادہ تر علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور سلوک کا درس دیا کرتے اسکے بعد فاتحہ و تقسیم تبرکات پر مجلس کا اختتام ہوتا اسکے بعد تھوڑی دیر کے لئے قیلولہ فرماتے، جس کے بعد وضو کر کے نماز فی الزوال ادا فرماتے، بعد فراغت نماز کتابوں کی تصنیف و تالیف کا کام بھی انجام دیا کرتے تھے۔

نماز ظہر

جب نماز ظہر کا وقت ہوتا، نماز ظہر آپ باجماعت ادا فرماتے اور بعد نماز قرآن مجید کے تین پارے مراقبہ کے ساتھ فرماتے عمر کے ساتھ جب ضعف بڑھنے لگا، تو آپ بھی نماز بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے، نماز ظہر اور تلاوت کے بعد حسب عادت سابقہ پھر قاضی سراج الدین خانقاہ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر بلند آواز سے کہتے ''یاراں بسم اللہ'' یہ

سنتے ہی لوگ اندر جا کر آپ کے سامنے اپنی اپنی نذریں پیش کرتے مجلس میں آ کر بیٹھ جاتے، حضرت بندہ نوازؒ کچھ پندو نصیحت فرمانے کے بعد علم تفسیر، حدیث، فقہ، اصول معارف، تصوف وسلوک کے نکات بھی بیان فرماتے جس سے حاضرین مجلس بہت مسرور ہوتے، یہیں پر یہ مجلس اختتام پذیر ہوتی۔

نماز عصر

جب عصر کی نماز کا وقت ہوتا آپ تازہ وضو فرماتے اور نماز عصر با جماعت ادا فرماتے وظائف پڑھتے اسکے بعد دعا استفتاح بلا ناغہ پڑھتے تھے آخر عمر میں شاہ یداللہ حسینی قبول اللہ پڑھتے تھے اور آپ اس کو سماعت فرماتے تھے عصر کی چار سنتوں کے متعلق ارشاد ہوتا کہ اس کو ایسی احتیاط سے پڑھنی چاہئے جیسے سنت موکدہ پڑھ رہے ہوں بعد نماز عصر کسی سے ملاقات نہیں کرتے راست مجلس کا انعقاد فرمایا کرتے تھے۔

نماز مغرب

اسی درمیان مغرب کا وقت ہو جاتا ہے مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت صلوٰۃ الاوابین تین سلام کے ساتھ ادا فرماتے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھتے اور اسکے ساتھ سلامتی ایمان کے دو رکعت نفل نماز پڑھتے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے اور ایک مرتبہ سورہ فلق پڑھتے اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص اور ایک مرتبہ سورہ ناس پڑھ کر نماز ختم کرتے، سلام کے بعد سجدہ میں سر رکھ کر تین بار یا حی یاقیوم ثبتنی علی الایمان کہتے اور یہیں یہ مجلس ختم ہو جاتی۔

نماز عشاء

اسی دوران نماز عشاء کا وقت ہو جاتا، نماز عشاء با جماعت ادا فرماتے وتر سے قبل دو رکعت نفل نماز پڑھتے جس میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص دس مرتبہ پڑھتے، سلام کے بعد (٧٠) مرتبہ یا وھاب کہتے اکثر بعد نماز عشاء چھ رکعت نفل نماز ادا فرماتے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک مرتبہ آیۃ الکرسی اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے ہر دوگانہ کے اختتام میں سبحان الملک القدوس، تین مرتبہ پڑھتے، بعد نماز عشاء، دسترخوان ترتیب دیا جاتا خود بھی تناول فرماتے اور جو بھی حاضرین موجود رہتے وہ بھی استفادہ فرماتے بعد فراغت طعام پھر عبادت میں مشغول ہو جاتے اور اد وظائف و درود شریف اور سورہ اخلاص کے علاوہ سورہ یس وغیرہ پڑھا کرتے یہ وہ معمولات شب و روز تھے جسکو آپ پابندی کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔

نکاح

نکاح کرنا ایک سنت ہے اگر اس کو شریعت مطہرہ کے موافق انجام دیا جائے اور زندگی کو اطیعو اللہ والرسول کے اصولوں پر کاربند کرلیا جائے تو یہ ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ ایک عبادت ہے جسکی ادائیگی ضروریات زندگی کا ایک اہم حصہ بھی ہے اور فریضہ بھی۔

حضرت بندہ نوازؒ کی عمر جب چالیس برس کی ہوئی تو والدہ ماجدہ حضرت بی بی ملکہ خاتون کے حسب الحکم آپ نے بی بی رضا خاتون بنت سید جمال الدین مغربی سے نکاح فرمایا جو صوم وصلوٰۃ کی پابند اور خاندان سادات کے اصولوں کا عملی مجسمہ تھیں نکاح کے بعد انسانی زندگی کے عملی میدان میں تھوڑا بہت فرق آہی جاتا ہے مگر حضرت بندہ نوازؒ اپنی ازدواجی تعلقات کی بحالی کے بعد بھی آپ کے معمولات یومیہ میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں آیا اسی طرح شب وروز گزرتے رہے اور زندگی آگے بڑھتی رہی اللہ رب العزت نے یاوری فرمائی کہ آپ کو اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

اولاد

آپ کو جملہ پانچ اولاد ہوئیں جن میں دو صاحبزادے ۱) سید محمد اکبر حسینی ۲) سید محمد اصغر حسینی اور تین صاحبزادیاں ۱) سیدہ بی بی فاطمہ ۲) سیدہ بی بی بتول ۳) سیدہ بی بی ام الدین آپ کی آل و اولاد کی سیرت کے متعلق کیا کہا جائے دو جہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے کہ قال النبی ﷺ الولد سر لابیه لڑکا اپنی سیرت وکردار میں اپنے والد کا نمونہ ہوتا ہے بعینہ یہی اوصاف آپ کی اولاد میں ہمیں نمایاں نظر آتے ہیں، حضرت بندہ نواز خود اپنے صاحبزادے سید اکبر حسینیؒ کے تعلق سے اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں، ''میں نے اپنی عمر میں سید محمد اکبر حسینی کی طرح کوئی صوفی نہیں دیکھا کیونکہ ان کے مقام ومرتبہ کا عالم یہ ہے کہ عرش الٰہی کے نیچے سات اشخاص پہرہ دے رہے ہیں جن میں سے ایک سید محمد اکبر حسینی بھی ہیں اور انہیں مقام خطیر یہ قدس بھی عطا کیا گیا ہے جو مقام محمدی کی فراشی کا منصب ہے'' (سیر گلبرگہ وارمغان سلطان)

حضرت سید محمد اکبر حسینی کی اسی عظمت کے پیش نظر حضرت بندہ نواز نے یہاں تک فرمایا کہ :

''سید محمد اکبر حسینی کے کردار کو دیکھ کر طبیعت یہ چاہتی ہے کہ میں انہیں عبادت کے وقت وضو کے لئے پانی دینے کی خدمت انجام دوں محض بے ادبی وگستاخی کے پیش نظر احتراز کررہا ہوں'' حضرت سید محمد اکبر حسینیؒ نہ صرف روحانی اعتبار سے فضل وکمال کے حامل تھے بلکہ علمی حیثیت سے بھی آپ کا مقام ومرتبہ کسی بھی صاحب کمال سے کسی قدر کم نہیں تھا۔ آپ کی

بقیہ اولاد بھی ایسے ہی اوصاف و کردار کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے۔

دھلی سے دکن کی طرف مراجعت

حضرت بندہ نوازؒ اپنا دنیوی حصہ اور اس کے فرائض منصبی کی ادائیگی بھی بڑی عمدگی سے ادا کیا کرتے تھے، شادی اور ازداجی تعلقات اور آل و اولاد کی تربیت یہ تمام امور آپ کے معمولات شب و روز پر کبھی اثر انداز نہیں ہوئے بلکہ آپ ہر کام کو بڑے حسن و خوبی سے انجام دیا کرتے تھے۔ جب حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ (۷۵۷ھ) میں وصال فرما گئے تو مسند خلافت پر آپ متمکن ہو گئے اور اسی (۸۰) سال کی عمر تک اپنے پیر و مرشد کے جانشین کی حیثیت سے دہلی میں رشد و ہدایت کے فریضہ کو انجام دیتے رہے، جب دہلی کے حالات آثار و قرآن سے معلوم ہونے لگے کہ یہاں افراتفری، شر و فساد، قتل و غارت گری پھیلنے والی ہے تو حضرت بندہ نوازؒ ۷ ربیع الثانی (۸۰۱ھ) بمطابق ۱۷ دسمبر ۱۳۹۸ء کو اپنے اہل و عیال کے ہمراہ شہر دہلی کو خیر باد کہتے ہوئے دکن کی طرف عازم سفر ہو گئے!

''سیر محمدی'' کے مصنف علی سامانیؒ بھی اس سفر میں آپ کے ہم رکاب تھے آپ اس سفر کی تفصیل اس طرح بیان فرماتے ہیں:

حضرت بندہ نوازؒ جب مع اہل و عیال دہلی سے دکن کیلئے رخت سفر باندھا تو بہادر پور ہوتے ہوئے، گوالیر، بھاندیر، ایرچہ، چھترہ، چندیری، بڑودہ سے ہوتے ہوئے کھمبائیت پہنچے جہاں آپ نے علم تصوف و سلوک کی ترویج و اشاعت فرماتے ہوئے ۸۰۱ھ میں آپؒ گلبرگہ شریف تشریف لائے، یہ دور بہمنی سلطنت کے آٹھویں فرماں روا فیروز شاہ بہمنی کا دور تھا، جوں ہی آپؒ کی آمد کی خبر بادشاہ کو ہوئی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہیں قیام پذیر ہونے کی درخواست کی جسکو آپؒ قبول فرماتے ہوئے یہیں مقیم ہو گئے۔

خدمت خلق

مخلوق خدا کی ظاہری و باطنی اعتبار سے خدمت کرنے کو ہر مذہب کے ماننے والوں نے اس صفت کو اولیت کا مقام و مرتبہ دیا ہے حقیقت میں ایک دوسرے کی مدد و دستگیری کرنا اور مخلوق کے ساتھ رواداری و حسن سلوک کے ساتھ برتاؤ کرنا یہ صفت ہر مذہب کی نہ صرف روح ہے بلکہ اس کی اصلی غرض و غایت بھی ہے، یہ صفت جہاں اور سلاسل کے ماننے والوں میں پائی جاتی ہے وہیں سلسلہ چشتیہ کے اکابرین میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جیسا کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے تذکرہ میں یہ بات آئی ہے کہ ایک مرتبہ غیاث پور میں آگ لگ گئی، اس وقت موسم گرما تھا حضرت نظام الدین اولیاء

اس چلچلاتی دھوپ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے آگ لگنے کا منظر اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک کہ وہ بجھ نہ گئی، پھر اپنے مرید خاص خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا کہ جا کر گھروں کی گنتی کرو کہ کتنے گھر آگ سے متاثر ہوئے ہیں متاثرہ ہر گھر والے کو چاندی کے دو تنکے، دو روٹیاں اور ایک ٹھنڈے پانی کی صراحی دے آؤ، بستی کے سارے لوگ اس وقت بہت پریشان و مضطرب تھے، خواجہ اقبال کھانے کے اشیاء اور پانی کی صراحی اور چاندی کے دو تنکے لیکر ہر ایک متاثرہ گھر پہنچے تو لوگوں کی خوشی کی انتہاء نہ رہی لوگ اس وقت بہت پریشان و مضطرب تھے، خواجہ اقبال کھانے کے اشیاء اور پانی کی صراحی اور چاندی کے دو تنکے لیکر ہر ایک متاثرہ گھر پہنچے تو لوگوں کی خوشی کی انتہاء نہ رہی لوگ خوشی سے آب دیدہ ہو گئے کیونکہ دو تنکے اس زمانے میں اتنی قیمت رکھتے تھے کہ اس سے کئی جھونپڑیاں ڈالے جا سکتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اپنے اس عمل سے جہاں لوگوں کی باز آباد کاری کے عمل کو انجام دیا وہیں اپنے متبعین کو اصلاح معاشرہ و سماجی بقاء کے لئے ایک نمونہ بھی دیا ہے جس کو اپنا کر قوم اپنی بقا کی ضمانت حاصل کر سکتی ہے۔

ایسا ہی خدمت خلق کا عملی نمونہ حضرت بندہ نواز کی ذات بابرکت میں بھی ہمیں نظر آتا ہے، بندگان خدا اپنی ضروریات واحتیاجات کو لے کر آتے آپ ان کی ضرورتوں کے مطابق انہیں مرحمت فرما دیتے تھے، آپ کی اس داد و دہش کو دیکھ کر آپ کے پیر و مرشد حضرت نصیر الدین چراغ دہلی نے آپ کو بندہ نواز کے لقب سے ملقب فرمایا، اکابرین و بزرگان چشت کی نظر میں دین و مذہب نام ہے خدمت خلق واحترام آدمیت کا اس عمل سے بڑھکر کوئی عبادت ان کی نظر میں اہم نہیں ہے اور مخلوق خدا کا دل دکھانے سے بڑھکر کوئی گناہ انکی نظر میں نہیں ہے۔ سلسلہ چشتیہ کی تمام تر تعلیمات کا خلاصہ مخلوق خدا کی خدمت اور ان کی محبت میں ہی مضمر ہے، انہیں تعلیمات کا خلاصہ ہمیں مولانا رومؒ کی مثنوی شریف کے ان اشعار میں ملتی ہے۔

دل بدست آورد کے حج اکبر است　　صد ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنائے خلیل آذر است　　دل گزرگاہ جلیل اکبر است

آپ کا دوسرا اہم کارنامہ تصنیف وتالیف ہے جو اس سلسلہ کی اولین کڑی حضرت خواجہ حسن بصری سے لیکر حضرت نصیر الدین چراغ دہلی تک ہر کوئی علمی دنیا کا اپنی جگہ آفتاب و مہتاب بنا ہوا ہے، مگر کوئی بھی بزرگ تحریری دنیا میں اپنا کوئی کارنامہ نہیں چھوڑا یہ صرف حضرت بندہ نوازؒ کی ذات بابرکت تھی کہ جس نے قلم اٹھایا اور ایک سو پانچ کتابیں تحریر فرمائیں، جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں انہیں خدمات نے آپ کو چار دانگ عالم میں نہ صرف مشہور کر دیا بلکہ مخلوق خدا کے دل میں

آپ کی عظمت ومحبت کو جاگزیں کردیا، جس کا نتیجہ ہے کہ چھ صدیاں گزر جانے کے باوجود مخلوق خدا، دیوانہ وار آج بھی صبح و شام آپ کی زیارت کرنے کو آرہی ہے اور زیارت کر کے سعادت دارین سے استفادہ کررہی ہے اور آپ کا روضہ تمام مخلوق کے لئے آج بھی مرجع خلائق ہے۔

حضرت بندہ نوازؒ نے علمی اعتبار سے جہاں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچایا ہے وہیں ان ہی وقتاً فوقتاً اصلاح بھی کی ہے اور اپنے کشف وکرامات سے عوام الناس کو محروم نہیں رکھا بلکہ ضرورت کے مطابق حالات کے تقاضہ کے تحت اس زاویہ سے بھی مخلوق خدا کی خدمت فرمائی ہے۔

کشف وکرامات

کشف وکرامات یہ اللہ رب العزت کی دین سے اولیاء اللہ میں سے اللہ رب العزت جیسے چاہتا ہے انہیں اس نعمت سے سرفراز فرماتا ہے مگر اولیاء اللہ اسکے باوجود اسکے اظہار سے ہمیشہ گریز کرتے رہتے ہیں، جب زمانہ کا تقاضہ اور حالات کا مطالبہ مجبور کرتا ہے تو ایسے ناگزیر حالات میں اولیاء اللہ سے ایسے کشف وکرامات کا ظہور صدور ہوتا ہے جیسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا اناساگر والا واقعہ اور حضرت بختیار کاکیؒ کا اپنے مرید وخلیفہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی آنکھ کی واپسی کا واقعہ، حضرت بابا فرید الدینؒ گنج شکر کی دعا سے باندی کی آزادی کا واقعہ یہ تمام واقعات بزرگوں کے کشف وکرامات تعلق رکھتے ہیں آج بھی یہ تمام واقعات تاریخی کتابوں کی زینت بنے ہوئے ہیں اور آج تک اپنی اہمیت کا پتہ دے رہے ہیں۔

ایسے ہی حضرت بندہ نوازؒ کے کشف وکرامات کے واقعات بھی ہمیں آپ کی سوانح حیات میں ملتے ہیں ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے تحت چند واقعات یہاں پیش کئے جارہے ہیں آپ کی یہ ایک انوکھی کرامت جس کی طرف مورخین نے اشارہ فرمایا ہے کہ، حضرت بندہ نوازؒ کو رویا صادقہ کے ذریعہ تیمور کی دہلی میں آمد اور اسکی بربادی وبدنظمی کا حال وقت سے پہلے معلوم ہوگیا تھا، چنانچہ حضرت بندہ نواز اہل دہلی کو آنے والی مصیبت سے آگاہ کردیا تھا جسے سن کر تمام اہل دہلی اپنی اپنی جان بچا کر دہلی چھوڑ کر جانے لگے اور خود رہ گئے ۱۳۹۸ء میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی پہنچ کر ہزاروں بے گناہ انسانوں کو تہ تیغ کیا۔ (از شبستان، ۱۹۷۸ء)

ایک اور مشہور ومعروف کرامت یہ ہے کہ، حضرت بندہ نواز کے قیام گوالیار کے دوران حضرت کے میزبان شیخ علاؤالدین گوالیاریؒ نے آپ سے درخواست کی کہ وہ انکے بھائی مولانا شمس الدین کے حق میں دعا خیر فرمائیں کہ وہ بیماری

سے نجات پائیں اور صحت یاب ہو جائیں، آپ نے انکی یہ بات سنکر فرمایا کہ آپ کے بھائی صرف دس روز زندہ رہیں گے اس پر شیخ علاؤالدینؒ نے عرض کیا کہ حضور انکے ایمان کی سلامتی کے لئے دعا کیجئے، حضرت بندہ نوازؒ نے فرمایا یہ دعا میں پہلے ہی ان کے حق میں کر چکا ہوں، ٹھیک دس روز کے بعد مولانا شمس الدین کا وصال ہو گیا، شیخ علاؤالدین نے اپنے مراقبہ میں محسوس کیا کہ انکے بھائی ان سے کہہ رہے ہیں برادر محترم میرا بہت برا حال ہوتا اگر بندہ نواز مجھے آنحضورﷺ کے سپرد نہ فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت بندہ نوازؒ وضو فرما رہے تھے کہ جبکہ آپ کی عمر ۱۲ ار برس کی تھی کوّے نے آپ کے وضو کے پانی میں بیٹ کر دیا، آپ کی نگاہ غضب کوّے پر پڑی وہ کوّا اسی وقت زمین پر گر پڑا اور مر گیا آپ کی والدہ محترمہ نے اس منظر کو دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، والدہ محترمہ کی نصیحت کو سن کر آپؒ نے کوّے کی طرف اشارہ کیا اسی وقت وہ کوّا زندہ ہو گیا اور خلاؤں وفضاؤں میں اڑتا ہوا گم ہو گیا۔

وصال

بار دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو ایسا کچھ کر کے چلو یاں کے بہت یاد رہو

لوگ دنیا میں آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جو دنیا میں اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جاتے ہیں، انہیں اکابرین میں سے ایک شخصیت حضرت بندہ نوازؒ کی بھی ہے جو اپنے کارناموں کی وجہ سے رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیگی۔ حضرت بندہ نوازؒ جب تک دہلی میں مقیم رہے چشتیہ تعلیمات کے فیوض و برکات سے ساری دہلی کو مستفیض فرماتے رہے جب دہلی کو خیر باد کر کے گلبرگہ پہنچے تو یہی رشد وہدایت کی تعلیمات کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہا اور متلاشیان حق وصداقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کے فیوض و برکات سے استفادہ کرتے تھے جب آپ کی عمر ۱۶ ار ذی قعدہ ۸۲۵ھ بمطابق یکم نومبر ۱۴۲۲ء کو پہنچی تو بعد نماز عشاء آپ پر بھی دوسرے صوفیائے چشت کی طرح استغراق کا غلبہ ہونے لگا، عشاء کی نماز نقاہت کی وجہ سے اشاروں سے ادا فرمائی تھوڑی دیر کے بعد افاقہ ہوا تو دوبارہ نماز عشاء ادا کی تہجد کے وقت اتنا ہوش نہیں تھا کہ نماز تہجد پڑھ سکیں یہی کیفیت صبح تک رہی اشراق و چاشت کا وقت تھا کہ سعادتوں و برکتوں کا یہ سرچشمہ سن ۸۲۵ھ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے پردہ کرتے ہوئے اپنے محبوب حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆☆☆☆☆

دو مبارک راتیں

مولوی سید نیاز احمد جمالی آمری، پرنسپل، دارالعلوم جمالیہ، چنئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الحمدللّٰہ الذی خلق الایام واللیالی،ونورمنھا بعضھا کاللآلی۔والصلاۃ والسلام علی افضل البشر فی المبادیٔ والمآلی۔وعلی الہ وصحبہ الذین ھم اھل النوالی امابعد۔

خالقِ ارض وسماوات نے ایام ولیالی کی گردش کو اپنی قدرت کی ایک نشانی بنایا ہے۔رات کا جانا اوردن کا آنا اور بالکل اسطرح دن کا ختم ہونا اوررات کا شروع ہونا یقیناً اُسکی قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔

پروردگارِ عالم نے چندراتوں کو عجیب فضیلت اور بے پناہ عظمت سے سرفراز کیا ہے۔ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ اُن راتوں کی قدر کریں اوراُنکی برکتوں سے مالامال ہوجائیں۔

شبِ برأت:

یہ ماہِ شعبان کی پندرھویں رات ہے ویسے تو شعبان کا پورا مہینہ فضائل کا حامل ہے مگر مذکورہ رات کو ایک گونہ خصوصیت حاصل ہے۔ماہِ شعبان کے فضائل کا تذکرہ کرتے ہوے ہمارے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شَعْبَان شَھْرِیْ وَرَمَضَانُ شَھْرُاللّٰہ یعنی شعبان میرا مہینہ ہےاور رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے(دیلمی)

ناظرین! جس چیز کو ہمارے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہوجائے وہ چیز لائق احترام اور مشرّف ہوجاتی ہے۔چنانچہ ماہِ شعبان ایک عظیم مہینہ صرف اسلئے ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا اوراسے اپنا مہینہ قراردیا ہے۔اِس ماہِ مبارک کی پندرھویں رات بڑی بافضیلت اور پُرعظمت ہے جسے شبِ برأت کہاجاتا ہے۔

خلاّقِ کائنات جل جلالہ نے شبِ برأت کے متعلق سورۂ دخان میں فرمایا۔ حٰمٓ ٥ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ ٥ اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ٥فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ٥

ترجمہ : حٰم۔روشن کتاب کی قسم! بے شک اس کتاب کو ہم نے ایک بابرکت رات میں نازل کیا۔ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔ ہر حکمت والا کام اس رات تقسیم کیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شبِ برأت برکتوں والی رات ہے اور اس میں اہم اور مضبوط کام فرشتوں کے سپرد کردئے جاتے ہیں۔مثلاً ہر شخص کے رزق کے بارے میں فیصلہ کردیا جاتا ہے کہ سال بھر اسے کس قدر رزق ملے گا اور وہ کتنا استعمال کرے گا۔ بالکل اسی طرح موت کے بارے میں بھی فیصلہ ہوجاتا ہے کہ کون شخص آئندہ سال تک زندہ رہیگا اور اسے کہاں موت آئیگی۔

مشکوٰۃ المصابیح کی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل اس بابرکت رات مین آسمانِ دنیا پر اپنے نزول بااجلال سے تجلی خاص فرماتا ہے۔اپنی بے پناہ رحمت ومہربانی سے اپنے بندوں کو پکارتا ہے، اُسکی رحمت بھری صدائیں پوری رات جاری رہتی ہیں۔ چنانچہ حدیثِ پاک کے الفاظ یوں ہیں کہ الامن مستغفر فاغفرله۔ ہےکوئی جو آج کی رات ہم سے معافی مانگے تاکہ ہم اسے معاف کردیں۔ الامن مسترزق فارزقه ۔ہےکوئی جو آجکی شب مجھ سے رزق کا سوال کرے تاکہ میں اسے رزق عطا کردوں۔الامن مبتلی فاعافیه۔ ہےکوئی جو مصیبت زدہ ہوتا کہ اسکی مصیبت کو دور کردوں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبیٔ رؤوف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ان اللّٰه لیطلع فی لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه الالمشرك او مشاحن۔

ترجمہ : بے شک اللہ ربّ العزت ماہِ شعبان کی پندرھویں شب کو تجلی فرماتا ہے اور اپنی ساری خلقت کو معاف فرمادیتا ہے سوائے مشرک اور کینہ ور کے (مشکوٰۃ)

مشکاۃ وغنیۃ الطالبین کی روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ایک رات اچانک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے کمرہ سے غائب ہوگئے، میں آپ کی تلاش وجستجو میں نکلی، میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں جلوہ فرما ہیں۔اس وقت حضور کا سرِ مبارک آسمان کی طرف تھا۔جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا کیا تو ڈرگئی کہ اللہ اور اسکے رسولؐ تجھ پر ظلم کرینگے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! میں نے یہ سوچا کہ آپ اپنی کسی اہلیہ کے ہاں تشریف لے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ماہِ شعبان کی پندرھویں شب ہے اور اس رات اللہ تعالیٰ قبیلۂ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات اپنے بے شمار بندوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں رات اللہ عزوجل اپنی ساری مخلوق کی طرف تجلی فرماتا ہے اور سب کو بخش دیتا ہے سوائے کافر اور عداوت رکھنے والے کے (طبرانی)

اس حدیث کو نقل کر کے مفتی امجد علی رضوی علیہ الرحمہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف بہارِ شریعت میں رقمطراز ہیں ”جن دو شخصوں میں دنیوی عداوت ہو تو اس رات کے آنے سے پہلے انہیں چاہئے کہ ہر ایک دوسرے سے مل جائے اور ہر ایک دوسرے کی خطا معاف کر دے تا کہ مغفرتِ الٰہی انہیں بھی شامل ہو۔

بیہقی کی روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے عائشہ! کیا تو اس رات کی اہمیت جانتی ہے؟ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس رات کی فضیلت کیا ہے؟ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ! اس سال جو بچے پیدا ہونے والے ہوتے ہیں وہ اسی رات میں لکھے جاتے ہیں اور اسی رات اس سال مرنے والوں کے نام لکھدئے جاتے ہیں۔ اور اسی رات لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور اسی میں ان کا رزق اتارا جاتا ہے۔

شبِ قدر:

یہ وہ مبارک رات ہے، جسکی فضیلت واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مستقل سورت نازل فرمائی جسکا نام ہے: سورۃ القدر، پروردگارِ عالم کا ارشاد ہیکہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ بے شک ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا، وما ادراک مالیلۃ القدر۔ تم کو کیا خبر کہ یہ شبِ قدر کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ شبِ قدر کی فضیلتوں اور عظمتوں کو تم نے کیا جانا؟ لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ یعنی شبِ قدر تو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر۔ اس رات فرشتے اور روح الامین حضرتِ جبرئیل علیہ السلام اپنے رب کے حکم سے تمام معاملات کو لیکر اترتے ہیں۔ سلام ھی حتی مطلع الفجر۔ یہ رات طلوعِ فجر تک سلامتی کے ساتھ قائم رہتی ہے۔

تفسیر جلالین میں انا انزلناہ کے تحت تحریر کیا گیا ہے کہ ای القرآن جملۃ واحدۃ من اللوح المحفوظ الی سماء الدنیا۔ یعنی رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس قرآن کو ہم نے پورا اور مکمل یعنی اس کے تمام سوروں اور آیتوں کے ساتھ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا تک ایک ہی رات میں اتارا اور وہ رات شبِ قدر ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام وقتاً فوقتاً حسبِ اقتضاء حال تیئیس سالہ مدت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قرآن کو لاتے رہے۔ قرآن مجید کا بیک وقت

لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا تک اترنے کو انزال کہتے ہیں اور کچھ کچھ مختلف وقتوں میں جو قرآن اُتارا گیا اسے تنزیل کہتے ہیں

شبِ قدر احادیث کے آئینہ میں

شبِ قدر کی فضیلت وعظمت کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں چند مشہور حسب ذیل ہیں۔

بخاری ومسلم کی حدیث ہیکہ ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحروا الیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان۔ یعنی اے مومنو! شبِ قدر کو ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

حدیث مذکورہ بالا سے پتہ چلا کہ شبِ قدر ماہِ رمضان کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شبِ قدر اس ماہ کے آخری دہے میں ہے۔ اسی لئے مسلمانانِ عالم رمضان کے آخری عشرہ میں قیام اللیل کا اہتمام کرتے ہیں۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ من قام لیلة القدر ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بحالتِ ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے شبِ قدر کے موقعہ پر نفل عبادتیں انجام دیگا تو اسکے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قلت یا رسول اللہ ارأیت ان علمت ایّ لیلة لیلة القدرہ ما اقول فیھا؟ قال قولی اللھم انک عفو کریم تحب العفوفاعف عنی رواہ الترمذی واحمد والنسائی۔

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا روایت کرتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر مجھے پتہ چل گیا کہ یہ رات شبِ قدر ہے تو فرمائیے کہ اس رات میں کیا دعا کروں؟ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ! تم یوں دعا مانگو کہ اے اللہ! بے شک تو معاف فرمانے والا اور کرم والا ہے۔ تجھے معاف کرنا پسند ہے پس مجھے معاف فرمادے۔ (ترمذی، احمد، نسائی)

تفسیر عزیزی میں شبِ قدر کے متعلق چند باتیں مذکور ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) اس رات شام سے صبح تک بندوں کی طرف خدا کی تجلی متوجہ ہوتی رہتی ہے۔

(۲) اس رات ملائکہ اور ارواح عبادت کرنے والوں کی ملاقات کیلئے آسمان سے زمین پر اترتے

ہیں۔ملائکہ کی حاضری کی وجہ سے عبادت میں کیفیت ولذت محسوس کی جاتی ہے۔عبادت کے اندر ایسی کیفیت دیگر راتوں میں محسوس نہیں ہوتی۔

(۳) قرآن مجید اسی رات میں نازل ہوا یہ ایسی شرافت ہے جسکی کوئی انتہا نہیں۔

(۴) فرشتوں کی پیدائش اسی رات میں ہوئی۔

(۵) اسی رات بہشت میں باغات لگائے گئے۔

(۶) اسی رات حضرت آدم علیہ السلام کا مادّہ جمع کیا گیا۔

کشف الغمہ میں ہے کہ اس رات سمندر کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔انسانوں اور جنات کے سوا ساری مخلوقات سجدہ ریز ہو جاتی ہے اور اس وقت جو دعا مانگی جاتی ہے وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے۔صاحبِ کشف کو اس گھڑی کا پتہ لگ جاتا ہے۔

الغرض شبِ قدر بے شمار فضائل ومحاسن کی حامل ہے۔مسلمان کو چاہئے کہ وہ ایسی بابرکت راتوں کو فضول کاموں میں یا غفلت کی نیند میں ضائع نہ کرے۔بارگاہِ خداوندی میں دعا ہیکہ مولیٰ تعالیٰ وہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں ان مقدس راتوں کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔آمین واٰخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

مظہر حق

علامہ آمر کلیمی شاہ نوری

ہر مظہرِ عالم میں نظر آئے محمدؐ
ہے مظہرِ حق صورتِ والائے محمدؐ

جس جا بھی محمدؐ ہیں ادھر حق ہے یقیناً
ہے حضرتِ حق خود بہ تجلائے محمد

ہر ذرۂ عالم بنا آئینہ احمدؐ
ہر سمت میں ہر آن نظر آئے محمدؐ

کلمے میں محمدؐ ہے نمازوں میں محمدؐ
اسرارِ محمدؐ کہیں افشائے محمدؐ

ظاہر میں محمدؐ ہے تو باطن میں خدا ہے
مل جائے خدا جس کو بھی مل جائے محمدؐ

مَا یَنطِقُ ہے دال اسی بات پہ واللہ
منشائے خداوندی ہے منشائے محمدؐ

پوچھیں جو نکیرین مری قبر میں آکر
"ہے کون ترا رب" کہوں مولائے محمدؐ

رو رو کے پکارا انہیں او رحمتِ عالم
کیا ہوگیا کہتے ہوئے خود آئے محمدؐ

بولا کہ اب آمر کو ذرا چین نہیں ہے
بس ایک نظر آپ کی ہوجائے محمدؐ

نواب ٹیپو سلطانؒ کی سیرت و شخصیت، رعایا پروری، مذہبی رواداری اور انتظامِ سلطنت کی جھلکیاں- تاریخی تناظر میں

ڈاکٹر سید سجاد حسین
پروفیسر وصدر شعبۂ اردو،
مدراس یونی ورسٹی، چنئی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب نواب حیدر علی اپنی بیگم فخر النساء کے ساتھ دل میں بیٹے کی حسرت لئے حضرت ٹیپو مستان اولیاء (آرکاٹ) کے دربار میں حاضر ہوئے تو وہ قبولیت کی گھڑی رہی ہوگی۔ اس حاضری کے بعد کچھ ہی مدت میں حیدر علی کی مراد پوری ہوئی اور ۲۰ رنومبر ۱۷۵۰ء کو جمعہ کے دن اس کے یہاں وارث تخت و تاج پیدا ہوا۔ خاندان والوں نے دادا کی یاد تازہ کرنے کے لئے لڑکے کا نام فتح علی رکھا جب کہ حیدر علی نے حضرت ٹیپو اولیاء کی نسبت سے نومولود کے لئے ٹیپو کا متبرک نام تجویز کیا جو آگے چل کر ٹیپو کی زندگی میں نام آوری کا سبب بنا اور تاریخ کے صفحات پر بھی زندہ جاوید ہوگیا۔

نواب حیدر علی خود اگر چہ ناخواندہ تھے تاہم انھوں نے اپنے بیٹے ٹیپو سلطان کو ایک مسلمان شہزادہ کے شایان شان تعلیم دینے کے لئے رواج کے مطابق قابل معلم مقرر کئے۔ ٹیپو کو شہ سواری، بندوق بازی اور تیغ زنی کی بھی باقاعدہ مشق کرائی گئی۔ فوجی معائنے کے وقت بھی وہ اپنے باپ کے ساتھ رہتا تھا تا کہ فوجی تربیت اور قواعد سے واقفیت حاصل کرے۔ نواب حیدر علی نے ٹیپو کو فوجی تربیت کے ساتھ اسے اس وقت کے جدید فنونِ حربیات سے بھی روشناس کرایا جو یوروپی فوجی دستوں میں رائج تھے۔ ٹیپو کا فوجی معلم غازی خاں نامی ایک شخص تھا جو نواب حیدر علی کی ہنگامی فوج کا بہترین افسر تھا۔ لیکن اُن معلموں کے نام معلوم نہ ہوسکے جنھوں نے ٹیپو کو اردو، فارسی اور کنڑ زبانیں اور قرآن وفقہ کی تعلیم دی تھی۔

۱۷۸۲ء میں نواب حیدر علی کے انتقال کے بعد جب ٹیپو جاہ وجلال اور تزک و احتشام کے ساتھ تخت نشین ہوا تو اس وقت وہ صرف ۳۲ برس کا تھا اور اسے ایک وسیع وعریض سلطنت کا کاروبار سنبھالنا تھا جو شمال میں دریائے کرشنا تک

جنوب میں ٹراونکوراور ٹیناولی کے اضلاع تک مشرق میں مشرقی گھاٹ تک اور مغرب میں بحرعرب تک پھیلی ہوئی تھی۔

سلطنت خداداکے اس عادل وقابل حکمراں نواب فتح علی ٹیپوسلطان کے حالات زندگی اس کے عادات واطوار، اس کا طرزحکومت، اس کے اخلاق حسنہ، اس کا جذبۂ جہاد، اس کی بے تعصبی اور رواداری، اتحاد بین الاقوام ہنداور اتحاد بین المسلمین کے لئے اس کے مساعئ جمیلہ پر نظرڈالنے سے پتہ چلتاہے کہ اس کے پیش نظر کیسے اعلیٰ اور عظیم الشان مقاصد تھے ۔لیکن ٹیپو کی شہادت کے بعد کریک پیٹرک(Krik Patrick)اور ویلکس(Wellicks)نے ٹیپو کو جس طرح ظالم، عدم رواداراور متعصب حکمراں کے طور پر تاریخ کے صفحات پر پیش کرنے کی کوشش کی اور اس کی شخصیت کو تھامسن اور گیریٹ نے جس طرح ننگِ انسانیت بنا کر پیش کیا افسوس صد افسوس کہ ان غلط بیانیوں کو ہندوستانی مؤرخین نے بھی آنکھ بند کر کے قبول کرلیا۔شکر ہے کہ ان میں سے بعض حق گو اور منصف مزاج مؤرخین نے ٹیپو کو ایک شفیق حکمراں، عادل بادشاہ، رعایا پرور حاکم اور روشن خیال فرمانروا کے روپ میں پیش کیا جس نے اپنی حکومت میں ہندوؤں کو اعلیٰ منصب عطا کئے انھیں پرستش کی مکمل آزادی دے کر مندروں اور برہمنوں کو معافیاں دیں۔ بت تراشنے کے لئے رقمیں دیں اور ایک موقع پر تو مندر تعمیر کرنے کا بھی حکم دیا۔

اپنے باپ کی طرح ٹیپو سلطان نے بھی ہندوؤں کو ذمہ دار عہدوں پر مامور کیا تھا۔ پورنیا کو میر آصف کے بے حد اہم منصب پر اور کرشنا راؤ کو افسر خزانہ کے عہدے پر اس نے فائز کیا تھا۔شمیا آئنگر ڈاک اور پولس کا وزیر تھا اس کا بھائی نرسنگا راؤ بھی سری رنگا پٹنم میں اہم عہدوں پر فائز تھا۔سری نواس راؤ اور اپا جی رام ٹیپو کے معتمدِ خاص تھے جنھیں اہم سفارتی مشنوں پر بھیجا جاتا تھا۔مول چند اور سوجان رائے مغل دربار میں اس کے وکیل تھے۔ نائک راؤ اور نائک سنگانا پر سلطان کو حد درجہ اعتماد تھا۔سلطان کا پیش کار خاص سباراؤ ہندو تھا۔اس کا ایک منشی نرسیّا بھی ہندو ہی تھا۔ایک برہمن کو 'کورگ' کا فوجدار مقرر کیا گیا تھا۔ایک اور برہمن کو ملابار کے جنگل کاٹنے کا بلا شرکت غیرے ٹھیکہ دے رکھا تھا۔ٹیپو کے بہت سے عامل اور افسران خزانہ ہندو تھے۔فوج میں بھی ہندوؤں کو اہم عہدے دے گئے تھے۔ ہری سنگھ بے قاعدہ سواروں کا رسالدار تھا۔شیواجی جو مرہٹہ تھا اس کے ہاتھ میں تین ہزار سواروں کی کمان تھی۔ راما راؤ نامی ایک برہمن بھی فوجی سواروں کا کمانڈر تھا۔

میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر راؤ بہادر نرسمہا چار کو ۱۹۱۶ء میں خطوط پر مشتمل ایک پلندہ سرنگیری کے مندر میں ملا تھا۔ٹیپو کے یہ خطوط جو مندر کے پجاری کے نام لکھے گئے تھے ان سے سلطان کی مذہبی پالیسی پر اچھی خاصی روشنی

پڑتی ہے۔تاریخ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جب مرہٹوں نے سرنگیری پر حملہ کیا تو انہوں نے وہاں کی آبادی کو نہ صرف جانی و مالی نقصان پہنچایا بلکہ وہاں کی مندر کی ساری قیمتی املاک کو لوٹا اور سارداد یوی کی مورتی کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس کی بے حرمتی کی۔اس واقعہ کی خبر جب ٹیپو کو دی گئی تو اسے بے حد رنج ہوا۔اس نے فوراً اپنے معتمدِ خاص کو یہ حکم دیا کہ سارداد یوی کے مندر کی تعمیر کے لئے دوسوراحتی اشرفی نقد دوسوراحتی غلہ اور دوسرا سامان راحت جس کی ضرورت ہوفراہم کیا جائے۔مندر میں دیوی کی مورتی نصب کئے جانے کے بعد پجاری نے بطور احسان مندی ٹیپو کے لئے پرساد اور شال بھیجی۔

ٹیپو کے وہ تمام خطوط جو مندر کے پجاری کے نام لکھے گئے وہ سب کے سب نہایت ادب واحترام اور پرتعظیم لب و لہجہ میں لکھے گئے تھے جس سے ایک مقدس شخصیت کے لئے اس کے دل میں احترام کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ان خطوط سے اس خیال کی تردید بھی ہوجاتی ہے کہ ٹیپو اپنی ہندو رعایا پر ظلم کرتا تھا۔اگر وہ متعصب ہوتا تو ایک پجاری کو نہ تو وہ جگت گرو لکھتا اور نہ مورتی نصب کراتا اور ہندو مذہبی تقریبات کے لئے روپیہ اور سامان ہی فراہم کرتا۔

مزید براں ٹیپو نے سرنگیری کے مندر ہی تک اپنی سرپرستی محدود نہیں رکھی اس نے اپنی مملکت کے دوسرے مندروں کی بھی سرپرستی کی۔تعلقہ نجن گوڈ کے ایک گاؤں کُلالے کے مندر میں نقرئی ظروف چار پیالوں ایک پلیٹ اور اُگالدان پر کندہ عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ٹیپو نے مندر کی نذر کئے تھے۔ ''میلوکوٹ'' کے نرائن سوامی مندر کے لئے جواہرات اور چاندی کے برتن نذر کئے اور اسی مندر کو ۱۷۸۵ء میں بارہ ہاتھی اور ۱۷۸۶ء میں ایک نقارہ بھی نذر کیا تھا۔سرنگا پٹنم کے رنگا ناتھ مندر میں بھی چاندی کے سات پیالے اور ایک کافوردان ہے جن پر کندہ عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹیپو سلطان نے مندر کے لئے تحفۂ پیش کئے تھے۔

دریائے تنگ بھدرا کے کنارے کنڑ رسم الخط کا ایک منظّم سنسکرت کتبہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ ٹیپو نے برہمنوں اور مندروں کو معافیاں عطا کی تھیں۔برہمنوں اور مسافروں کو کھلانے اور ان کو ٹھہرانے کے لئے اراضیاں وقف کی تھیں۔مذہبی رواداری کی اس سے بہتر مثال کیا ہوسکتی ہے کہ ٹیپو سلطان نے ہندوؤں کو پوجا پاٹ کی نہ صرف مکمل آزادی دی تھی بلکہ ہندو تہواروں میں وہ بہ نفس نفیس حصہ لیتا اور اس موقع پر جو آتش بازیاں چھوڑی جاتیں اس کے سارے اخراجات وہی برداشت کرتا تھا۔ایک فرانسیسی افسر کے بیان کے مطابق ٹیپو نے کاشتکاروں کو خوشحال بنایا اور ہندوستانی تاجروں کو تحفظ دیا۔انگریز بھی جب تک اپنی مصلحتوں اور جذبات کی رو میں بہے نہیں تھے اس وقت تک ٹیپو کے کردار اور

اس کے انتظام سلطنت کے بارے میں ان کی رائے بھی اچھی تھی۔ مدراس کے گورنر میکارٹنی نے ٹیپو کے مزاج اور رجحان طبع سے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اپنے باپ حیدر علی کے مقابلے میں وہ زیادہ خداترس اور متمدن کردار کا مالک ہے۔ حتیٰ کہ ٹیپو کے کٹر دشمن ''ڈنداس'' نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حیدر علی کے بعد میسور کی سلطنت کا خاتمہ ہی ہوجاتا اگر ٹیپو سلطان کو اپنے باپ کی اہلیت و دوراندیشی کی میراث نہ ملی ہوتی۔

فروری ۱۷۹۰ء میں برطانوی پارلمنٹ کے ایک ممبر کو ہندوستان سے ایک انگریز نے لکھا تھا کہ مشرق کے تمام فرمانرواؤں میں ٹیپو صرف ہمت و جرأت ہی میں فوقیت نہیں رکھتا ہے بلکہ اس کے کردار کے بہت سے پہلو اسکی تصویر کے مقابلے میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مور، ڈائرم، میکنزی اور سر جان شور کو بھی اعتراف تھا کہ ٹیپو ایک رحم دل، شفیق آقا اور ایک لائق اور ہر دلعزیز حکمراں تھا جسے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ رینل نے بھی جو سلطان سے انتہائی عناد رکھتا تھا اعتراف کیا ہے کہ اس میں مالیات کی اور جنگ کی عظیم اہلیتیں موجود تھیں۔ ایک اور متعصب انگیز مؤرخ مل (Mill) کو اس کے سوا لکھنے کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ داخلی حکمرانی میں بڑے سے بڑے مشرقی فرمانروا سے اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اس کی قلمرو میں بہترین زراعت ہوتی تھی اور اس کی رعایا ہندوستان میں سب سے زیادہ خوشحال تھی۔

ٹیپو باوقار شکل وصورت کا مالک تھا۔ اس کا رنگ گندمی، ہاتھ پیر مضبوط اور توانا، آنکھیں روشن اور گردن موٹی تھی۔ اس نے داڑھی نہیں رکھی تھی لیکن اپنے باپ کے برعکس بھویں، پلکیں اور مونچھیں تھیں۔ ٹیپو کے لباس میں سادگی مگر نفاست ہوتی تھی اور اپنے درباریوں کو بھی سادگی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا تھا۔ دربار کے وقت وہ بیش قیمت لباس زیب تن کرتا لیکن دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کے برعکس وہ ہیرے جواہرات استعمال نہ کرتا تھا۔ روزانہ سولہ گھنٹے وہ تندہی سے کام کرتا طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے وہ بستر سے اٹھ جاتا، غسل کرتا اور نماز فجر کے بعد تلاوتِ قرآن سے فارغ ہوکر ورزش کرتا پھر اپنے فوجی اور غیر فوجی افسروں کو باریاب کرنے کے لئے دربار ہال میں جاتا۔ یہاں سے پھر وہ جمعدار خانہ کے معائنے کے لئے جاتا جہاں مختلف شعبوں کے داروغاؤں کو ہدایت دینے کے بعد نو بجے اپنے دو تین بیٹوں اور چند افسروں کے ساتھ ناشتہ کرتا جو اخروٹ، بادام، پھل اور دودھ پر مشتمل ہوتا۔ ناشتے کے بعد ٹیپو جب لباس فاخرہ زیب تن کرکے دربار عام میں داخل ہوتا تو تخت شاہی کے سامنے تمام شعبوں کے سربراہوں کے علاوہ اس کے فارسی، کنڑ، تلگو اور مراٹھی سکریٹری بیٹھتے جن سے وہ خط لکھواتا پھر اسی موقع پر مختلف شعبوں کے ماہانہ حسابات بھی وہ دیکھتا اور احکام جاری کرتا تھا۔

تین بجے کے قریب سلطان دربار سے اٹھ کر خواب گاہ میں جاتا اور وہیں ظہر کی نماز ادا کرتا۔ غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد بازار سے ہوتا ہوا محل کو واپس لوٹتا اور محل پہنچنے کے بعد مختلف شعبوں کی کارگزاریاں اور دن بھر کی خبریں سنتا پھر احکام جاری کرتا تھا۔ رات کے کھانے میں اس کے تین بیٹے اور چند خاص افسر اکثر شریک رہتے۔ کھانے کے بعد محفل برخواست کر کے کچھ دیر وتنہا چہل قدمی کرتا پھر بستر پر لیٹ کر وہ مذہبی یا تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے سو جاتا۔

ٹیپو نے بارہ بیٹے چھوڑے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں؛ فتح حیدر، معین الدین سلطان، عبدالخالق سلطان، معز الدین سلطان، محمد سبحان سلطان، شکر اللہ سلطان، غلام احمد سلطان، غلام محمد سلطان، سرور الدین سلطان، محمد یٰسین سلطان، جمیل الدین سلطان اور منیر الدین سلطان۔ کرمانی کے بیان کے مطابق ٹیپو نے صرف ایک لڑکی چھوڑی تھی جس کی حسین علی خان سے شادی ہوئی تھی۔ لیکن آرتھر ولزلی نے چار لڑکوں کے اور میرویٹ نے آٹھ کے نام لئے ہیں۔

ٹیپو سلطان نہایت مہذب، با اخلاق، دور اندیش اور فطرتاً شفیق حکمراں تھا۔ اپنے بیٹوں کو اس نے معقول تعلیم و تربیت دی۔ وہ اپنی ماں کا بھی بے حد احترام کرتا تھا اور ہمیشہ ادب سے انھیں مخاطب کرتا۔ باپ کی بھی وہ حد درجہ تعظیم کرتا اور ریاستی پالیسی میں بھی ان کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ ٹیپو کو اپنے دوستوں اور مصاحبوں سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ اپنے افسروں کے ساتھ ٹیپو کا سلوک شفقت آمیز ہوتا تھا۔ ان کی صحت کی بھی اسے فکر رہتی تھی۔ اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو ان کے لئے وہ دوائیاں بھی تجویز کرتا تھا۔ اسے اپنے فوجیوں کا بھی بے حد خیال رہتا تھا۔ زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کا خاطر خواہ انتظام کرتا اور جنگ میں کام آنے والے سپاہیوں کے عزیزوں کو انعام کے نام پر وظائف جاری کرتا تھا۔ ان اسباب کی بناء پر فوج میں ٹیپو حد درجہ مقبول اور ہر دلعزیز تھا۔

ٹیپو اپنے افسروں اور فوجیوں میں ہی نہیں بلکہ اپنی رعایا میں بھی بے حد مقبول تھا۔ رعایا کی خوشحالی کے لئے زراعت و تجارت کو ترقی دی۔ سڑکیں بنوائیں، نئی تقویم، ناپ تول اور پیمائش کے نئے پیمانے اور نئے سکوں کی ایجاد میں بھی وہ اپنی تخلیقی اہلیت صرف کیا کرتا تھا۔ اس نے قحبہ گری اور نشہ آور اشیاء کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ وہ پہلا مشرقی حکمراں تھا جس نے ملکی انتظامات میں مغربی طور طریقوں سے کام لیا، مغربی علوم کو وہ مشتبہ نظروں سے نہیں دیکھتا تھا بلکہ ان سے ملک کے دفع اور معاشی حالت کو بہتر بنانے کا اس نے کام لیا۔ دیسی صنعت کو فروغ دینے کے لئے وہ میسوری مصنوعات ہی استعمال کرتا تھا اور اپنے افسروں کو بھی ان کے استعمال کی ہدایت کرتا تھا۔ ملک اور بیرون ملک میں اس نے تجارتی کوٹھیاں قائم کیں اور بہت سے ملکوں کے ساتھ تجارتی روابط استوار کئے۔ ان تجارتی روابط کو فروغ دینے کے لئے اس نے

ایران، افغانستان اور عمان کو سفارتیں روانہ کیں۔

ٹیپو پہلا ہندوستانی تھا جس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اپنے بیٹوں کو یوروپ میں تعلیم دلائے۔ لوئی شانز دہم کے دربار میں ٹیپو کا جو سفیر متعین تھا اس نے فرانسیسی حکومت کو مطلع کیا کہ اس کے آقا کی خواہش ہے کہ اس کے بیٹے پیرس میں تعلیم حاصل کریں۔ فرانسیسی ارباب اختیار نے ٹیپو کی اس خواہش کو پسند کیا اور عنقریب تھا کہ ٹیپو کے بیٹے فرانس روانہ ہوتے کہ تیسری اینگلو میسور جنگ چھڑ گئی اور ٹیپو کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

ٹیپو اگرچہ سنّی مسلمان تھا لیکن شیعہ مذہب کی طرف بھی اس کا رجحان تھا۔ پنج وقتہ نماز پڑھتا اور رمضان کے روزے پابندی سے رکھتا تھا۔ اس کے دل میں حضرت علیؓ کی بے حد عزت وعقیدت تھی۔ اپنے اسلحوں پر اس نے اسد اللہ الغالب کندہ کرایا تھا جو حضرت علیؓ کا لقب تھا۔ اس کے کتب خانوں کی کتابوں پر فاطمہؓ، حسنؓ وحسینؓ کے ناموں کی مہریں تھیں۔ تصوف سے بھی ٹیپو کو گہری دلچسپی تھی۔ اس کی سرپرستی میں متعدد کتابیں بھی اس موضوع پر لکھی گئیں۔ اسے شعر و شاعری سے بھی خاص لگاؤ تھا وہ اپنے درباری مشاعروں میں بہ نفس نفیس حاضر رہتا اور شعراء کے کلام پر دادِ سخن دیتا اور انھیں انعام واکرام سے بھی سرفراز کرتا۔ وہ ایک تربیت یافتہ ذہن کا مالک تھا۔ بہت سے علوم وفنون سے واقف اور ان پر گفتگو کرنے کا اہل تھا۔ کنڑ اور ہندوستانی بول سکتا تھا لیکن گفتگو عموماً فارسی میں کرتا تھا۔ سائنس، طب، موسیقی، نجوم اور انجنیئرنگ سے بھی اسے دلچسپی تھی لیکن مذہب اور تصوف اس کے خاص موضوعات تھے۔ رسالہ ''درخطِ طرز محمدی'' کے نام سے ایک فارسی کتاب بھی ملتی ہے جس میں خطاطی سے متعلق خود اس کے وضع کردہ اصول درج ہیں۔ علم نجوم پر بھی اس نے ایک کتاب ''زبرجد'' کے نام سے تصنیف کی تھی۔ ان کتابوں کے علاوہ وہ تصوف، موسیقی، تاریخ، طب، فن حرب، قانون اور حدیث کے موضوعات پر کم سے کم پینتالیس کتابیں اس کی سرپرستی میں تصنیف کی گئیں۔ اس کے پاس ایک نہایت بیش قیمت کتب خانہ بھی تھا جس میں موسیقی، حدیث، فقہ، تصوف، ہندومت، تاریخ، فلسفہ، طب، صرف ونحو، نجوم، حربیات، شاعری اور ریاضی کے دو ہزار عربی، فارسی، ترکی اور ہندی مخطوطات تھے۔ ٹیپو فن تعمیر سے بھی گہرا شغف رکھتا تھا۔ اپنے والد حیدر علی کے بنائے ہوئے تابستانی محل جو دریا دولت کے نام سے مشہور ہے ٹیپو نے اس میں مزید اضافے کیے اور اس کی یہ دل پسند تفریح گاہ بن گئی۔ اس سے کچھ ہی دور مشرقی دروازہ سے متصل ایک مسجد ہے جو ٹیپو نے ١٧٨٧ء میں تعمیر کرائی تھی۔ یہ ایک نہایت نفیس فن تعمیر کا نمونہ ہے جس کے دونوں میناروں میں شوکت ووقار کا امتزاج نظر آتا ہے۔ اس مسجد کے احاطہ میں ٹیپو کے ماں باپ کے مقبرے ہیں جسے ٹیپو نے تعمیر کرایا تھا اور وہ خود بھی وہیں مدفون ہے۔ اگرچہ ٹیپو سلطان کو شہید

ہوئے دوسو سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن ۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۹ء تک اس کی سترہ سالہ عہد حکومت کے پرامن دور اوراس کے بے مثال اور عظیم کارناموں سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں اور ہزاروں لوگ آج بھی اس کے مزار پر عقیدت واحترام کے پھول چڑھا کر اس کی یاد کو تازہ کرتے ہیں اور زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ

رزم آرا علمِ جیشِ صداقت تجھ سے
زندہ ہے آج بھی مشرق کی شجاعت تجھ سے
لب اقوام پہ جاری ترا افسانہ ہے
سوز آزادیٔ مشرق ترا پروانہ ہے
حلقۂ جادوے افرنگ کو توڑا تونے
ہند میں پنجۂ شیطان کو مروڑا تو نے
گونجتی ہے ابھی آفاق میں تکبیر تری
عدل کے ہاتھ میں ہے آج بھی شمشیر تری

☆☆☆☆

رباعیات اصغرؔ ویلوری

پانے کی تمنا ہے تو کھونا ہوگا
اپنا ہے اگر بوجھ تو ڈھونا ہوگا
تو ہنس، تو ترے ساتھ ہنسے گی دُنیا
تو رو، تو اکیلے تجھے رونا ہوگا

پیش کش: وائی، سید الیاس ویلوری

شہر پرنامبٹ کے مشہور دواخانے اور ان کی طبی خدمات

ڈاکٹر قاضی حبیب احمد،
شعبہ اردو، مدراس یونی ورسٹی

شہر پرنامبٹ ایک تاریخی مقام ہے۔ یہ تقریباً ۵۵۰ سال پہلے وجود میں آیا۔ یہ شہر علماء فقہا اور اطباء کے لئے آماجگاہ رہا ہے۔ یہاں علم وادب کی ہمیشہ قدر ومنزلت رہی ہے۔ برصغیر ہندو پاک کی فارسی کی مشہور ابتدائی کتاب 'چہل سبق' اسی سرزمین میں لکھی گئی تھی۔ مولانا عزیز الدین روحؔی نے اپنے مجموعہ کلام 'ریاض روح' مطبوعہ ۱۹۳۴ء کے مقدمے میں اس شہر کے ایک قدیم اور برگزیدہ خانوادہ کے متعلق یوں لکھا ہے۔

> ''یہاں کا سب سے مشہور ومعروف علمی تاریخی خانوادہ خانوادۂ شیخ احمد فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ شیخ احمد فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کو نواب صاحب آرکاٹ کی جانب سے علاقۂ سات گڑھ میں منصب فقاہت عطا ہوا تھا۔ حضرت فقیہہ موصوفؒ نواب صاحب کے نائب کے خاص صاحبوں میں سے تھے۔ نواب صاحب کی جانب سے آپ کو مناسب جاگیر کے علاوہ مسجد نواب دریا خاں اور مسجد نواب نعمت علی خاں کی تولیت بھی عطا ہوئی تھی۔''

شہر پرنامبٹ کی ایک نمایاں خصوصیت یہاں علم طب کی قدیم روایات ہیں۔ اس سرزمین پر کئی نامور اور حاذق حکیموں اور طبیبوں نے جنم لیا۔ ان حکماء کی حذاقت کا چرچا دور دور تک پہنچا ہوا تھا اور لوگ دور افتادہ علاقوں سے علاج کے سلسلے میں چلے آتے تھے۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ حکیم عبدالعزیز صاحب، حکیم عبدالقیوم صاحب، مولانا حکیم عبدالباری صاحب، مولانا حکیم مسعود احمد صاحب، حکیم عبدالقدیر صاحب، حکیم صاحب جان صاحب، مولانا حکیم زکی الدین احمد صاحب، مولانا حکیم امین صاحب، مولانا حکیم افسر باشاہ صاحب، حکیم عبدالعلیم رضا انصاری صاحب، مولانا حکیم حسین احمد صاحب، مولانا حکیم عزیز احمد صاحب، مولانا حکیم ابوالحسنات صاحب، حکیم رضی الدین احمد صاحب، حکیم

مبارک علی صاحب، حکیم وصی اللہ صاحب، حکیم جاوید رضا انصاری صاحب، حکیم حاوی رضا انصاری صاحب، حکیم مرغوب اسلم صاحب، حکیم ولی اللہ صاحب، حکیم ناصر الدین احمد صاحب، مولوی حکیم اشتیاق احمد صاحب، حکیم امین احمد صاحب ابن حکیم مبارک علی صاحب وغیرہ حکماء واطباء اس طویل فہرست میں شامل ہیں۔ غرض ان حکماء واطباء نے اپنی بے پناہ خدمات اورفن کے ساتھ اپنی دیانت اور تلاش وجستجو سے اور دیرینہ تجربات سے جنوب بعید کے اس علاقے کو بہت مستفید کیا ہے۔ حکماء کی مذکورہ فہرست میں بیشتر ارباب وہ ہیں جنہوں نے اپنی سماجی اور فلاحی خدمات سے بھی عوام کے دلوں پر حکمرانی کی ہے۔

شہر پرنامبٹ کے تین دواخانے بہت قدیم اور مشہور ہیں جن کی خدمات کئی نسلوں پر محیط ہیں اور ان تینوں دوا خانوں سے متعلقہ اطباء کی خدمات کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہے۔ یہ وہ قندیلیں ہیں جن سے کئی چھوٹے بڑے چراغ روشن ہوئے اور اس پورے علاقے کو عرصۂ دراز سے روشن کیے ہوئے ہیں۔ ان تین دواخانوں کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ عزیزیہ دواخانہ، ۲۔ نظامیہ دواخانہ، ۳۔ مسعودیہ فارمیسی ان میں سے سب سے قدیم عزیزیہ دواخانہ ہے جسے حکیم عبدالعزیز صاحب نے قائم کیا تھا۔ دواخانے کی ابتداء پر حضرت ملا محمود صاحب خطیب مسجد دریا خاں نے حسب ذیل فارسی اشعار رقم کیے تھے۔ آخری مصرعہ تاریخی ہے جس میں ہجری تاریخ درج ہے۔

حکیم حاذق دوراں طبیب ماہر ابداں
زدستش نسخۂ صحت مریضِ لادوا یا بد
سنِ دار الشفاء آمد زروئے امتحاں محمودؔ
در اینجا گر سقیم آید بعونِ اللہ شفایا بد

اس طرح دواخانے کی بنیاد ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ قدیم ثابت ہوتی ہے۔ حکیم عبدالعزیز صاحب، نہایت تجربہ کار طبیب تھے۔ کافی عرصے تک آپ نے علاج ومعالجہ سے عوام کی خدمت کی۔ آپ کے انتقال کے بعد حکیم عبدالقیوم صاحب مسند نشین ہوئے۔ آپ نہایت قابل اور حاذق حکیم تھے۔ آپ کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ بڑے نباض، خیافہ شناس اور قارورہ کے معائنہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یہ واقعہ آپ سے منسوب ہے کہ آپ کے سامنے کسی نے بھینس کا قارورہ پیش کیا تو آپ پہچان گئے اور عرض کیا کہ مریض کو کھل اور کونڈہ کم کردو شفایاب ہو جائے گا۔

حکیم عبدالقیوم صاحب کی چار لڑکیاں تھیں اور کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ سفر حج پر روانہ ہوئے تو دواخانہ اپنے خالہ

زاد بھائی حکیم عبدالقدیر صاحب کے حوالے کیا اور سفر حج کے دوران ہی مولائے حقیقی سے جا ملے۔آپ کے انتقال پر مولوی عبدالحلیم قدسیؔ نے تاریخ وفات یوں کہی ہے

زکعبہ رفت بہ جنت حکیم پاک ادا

اس طرح عزیزیہ دواخانے کا زمام اقتدار حکیم عبدالقدیر صاحب کے ہاتھوں میں آیا۔آپ کی پیدائش ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔آپ مولوی رفیع الدین صاحب کے فرزند تھے اور آپ کے نانا شاعر بھی تھے اور احمدیؔ تخلص کرتے تھے۔مولانا اسماعیل رفیعیؔ صاحب حکیم عبدالقدیر صاحب کے حقیقی بھتیجے ہیں حکیم عبدالقدیر صاحب نے کافی لمبی عمر پائی۔جس وقت آپ کا انتقال ہوا عمر ۸۰ برس تھی اور آپ کی طبابت وحذاقت کا دور دور تک شہرہ تھا۔بچوں کے لئے آپ کے پاس تیر بہدف علاج ہوتا تھا۔آپ کشتہ جات کا کثرت سے استعمال کرتے تھے۔دواسازی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔نئی نئی دوائیں بنانا اور تجربے کرنا آپکا محبوب مشغلہ تھا۔تشخیص مرض میں قارورہ سے زیادہ مدد حاصل کرتے۔ہر مریض کے لئے قارورہ کا لانا لازمی تھا۔ایک شفاف بوتل باہر محراب میں رکھی رہتی تھی اسی میں مریض قارورہ انڈیل دیتا تھا معائنہ کے بعد بوتل پانی سے دھوکر دوبارہ محراب میں رکھ جاتا تھا۔

حکیم عبدالقدیر صاحب بڑے زندہ دل اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔شکار کا بھی بہت شوق تھا۔مذہبی امور میں مباحثوں کا بھی بہت شوق تھا۔آپ کے انتقال پر مولانا عبدالحلیم قدسیؔ عمری نے حسب ذیل اشعار لکھے تھے

آہ مولانا زیر خاک بہ خفت — انا للہ زچشمِ ما بہ نہفت
غم و اندوہ دادوبست سفر — مغفرت بہر رحمت او را جنت
بود بستہ کمر بہ خدمتِ خلق — کارِ ایں بود کارِ او ہمہ چست
داشت دستِ شفا بعونِ خدا — کرد صدہا مریض را او درست
'باد غفراں پناہ' قدسیؔ سنش — 'اف مسیحائے وقت رفت' بگفت
۱۳۹۶ — ۱۳۹۶

۱۹۷۶ء میں حکیم عبدالقدیر صاحب کے انتقال کے بعد آپ کے اکلوتے فرزند حکیم عبدالعلیم رضا انصاری عرف شاہجہاں مسند نشین ہوئے۔آپ 'پسر نمونۂ پدر است' کے مصداق اپنے والد محترم کے جملہ اوصاف سے متصف تھے۔آپ کا مطب انواع واقسام کی مرکب ادویات سے بھرا ہوا تھا۔جنسی امراض کے معالجہ میں آپ کو شہرت حاصل تھی۔آپ

کے بعد آپ کے فرزندوں میں سے حکیم جاوید رضا انصاری، حکیم حاوی رضا انصاری مرحوم اور حکیم ذاکر حسن انصاری نے الگ الگ مطب لگائے ہیں۔ اس طرح عزیزیہ دواخانہ جو ڈیڑھ سو برس قبل حکیم عبدالعزیز صاحب نے قائم کیا تھا۔ تقسیم در تقسیم ہوکر بھی اپنی ضیا سے ایک عالم کو فیض یاب کر رہا ہے۔

شہر پرنامبٹ کا دوسرا عظیم اور قدیم دواخانہ نظامیہ دواخانہ ہے۔ اس دواخانے کی بنیاد ۱۹۳۱ء میں حضرت مولانا حکیم عبدالباری صاحب نے رکھی۔ آپ کے والد حضرت مولانا قاضی بشیر الدین احمد صاحب دارالعلوم لطیفیہ ویلور کے فارغ التحصیل اور اجازت یافتہ صاحب دل بزرگ تھے۔ حکیم عبدالباری صاحب نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم پرنامبٹ سے اور پھر معدن العلوم وانمباڑی سے تکمیل کی۔ ۱۹۲۳ء میں طبیہ کالج دہلی گئے اور پانچ سالہ کورس مکمل کیا۔ اس دوران حکیم نظام الدین اجمیری سے اکتساب فن کیا۔ ان کے علاوہ حکیم اجمل خاں۔ حکیم محمد احمد خاں، حکیم محمد شریف خاں وغیرہ سے بھی استفادہ کیا۔

آپ کی ذہانت، فطانت، فہم وفراست اور طبابت بہت مشہور تھی۔ طب یونانی کا آپ نے نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ علم طب کے علاوہ دیگر معقولی علوم میں بھی آپ کو دستگاہ حاصل تھی۔ دارالعلوم پرنامبٹ میں معقولات کی بعض ادق منطقی کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ شرفاء وخواص میں آپ کی حذاقت کا بہت اعتبار تھا۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ آپ کے مزاج میں نفاست، احتیاط اور سلیقہ مندی بہت تھی۔

حکیم عبدالباری صاحب کا انتقال ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ آپ کی مسند پر آپ کے لائق فرزند حضرت مولانا حکیم قاضی زکی الدین احمد صاحب جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نومبر ۱۹۳۷ء کو پرنامبٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد درس نظامی کی تکمیل بھی دارالعلوم پرنامبٹ میں ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالحق یونانی میڈیکل کالج کرنول سے طبیب کامل کیا۔ اجمیر جاکر حکیم نظام الدین صاحب اجمیری سے بھی طب کی تعلیم اور تربیت حاصل کی اور واپس آکر اپنے والد محترم کے ساتھ مطب میں تعاون کرنے لگے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد مطب کی کل ذمہ داری آپ کے سر آگئی۔ آپ اپنے والد کے تمام اوصاف کے جامع تھے۔ ذہانت اور حذاقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ مریضوں کے ساتھ زیادہ وقت دیتے تھے اور ہر ایک مریض کو بولنے کا پورا موقع دیتے تھے اور تشخیص میں کبھی عجلت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اس کا خوش گوار اثر مریض پر یہ پڑتا کہ وہ نفسیاتی طور پر بھی نہایت مطمئن ہو جاتا اور علاج میں اس کا اعتقاد اور بڑھ جاتا۔ حکیم زکی الدین صاحب کی ہمیشہ یہ حکمت عملی رہی کہ وہ جہاں محسوس کرتے کہ فلاح مرض کا علاج یونانی سے بہتر الوپیتھی میں ہوسکتا

ہے تو مریض کو کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس بھیجنے سے کبھی دریغ نہ کرتے۔ پیشہ ورانہ دیانت اور احتیاط طبیعت کا حصہ بن چکی تھی۔ سینہ بہ سینہ علوم کی رازداری اور پاسداری کا جیسا اہتمام آپ کے اجداد کے ہاں پایا جاتا تھا اس کا اثر حکیم صاحب کے ہاں بھی شروع میں پایا جاتا تھا لیکن بعد میں آپ اس معاملے میں بے حد فراخ دل اور کشادہ ذہن ہو گئے تھے اور کئی نوجوان اور نوآموز طبیبوں کو باقاعدہ درس دینا اور تربیت کرنا شروع کر دیا۔ حکیم زکی الدین صاحب حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ طبیہ کالج کرنول کے ممتحن اور کئی عربی مدراس کی مجالس شوریٰ کے رکن اور ممتحن تھے۔ پوری ریاست اور بیرون ریاست میں آپ بڑے مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔ آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس دہلی کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن اور مدراس آل انڈیا طبی کانفرنس کے نائب صدر تھے۔ آپ کا انتقال ۲۲ دسمبر ۲۰۰۳ء کو ہوا۔

حکیم زکی الدین صاحب کے فرزندوں میں جناب حکیم رضی الدین احمد صاحب صدر شعبہ یونانی، ارنجرانا یونانی میڈیکل کالج سب سے بڑے ہیں اور آپ کا ذاتی مطب بڑی میٹ چینئی میں ہے۔ فرزند دوم حکیم کبیر الدین احمد صاحب، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن اینڈ ریسرچ، رائے پورم میں میڈیکل آفیسر، ہیں اور سب سے چھوٹے فرزند جناب حکیم ناصر الدین احمد نظامیہ دواخانہ پرنامبٹ میں مسند نشین ہیں اس طرح یہ دواخانہ قائم ودائم ہے اور روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس دواخانے کے ضمن میں جناب حکیم عبدالواجد صاحب کا بھی تذکرہ کرتا چلوں جو بانئ دواخانہ مولانا حکیم عبدالباری صاحب کے خسر تھے۔ آپ کی تعلیم طبیہ کالج بھوپال میں ہوئی تھی۔ مسجد نواب دریا خاں کی گلی میں آپ کا علاحدہ مطب تھا۔ آپ کے پاس مرکب دوائیں موجود ہوتی تھیں۔ مفردات اور بدرقوں کا زیادہ رواج نہ تھا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند حکیم عبدالقادر صاحب عرف صاحب جان مسند نشین ہوئے۔ آپ اپنے والد ہی کے طریقے پر کاربند تھے۔ صلوٰۃ التسبیح کی نماز میں عین سجدہ کی حالت میں آپ کی روح قبض ہوئی تھی آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ آپ کے بعد یہ دواخانہ بھی بند ہو گیا۔

مسعودیہ فارمیسی

یہ شہر پرنامبٹ کا تیسرا بڑا دواخانہ ہے جو آج سب سے زیادہ کامیاب اور مقبول ومعروف دواخانہ ہے۔ اس کی بنیاد حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحب نے رکھی تھی آپ حکیم عبدالباری صاحب کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ بلا کے ذہین اور فہم وفراست کے مالک تھے معاملہ فہمی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ بہت جلد بیماری کی تہہ تک پہنچ جاتے اور اپنی طبی بصیرت سے ہمیشہ آپ کی تشخیص صحیح رہتی۔ آپ کی حذاقت اور طبی کارناموں کے بہت سے قصے

مشہور ہیں۔ آپ انسان دوست اور غریب پرور واقع ہوئے تھے۔ آپ مریض کے چہرے اور ذہن کو پڑھنے کے فن سے بھی واقف تھے۔ انسانی نفسیات سے بخوبی آگاہ تھے۔ اکثر مریض آپ کے ہاں سے مفت یا نہایت واجبی قیمت پر دوا حاصل کرتے تھے۔ آپ بڑے خدا ترس اور نیک انسان تھے۔ آپ کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ۵۵ برس کی عمر میں ہوا۔ آپ کی جگہ پر آپ کے بڑے فرزند حضرت مولانا حکیم محمد امین صاحب مسند نشین ہوئے۔ آپ ۱۹۴۱ء کو پرنام بٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم پرنامبٹ سے حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد طبیہ کالج کرنول میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۴ء میں طبیب کامل کی سند حاصل کی۔ اس کے ایک ہی سال بعد آپ کے والد صاحب کا وصال ہوا۔ دواخانے کی کل ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آ گئی۔ فن طب سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ فن پر آپ نے بالاستیعاب کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور علاج کے دوران وہ ان باتوں کا استحضار بھی رکھتے تھے اور برمحل نسخوں کا استعمال بھی کرتے تھے۔ آپ کو اپنے طریقہ علاج پر کامل اعتماد اور عقیدت تھی اور الوپیتھی کے شدید ردعمل اور علاج کے مضر اثرات سے ہمیشہ نالاں رہتے تھے آپ اہل قلم بھی تھے۔ طالب علمی کے دوران ایک میڈیکل جرنل میں 'دوران خون کا انکشاف ایک قدیم حقیقت ہے' کے عنوان سے مضمون شائع کیا جو نہایت سلجھا ہوا اور آسان اور سلیس زبان میں لکھا گیا ہے۔

اس مضمون کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو

> "بعض اہل مغرب کا زعم ہے کہ دوران خون کا انکشاف، انگلستان کے 'ولیم ہاروے' نے کیا اور ۱۶۱۶ء میں اس نے ایک لکچر کے ذریعہ منظر عام پر پیش کیا۔ لیکن درحقیقت اس کے انکشاف کا سہرا طب قدیم کے سر ہے جو اطباء قدیم کی کاوش طبع کا نتیجہ ہے۔ اس حقیقت سے عوام تو عوام اکثر ہمارے فنی برادر بھی نا آشنا بلکہ مغالطے میں ہیں۔ ایسا کیوں؟ جہاں تک غور کیا جائے اس کا اصل سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے یا تاریخ کی غلط تعلیم کا نتیجہ ہے۔
>
> بہر حال کرنل ہاروے کی طرف دورانِ خون کی تحقیق کا انتساب ظلم و ناانصافی پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس سے سینکڑوں برس پہلے کی قدیم کتابوں میں ایسی شہادتیں موجود ہیں جس سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قدماء بھی اس عجیب و غریب گردش خون کے کل پرزوں، اس کی مشینری، خون کے آمد و رفت کی تمام راہوں، نیز قلب کی

کواڑیوں کی ساخت، وغیرہ سے بخوبی واقف تھے۔"

حکیم محمد امین صاحب بڑے اچھے نباض تھے۔ بہت غور وخوض کے بعد مرض کی تشخیص کرتے لیکن اپنے فیصلے پر اٹل رہتے اور علاج معالجے سے شدید سے شدید مریض بھی چنگا ہوجاتا۔ آپ اپنے والد ہی کی طرح غریب پرور اور انسان دوست تھے۔ مریض کے ساتھ نہایت دردمندی اور ہمدردی کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ کے مطب میں ہمیشہ مریضوں کا جمگھٹا ہوتا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے چچازاد بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحیمی صاحب نے 'آفتاب حکمت' کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں متفرق تعزیتی مضامین شامل ہیں۔ حکیم محمد امین صاحب کے چھوٹے بھائی جناب حکیم ابوالحسنات صاحب نے اپنے مضمون میں ایک اچھے طبیب کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے حکیم صاحب پر ان کا اطلاق کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو

"ایک طبیب کے لئے تشخیص مرض میں لازم ہے کہ وہ اسباب و متعلقات مرض پر گہری نظر رکھے۔ جیسے موسم، موسمی غذائی اشیاء، مریض کی غذا، عاداتِ مریض، نفسیات مریض اور حفظان صحت کی بے اصولی وغیرہ۔"

حکیم محمد امین صاحب ایک نہایت خلیق اور منکسر المزاج انسان تھے۔ قومی اور ملی مسائل سے انھیں بہت دلچسپی تھی اور فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ستھرا ہوا ادبی ذوق رکھتے تھے اور تحریر بھی سلجھی ہوئی اور مشاق اہل قلم جیسی تھی مگر مصروفیات نے انھیں تصنیف وتالیف کا موقع نہیں دیا۔ آپ کے والد ہی کی طرح آپ کا انتقال بھی کم عمری ہی میں ۱۹۹۲ء کو ترپن سال کی عمر میں ہوا۔

آپ کی جگہ آپ کے لائق فرزند حکیم وصی اللہ صاحب مسند نشین ہوئے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے نہ صرف دوا خانے کو بلکہ علم طب کی شان وشوکت کو بھی بڑھانے میں مصروف عمل ہیں۔ آپ کا دوا خانہ مرجع الخلائق بنا ہوا ہے۔ ہندوستان بھر سے لوگ علاج کے سلسلے میں پرنامبٹ کی طرف مراجعت کر رہے ہیں۔

حکیم محمد امین صاحب کے چھوٹے بھائی جناب مولوی حکیم ابوالحسنات صاحب بھی اپنے والد صاحب کی حذاقت کا زندہ نمونہ ہیں۔ وانمباڑی میں مطب کرتے ہیں۔ آپ کی شخصیت اور معالجہ پر جی چاہتا ہے کہ ایک علاحدہ مضمون رقم کروں چونکہ اصولاً میں نے صرف مرحوم اطباء کو اس مقالے میں لینے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

مسعود یہ فارمیسی سے فیض حاصل کرنے والے اطباء میں مولانا حکیم نسیم احمد مرحوم، مولانا حکیم حسین احمد صاحب

مرحوم، جناب حکیم مبارک علی صاحب اور جناب حکیم ولی اللہ صاحب قابل ذکر ہیں۔ حکیم مبارک علی صاحب ایک قابل اور تجربہ کار حکیم ہیں اور شہر پرنامبٹ میں ان دنوں کامیاب مطب چلا رہے ہیں اور آپ کے فرزند بھی اپنے والد صاحب کے زیر سایہ طب کے حصول اور پریکٹس میں مصروف عمل ہیں۔ حکیم ولی اللہ صاحب نے بھی جناب حکیم محمد امین صاحب کے ہاں تربیت پانے کے بعد علاحدہ مطب لگالیا ہے اور گذشتہ پندرہ سال سے کامیاب مطب کررہے ہیں۔ آپ کے والد جناب مولانا حکیم نسیم احمد صاحب اپنے برادر کلاں جناب مولانا حکیم مسعود احمد صاحب کے مطب میں تربیت پاتے تھے علاحدہ مطب نہیں قائم کرسکے اور فالج کے عارضہ میں کچھ عرصہ فریش رہ کر انتقال فرمایا۔

بانئ مسعودیہ فارمیسی مولانا حکیم مسعود احمد صاحب کے برادر خورد اور اس ناچیز کے والد محترم جناب مولانا حکیم حسین احمد صاحب نے اپنے بھائی صاحب سے تربیت پانے کے بعد ۱۹۷۰ء میں آمبور میں مطب قائم کیا اور اپنی فہم و فراست اور وسیع طبی معلومات سے آمبور جیسے طب ناآشنا شہر میں طب یونانی کا چسکہ پیدا کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کی تصنیف کردہ کتاب آفتاب حکمت کا یہ اقتباس نقل کردوں۔

> ''عم محترم حکیم حسین احمد صاحبؒ کا ابھی حال میں حکیم محمد امین صاحب کے چار ماہ بعد وصال ہوگیا۔ پینسٹھ سال کی عمر پائی بڑے ہی خوش خلق وسیع المشرب، عالم و فاضل تھے۔ ظریف المزاج تھے۔ درسیات کی متعلقات ہمیشہ مستحضر رہتی تھی ادیب اور باکمال شاعر تھے۔ فن طب سے گہرا تعلق و ربط تھا۔ آمبور جیسے ترقی یافتہ شہر میں کامیاب مطب سازی کرکے شہر اور قرب وجوار کے لوگوں پر یونانی طریقہ علاج کی دھاک بٹھادی۔''

حکیم حسین احمد صاحب کا انتقال ۵ جون ۱۹۹۲ء کو ہوا۔ دواخانے کی ذمہ داری راقم نے سنبھال رکھی ہے۔ بانئ مسعودیہ فارمیسی حکیم مسعود احمد صاحب کے بڑے داماد حضرت مولانا قاری سید افسر باشاہ صاحب ۱۹۴۱ء کو پرنامبٹ میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم پرنامبٹ سے درس نظامی کی تکمیل کے بعد طبیہ کالج کرنول سے طب کی سند حاصل کی۔ طبیہ کالج جامعہ علی گڈھ سے طب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اسی دوران ماہرین فن سے قرأت کی تعلیم و تربیت بھی حاصل کی۔ شہر گڑیاتم میں مطب کا آغاز کیا اور بعد میں ویلور منتقل ہوگئے۔ آپ کو علم طب اور طبی تحقیقات سے گہرا لگاؤ تھا۔ آپ اچھے ادیب و شاعر اور قلم کار بھی تھے۔ آپ کی کئی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں، آپ کا انتقال یکم اکتوبر ۲۰۱۲ء کو شہر ویلور میں ہوا۔ آپ کے دو فرزنداں حکیم عمر فاروق صاحب اور حکیم عثمان غنی صاحب بی یو ایم یس کے سند یافتہ ہیں اور پریکٹس کررہے ہیں۔ بہر

حال میں نے شہر پرنامبٹ کے تین بڑے دواخانوں کے ضمن میں شہر کے تقریباً تمام بڑے طبیبوں کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کرلیا ہے جو وصال پا چکے ہیں اوران حکیموں کا بھی کم از کم ذکر ضرور کیا ہے جو بقید حیات ہیں۔ مقالے کی طوالت کے خوف سے اوراس خوف سے بھی کہ زندوں پرخامہ فرسائی کرنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے سے کم نہیں ہوتا میں نے اس پہلو سے احتراز کیا ہے۔ جس کے لئے میں ان تمام حکیموں سے معذرت خواہ ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

نعت شریف

از: سید سراج الدین مؔنیر حیدرآباد

خدائی منظر روزِ ازل سے جس کی آمد کی
وہ ذاتِ محترم تھی بالیقین حضرت محمدؐ کی

کروں توصیف کیا اے ہمنشیں ذات محمدؐ کی
جہان کن فکاں تفسیر ہے نُورِ مجرد کی

نہ تھے سرکار تو کچھ بھی نہ تھا اک ھُو کا عالم تھا
جہاں کی روشنی مرہون منت نُور احمد کی

زمین شوقِ قدم بوسی میں رقصاں تھی ازل ہی سے
فلک مصروف نالہ آرزو میں روئے احمد کی

ادھر یٰسین و طٰہٰ شان میں آئے ہیں حضرت کی
اُدھر واللیل خود تفسیر ہے گیسوئے احمد کی

خدا کی دید تو موقوف ہے دیدار حضرت پر
خدا کی دید ہے اہل نظر کو دید احمد کی

مؔنیر اہل زمین نعلین کے لیتے رہے بُوسے
بلائیں آسماں لیتا رہا ہے آپؐ کے قد کی

پیش کش: سید علی احمد قادری کلیم، حیدرآباد

اردو ادب کا ایک اہم مذہبی رجحان - مرثیہ

ڈاکٹر امان اللہ ایم، بی
لکچرار، شعبہ عربی، فارسی و اردو
مدراس یونیورسٹی، مدراس

اردو شاعری میں مذہبی افکار و خیالات کا سب سے زیادہ اظہار مرثیہ میں کیا گیا ہے حالانکہ حمد اور نعت میں بھی سر تا سر مذہبی خیالات ہی پیش کئے جاتے ہیں لیکن مرثیہ اپنی وسعت، کیفیت و تاثیر اور امیجری کے سبب ایک اہم صنف ادب تسلیم کی گئی ہے۔ حمد یا نعت کو خالص مذہبی چیز سمجھا گیا ہے۔ لیکن مرثیہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کا مذہب اور ادب دونوں سے برابر کا علاقہ ہے۔ اس کا موضوع مذہبی ہوتے ہوئے بھی اس میں ادب و انشا کی ایسی لطافتیں پائی جاتی ہیں کہ شاید ہی اردو شاعری کی کسی دوسری صنف کو یہ نصیب ہوں۔

مرثیہ وہ اہم صنف سخن ہے جس نے ہماری شاعری کے دامن کو وسعت دی اور ایک فرومایہ زبان میں ایسا بیش قیمت شعری ذخیرہ فراہم کر دیا جو ترقی یافتہ زبانوں کے لئے بھی باعث رشک ہے۔ مرثیے کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس میں بیک وقت تمام شعری اصناف سما گئی ہیں۔ مثلاً مثنوی میں جس طرح واقعات تسلسل کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں بعینہ یہی صورت مرثیے میں ہوتی ہے۔ مراثی میں حضرت امام حسین اور ان کے اعزہ و رفقاء کے محاسن اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ موضوع کے اعتبار سے مراثی کے ان حصوں کو قصائد کہا جاسکتا ہے۔ مراثی سے ایسے سینکڑوں شعروں کا انتخاب کیا جاسکتا ہے جن پر غزل کے شعروں کا گمان ہوتا ہے کیوں کہ وہ مرثیے کا جز ہونے کے ساتھ ساتھ خد بھی مکمل اکائیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عرب کی شاعری میں مرثیے کو خاص درجہ حاصل رہا ہے۔ عربی مراثی اپنے سوز و گداز اور اپنی قوت تاثر کے باعث دلوں میں ولولہ، جوش اور انتقام کی آگ روشن کر دیتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے بعد زمانۂ اسلام میں مراثی کو مزید ترقی

حاصل ہوئی اور کئی مرثیے اپنی فصاحت و بلاغت اور سوز و گداز کے باعث مشہور ہیں۔ فارسی میں بھی مرثیوں کا رواج تھا اور ان پر عربی مراثی کے اسلوبِ بیان کا بہت گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ محقق طوسی کے زمانہ میں شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق پر درد فارسی مرثیے لکھے گئے۔ مرثیہ نگار حصول ثواب کی خاطر مرثیہ لکھتے رہے۔ ابتدا میں شاعر کا رویہ ضرور یہی رہا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس رویے میں تبدیلی ہوتی گئی اور مرثیہ نگار اظہارِ کمال کی طرف متوجہ ہوتے گئے۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ شعری وسائل سے کام لیا۔ لفظوں کے انتخاب اور ان کے دروبست پر توجہ کی۔ حسب ضرورت تشبیہ، استعارہ، صنائع بدائع کا استعمال، مرقع نگاری کی بہترین مثالیں پیش کیں اور اس صنف کو پیکرِ حسن و جمال بنا دیا۔

زبان بنیادی طور پر ابلاغ و ترسیل کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اس لئے کوئی بھی صنفِ سخن ہو اس کی لسانی اہمیت کا تعین کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے تخلیقی سرمائے نے ہمیں جو ذخیرۂ الفاظ اور اسالیب بیان فراہم کئے ہیں ان سے زبان کی قوتِ اظہار میں کیا اضافہ ہوا ہے۔ جہاں تک مرثیے کا تعلق ہے اس کی لفظیات اتنی وسیع اور متنوع ہیں ایک ضخیم تہذیبی فرہنگ مرتب ہو سکتی ہے۔ یہ فرہنگ سترھویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی کی مشترک ہندوستانی تہذیب کا ایک ایسا نگارخانہ ہوگی جس کی سیر کر کے ہم اس دور میں استعمال ہونے والے ساز و سامان، ظروف، اسلحہ، پارچہ جات، سواریوں، حرب و ضرب کی اصطلاحوں سے روزمرہ، محاورات اور ضرب الامثال کے بارے میں پوری واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

''ادب میں کوئی صنف اس وقت تک عظیم نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کا موضوع عظیم نہ ہو۔'' اگر گوئٹے کا یہ مقولہ سچ ہے تو پھر اردو شاعری کے اصناف میں مرثیہ ایک ایسی صنف ہے جس کے تعلق سے ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اس کا موضوع عظیم ہی نہیں بلکہ عظیم تر ہے کیونکہ شہادت امام حسین کا واقعہ ہے جسے دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ یہ تاریخ انسانیت کا وہ باب ہے جس کو سنہری حروف میں لکھا جانا چاہئے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی بنی نوع انسان کے لئے ایک نمونہ ہے اور واقعاتِ کربلا خیر و شر کے درمیان ایک تصادم اور یہ حادثہ ہمارے لئے درس عبرت ہے۔ اس عظیم موضوع کے لئے انیسؔ نے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ نہایت شاندار و پرشکوہ ہے۔ الفاظ کی موزونیت، محاوروں اور روزمرہ کی خوش اسلوبی، بیان میں جوش، یہ اور اس قسم کی دیگر باتیں ہیں جو انیسؔ کی انفرادیت میں داخل ہیں۔ انیسؔ کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے دبستانِ لکھنؤ کی تقدیر بدل دی جن باتوں کی وجہ سے دبستانِ لکھنؤ بدنام ہوا، انیسؔ نے انہیں خصوصیات کو اختیار کر کے اس دبستان کو عز و شرف عطا کیا۔ دبستان لکھنؤ کی ساری خامیاں انیسؔ کے

ہاں خوبیوں کے روپ میں ملتی ہیں۔

صالحہ عابد حسین کا کہنا ہے کہ

> ”لوگوں کے ذہنوں میں عام طور پر یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ مرثیہ صرف رونے اور رلانے کے لئے ہوتے ہیں۔ یوں تو ابتدائی زمانے کے مرثیوں تک میں شہیدانِ کربلا کی زندگی کے واقعات بیان کئے جاتے تھے اور مثالی کرداروں اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی حامل ہستیوں سے دنیا کو متعارف کرایا جاتا تھا۔ وہ بجائے خود اخلاقی تربیت کا ایک ذریعہ کہا جاسکتا ہے۔“ [۱]

اعلیٰ شاعری کی بنیاد اخلاقی چٹان پر رکھی جاتی ہے۔ جو شاعری بدلتے ہوئے سیاسی و معاشی ریت کے تودے پر رکھی جاتی ہے وہ لمحاتی ہوتی ہے۔ اعلیٰ شاعری سے ہر مذہب وملت اور ہر عمر کے لوگ نہ صرف مسرت حاصل کرتے ہیں بلکہ وہ اپنی بصیرت میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ اعلیٰ شاعری زمان ومکان میں رہ کر بھی ان سے پرے رہتی ہے۔ اس کا مقصد انسانیت کی فلاح ہوتا ہے۔ وہ اپنی شاعری سے قاری کے دل میں متضاد جذبات ابھارتا ہے اور کبھی دردناک واقعہ یا بھیانک منظر کو اس سلیقہ سے پیش کرتا ہے کہ اس سے قاری کے دل میں دکھ درد کی ٹیس اٹھتی ہے اور کبھی حیرت و ہمدردی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ شاعری جذبات اور احساسات کا کھیل ہے۔ یہ داخلی بھی ہے اور خارجی بھی جس میں وزن وآہنگ، موادو موضوع اور ان کے تحت اور بہت ساری باتیں اس خوبی اور توازن سے جمع ہوجاتی ہیں کہ شعر میں شعریت آجاتی ہے۔ یہی اچھے شعر کی پہچان ہے۔ معمولی شاعر اخلاقی مضامین شاعری کے احاطے میں لاکر انہیں خشک اور غیر دلچسپ بنادیتا ہے۔ لیکن ایک اعلیٰ پایہ کا شاعر انہیں مضامین کو اس سلیقہ سے پیش کرتا ہے کہ لطف مضامین باقی رہنے کے علاوہ قاری پر بھی ان کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ میر انیسؔ کے مرثیوں میں اخلاقی مضامین اس طرح جگہ پاگئے ہیں جس طرح انسان میں روح۔ یہ اسی طرح فطری ہیں جس طرح بہار میں پیڑ سے پتے نکل آتے ہیں۔ ان کے اس قسم کے اشعار بے جوڑ غیر فطری اور خشک

نہیں ہیں بلکہ اپنی جگہ جادو جگا دیتے ہیں۔

"تعلیم اخلاق اور انسانی قدروں کی متعدد مثالیں مرثیے میں ملتی ہیں جن کے نتیجہ میں ذہن انسانی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ معنی کے اعتبار سے ایک ایک مصرع سے گویا اصول اخلاق کا ایک ایک سمندر جھلکتا ہے۔" [۲]

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی حق گو اور امر بالمعروف کے پابند تھے۔ ان کا جنگ کرنا اور صلح کرنا، زندہ رہنا اور مرنا سب خدا کے لئے تھا۔ لڑائی میں اپنی طرف سے پہل کرنا ان کے نزدیک شیوۂ مردانگی نہیں تھا اور انھوں نے شر و فساد کو ہر طرح دبانے کی کوشش کی۔ اس کی کئی مثالیں مرثیوں میں موجود ہیں۔ لہذا ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مرثیہ ہی اردو شاعری کی وہ صنف ہے جس میں اسلامی نظریات کو زیادہ بہتر طریقے سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات:

۱۔ انیسؔ کے مرثیے۔ مقدمہ از صالحہ عابد حسین ص ۵۱

۲۔ میر انیسؔ بحیثیت رزمیہ شاعر از ڈاکٹر اکبر حیدری ص ۶۰۲

موئے مبارک ﷺ کی برکت کا بیان

سید شاہ مصطفیٰ قادری کمال پاشاہ
فرزند حضرت سید شاہ قادر محی الدین قادریؒ عرس جاگیر، ورنگل

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔

قسم ہے چاشت کی (آپؐ کے چہرہ انور) کی اور قسم ہے سیاہ رات کی (طرح زلف عنبریں کی) جب وہ (آپ کے رخ زیبایا شانوں) پر چھاجائے۔

صحابہ اکرامؓ ان زلفوں کو نہایت ادب سے محفوظ کر لیتے اور ان کی گھر میں موجودگی کو باعث برکت سمجھتے اور بسا اوقات انہیں موئے مبارک کو پانی میں دال کر اس پانی کو پی لیتے اور شفا حاصل کرتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زلف مبارک گھنے اور کالے تھے، زلفوں کے بال نہ سیدھے تھے نہ زیادہ گھنگریالے تھے، لیکن ان زلفوں میں کندن پڑجاتے تھے اور دیکھنے والوں کا دل موہ لیتے تھے۔ کئی روایات میں صحابہ اکرام کا رسول ﷺ کے زلفوں سے محبت اور عقیدت کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق جب کبھی رسول اللہ ﷺ بال ترشواتے تھے تو صحابہ اکرام صف باندھ کر کھڑے ہوجاتے اور رسول اللہ ﷺ کے زلفوں کو نیچے گرنے نہیں دیتے تھے۔ (مسلم)

مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے منیٰ کی جانب تشریف لاتے تو ''رمی'' کے بعد حجام بلوایا اور اپنے بال مبارک نکالے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے پہلے دائیں جانب کے بال نکلوائے اس وقت آپؐ نے ابوطلحہؓ کو آواز دی اس نعمت کو ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بائیں جانب کے بال ترشوائے اور

انہیں بھی ابوطلحہؓ کو دے دیا اور انہیں یہ حکم بھی دیا کہ ان بالوں کو صحابہ میں تقسیم کر دینا۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں موجود ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے مہندی میں رنگے ہوئے لال رنگ کے کچھ بال شریف تھے جن کو وہ ہمیشہ محفوظ رکھتی تھیں اور جب کبھی کوئی صحابی بیمار ہوتے تو ان بالوں کو پانی میں ڈال کر اس پانی کو اس صحابی کو پلا دیتی اور اللہ اس بیمار کو شفا عطا فرما دیتا۔

حضرت انسؓ کے والدہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پسینہ مبارک تھا جو دنیا کے سب زیادہ مہکنے والے عطر سے زیادہ مہکتا تھا۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے تھے تو جسم اطہر پر ابھرنے والے پسینے کو حضرت انسؓ کے والد نے ایک شیشی میں جمع کر لیا تھا، حضرت انسؓ نے اپنے آخری ایام میں یہ وصیت کی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد اس پسینہ مبارک کو ان کے کفن پر مل دیا جائے تا کہ قبر کی منزل آسان ہو جائے۔ علاوہ پسینہ مبارک کے حضرت انسؓ کے پاس ایک بال مبارک بھی تھا اور انہوں نے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ جب وہ انتقال کر جائیں تو ان کی زبان کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی زلف مبارک کا ایک بال رکھ دینا تا کہ قبر میں حساب کتاب کی منزلوں سے بچ جائیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ ایک بڑے جرنیل تھے آپؓ نے بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں انہوں نے تقریباً ہمیشہ جنگوں میں فتح حاصل کی، انہوں نے اپنی ٹوپی میں رسول اللہ ﷺ کے زلف مبارک کے کچھ بال سی رکھے رہتے تھے اور یہی برکت تھی کہ وہ بڑی سے بڑی جنگوں میں بے خطر کود پڑتے اور ظفریاب ہوتے۔ حضرت عمر بن العاصؓ نے بھی وصیت تھی کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی زلف کا ایک بال ہے جنہیں ان کے انتقال کے بعد ان کے کفن میں رکھ دیا جائے تا کہ اس کی برکت کے طفیل قبر میں فرشتوں کے سوال جواب میں آسانی ہو جائے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ ناخن مبارک اور ان کے زلفوں کے کچھ بال تھے انہوں نے وصیت کر رکھی تھی کہ جب میرا انتقال ہو جائے اور میرا جسم پلنگ پر پڑا ہو تو انہیں میری آنکھوں اور پلکوں پر رکھ دینا تا کہ برکت حاصل ہو سکے۔

استنبول میں ایک میوزیم ہے جس کا نام ''توپ کاپی میوزیم'' ہے اس میوزیم میں آج بھی ہم موئے مبارک کی زیارت کر سکتے ہیں۔ اس میوزیم میں موئے مبارک کے علاوہ کئی ایک تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ اس میوزیم کے جس کمرے میں یہ تبرکات رکھے ہوئے ہیں اس کو ''سنہری خزینہ تبرکات'' کہا جاتا ہے، اس میوزیم میں حضور اقدس ﷺ کا جبہ مبارک، عمامہ مبارک، غزوہ احد میں ٹوٹا دندان مبارک، تلوار مبارک، ریش مبارک کے کچھ بال، رسول اللہ ﷺ کی مہر

مبارک لگا ہوا وہ خط جو بادشاہ مقوقس کو لکھا گیا تھا، نعلین مبارک رسول اللہ ﷺ بھی یہاں رکھے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ کالی کملی یعنی وہ کمبل مبارک بھی یہیں رکھی ہوئی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن زہیرؓ کو قصیدہ ''بانت سعاد'' سنانے پر عطا کی تھی، یہ کالی اون سے بنی ہوئی دو گز لمبی چادر ہے جس کا دیدار آج بھی کیا جا سکتا ہے، اس کمبل مبارک حضرت کعب بن زہیرؓ کے فرزند نے حضرت امیر معاویہؓ کو فروخت کر دیا تھا، عرصہ دراز تک یہ کمبل عباسی دور حکومت میں بغداد میں متوکّل سوم کے پاس محفوظ رہی جس کو سلطان سلیم اول نے حاصل کر کے 1595 میں استنبول پہنچایا۔ اسی میوزیم میں مہر شریف (جو چار انچ اور تین انچ کی بلوریں ڈبیا میں بند ہے، اس ڈبیا پر ہاتھی دانت کا حاشیہ لگا ہوا ہے) پرچم یا علم مبارک (جس کے متعلق مورخین بتاتے ہیں کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دروازے کا پردہ تھا) نقش پائے مبارک رسول اللہ ﷺ (مورخین کے مطابق یہ نقش مربع شکل کے Calcareous پتھر پر اس وقت بنا تھا جب رسول اللہ ﷺ معراج کی شب براق پر سوار ہو رہے تھے) کچھ ملبوسات بھی رکھے ہوئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا استعمال کردہ بمبو سے بنا کمان، وہ مٹی کے ذرات جو رسول اللہ ﷺ تیمّم کے لئے استعمال کرتے تھے اور پیالی مبارک وغیرہ بھی یہاں موجود ہیں۔ اس میوزیم میں ان تبرکات کو نہایت احترام وعقیدت کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ یہ تبرکات جس حصہ عمارت میں رکھے ہوئے ہیں اس کو Privy Chamber کہا جاتا تھا آج کل اس کا نام Golden Shrine یعنی ''سنہری خزینہ تبرکات'' رکھا گیا ہے، قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں یہ بتا دوں کہ اس میوزیم میں نبیوںؑ کے تبرکات جیسے عصائے موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ کی تلوار، حضرت یعقوبؑ کا عمامہ، حضرت ابراہیمؑ کے کھانا پکانے کے ظروف وغیرہ بھی رکھی ہیں۔ اس میوزیم کے علاوہ موئے مبارک دنیا کے بیشتر مقامات پر نہایت ادب وعقیدت سے رکھے ہوئے ہیں جن کی سالانہ عوام کو زیارت کروائی جاتی ہے، ان میں ایک شہرت یافتہ مقام کشمیر کا حضرت بل مقام بھی ہے۔

ہندوستان میں مشائخین کے پاس بھی آثار مبارک محفوظ ہیں۔ جن میں قابل ذکر حضرت مکان ویلور ہے جہاں آثار مبارک کی زیارت 12 ربیع الاول کو کروائی جاتی ہے اور اس فقیر کے پاس ورنگل میں بھی آثار مبارک کی زیارت 12 ربیع الاول کو کروائی جاتی ہے نیز بارگاہ معشوق ربانیؒ میں بھی زیارت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں نہایت ہی ادب احترام کے ساتھ آثار مبارک ﷺ کی زیارت اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کی سعادت نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہر کسی کو سچے دل سے خلوص ومحبت کے ساتھ آثار مبارک ﷺ کی زیارت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

باادب بانصیب

مولوی ابوالنعیم سید شاہ محمد کمال اللہ
ظہوری لطیفی یم،اے،عرف صاحب پیر
چشتی القادری جنیدی گورنمنٹ قاضی چتور ضلع،
سجادنشین آستانہ عارفیہ چتور،(اے،پی)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے محبوب نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام کا سبق بندوں کو قرآن شریف میں دے رہاہے،فرمان رب ذوالجلال ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر ولہ بالقول کجھر بعضکم ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔(پ۲۶سورہ حجرات)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

یہ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی ذات قیامت تک کے آنے والوں کے لئے آداب بارگاہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کررہی ہے۔

اس آیۃ مبارکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان ظاہر ہورہی ہے۔

فرمان خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔الدین کلہ ادب، دین تمام کا تمام ادب ہے۔ یہ بات بالکل واضح

ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو ادب کو توفیق دیدئے سمجھو وہ راہ راست پر آ گیا اور خوش قسمت بن گیا، اس کے برخلاف جو بے ادب ہوا وہ سراسر شقاوت و بدبختی کے دلدل میں پھنستا چلا گیا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان عالی شان ہے کہ ''ہر چیز کی کوئی قیمت ہوتی ہے، انسان کی قیمت اسکا علم و ادب ہے''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''پہلے ادب سیکھو بعد علم سیکھو''۔ ادب کا طریقہ ہم کو حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین سے سیکھنا ہے۔

واقعۂ حدیبیہ میں عمرو بن مسعود ثقفی جو کفار مکہ کی جانب سے نمائندہ (صفیر) بنکر آئے صحابہ کا اللہ کے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے ادب کا برتاؤ رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک کو صحابۂ کرام نیچے گرنے نہیں دیتے اپنے اپنے ہاتھوں میں حاصل کر کے چہرہ و بدن پر مل لیا کرتے اور وضو کے پانی کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نیچے گرنے نہیں دیتے ہیں۔

آنکھ ملا کر بات نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو تمام صحابہ بغیر چون و چرا کئے بہت خاموشی سے نہایت ادب کے ساتھ ارشادات کو سماعت کیا کرتے، یہ تمام احوال وہ مکہ پہنچ کر اپنا تاثر پیش کرتے ہیں کہ میں نے قیصرو کسریٰ کے شاہی دربار بھی دیکھا ہے مگر تعظیم و تکریم اور ادب جو صحابہ اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہیں ویسا کہیں نہیں دیکھا۔ جبکہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ فوج تھی نہ تخت و تاج کچھ بھی نہیں۔ اسکے باوجود اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مرتبہ دے دیا۔

ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت قباث بن اشم سے دریافت فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمر میں بڑے ہیں یا تم بڑے ہو؟ جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ بڑے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ مگر میری پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوگئی۔ کیسا ادب کا اظہار ہے ملاحظہ کریں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا ادب دیکھیں کہ آپؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دریافت کرنے کا ارادہ کرتا تھا لیکن کمال ادب کی وجہ سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے برسوں سے نہیں پوچھتا تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کا ہم کو موقعہ ملتا تو اس وقت ہم کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگاتے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم طعام شروع نہ فرمادیتے، کیونکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کسی کام میں بھی آگے بڑھنا بے ادبی سمجھتے تھے۔

صحابہ کرام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات ظاہری میں جس طرح کا ادب کیا کرتے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی صحابہ کا ادب کے تعلق سے یہی عمل رہا ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے مکان کے لئے لکڑی کا دروازہ بنوانا تھا آپؓ نے کام کرنے والے کو یہ تاکید کی کہ دروازہ دور جگہ جاکے تیار کر کے لے آئے اس دوران اوزار وغیرہ کی آواز سے فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اذیت نہ پہنچے گویا بے ادبی نہ ہو جائے۔

ابن حمید سے روایت ہے کہ خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور عباسی اپنے ہمراہ پانچ سو ۵۰۰ سپاہیوں کے ساتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آکے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے علمی مباحثہ کیا دوران گفتگو خلیفہ کی آواز ذرا سی بلند ہونے پر حضرت نے فوراً روک دیا اور فرمایا امیر المومنین اس مسجد میں آواز بلند کرنا منع ہے، اس کے بعد ابو جعفر اپنی آواز کو پست کر لئے۔ فارسی کا شعر ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

آسمان کے نیچے عرش الٰہی سے بھی زیادہ نازک یہ مقام ادب روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ (یہ طریقت کے اعلیٰ ستون ہیں ایسی مبارک ہستیاں بھی) یہاں سانس کو روک کر حاضری دیتے ہیں۔ اوشما کس حساب میں، مقام غور طلب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ نبوت میں گئے دیکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی صاحبزادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اپنی آواز کو بلند کر دیتی ہیں۔ حضرت صدیق کو اپنی بیٹی کی یہ بے ادبی دیکھی نہ گئی غصہ میں آکر ایک طمانچہ زور سے لگا دیا یہاں تک کہ وہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جا کر چھپ گئیں۔

حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں خادمہ رہیں ان کی ذمہ داری رہی کہ جو لوگ آپ کی خدمت میں آتے ان سے یہ دریافت کیا کرتیں کہ حدیث مبارکہ سننے کے لئے یا مسائل معلوم کرنے کے لئے آئے ہو؟ انکا جواب ہوتا کہ مسائل دریافت کرنے کے لئے آکر ہیں تو خادمہ جاکے عرض کرتیں کہ مسائل پوچھنے کے لئے آئے ہیں تو آپ باہر جاکر دریافت کر کے ان کے جوابات مرحمت فرماتے تھے، اگر حدیث مبارکہ سننے کے لئے کہتے تو آپ تازہ غسل فرماتے اور نیا لباس زیب تن فرمایا کرتے اور خوشبو سے معطر ہو کے باہر تشریف لے آتے، ایک تخت آپ کے لئے رکھا جاتا اس پر جلوہ افروز ہو کے بہت ہی ادب کے ساتھ حدیث شریف بیان فرماتے۔ اس درمیان خوشبو کے لئے اس مجلس میں عود کی

دھونی دی جاتی تھی ہاتھ اور پاؤں کو پیشانی کو بوسہ دینا یہ تمام احادیث کریمہ سے بالکل ثابت ہیں صرف ایک رومثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنا زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا عظیم شرف آپؓ کو حاصل ہے فرماتی ہیں کہ جب بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صاحبزادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وخاتون جنت ہیں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضری دیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آنے پر کھڑے ہوجایا کرتے اوران کی پیشانی کو چومتے اوراپنی جگہ انہیں بٹھاتے، جب کبھی پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر کھڑی ہوجاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ کا بوسہ لیتیں اوراپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ جو جامع الاحادیث ہیں اس حدیث مبارکہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت وازع بن عاصر رضی اللہ عنہ راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ فاخذنا بیدیه و رجلیه نقبلها جب ہم مدینہ پہنچے، پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور قدموں سے لپٹ گئے اورانہیں بوسہ دینے لگے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف فرما ہوتے منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جگہ کو اپنے ہاتھ سے مس فرمایا اور بطور تبرک اپنے چہرہ پر ہاتھ کو پھیرلیا۔

اس طرح کے احادیث بہت سی ہیں جس سے صحابہ کرامؓ کا ادب کرنا اور تعظیم کرنا اور چومنا خود شہنشاہ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیشانی چومنا بوسہ دینا مذکورہ حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت صہیبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے دیکھا میرے آقا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو چومتے دیکھا کہ میرے آقا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو چومتے دیکھا اور کہتے تھے کہ اے چچا جان آپ مجھ سے راضی ہوجائیں یہ حضرت علی مرتضیٰ کا عمل رہا ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس سبیل کے بہت سے حدیث موجود ہیں، جن میں نسبت کے لحاظ سے بوسہ دئے ہوں، اسی کی نسبت سے اولاد اپنے والدین کی قدم بوسی کرنا، عالم باعمل کی دست بوسی کرنا، مرید کا اپنے مرشد شیخ کامل کی دست بوسی وقدم بوسی کرنا قرآن شریف کو بوسہ دینا اور کسی ولی اللہ کے مزار پرانوار کو بوسہ دینا ان تمام امور کو شریعت مطہرہ میں جائز

قرار دیا گیا ہے۔

اسی لئے اسلام میں والدین کا درجہ وفضیلت بہت ہے، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ جو بھی اپنے والدین کی فرمانبرداری کی لیکن میری نافرمانی کی پھر بھی میں اس کا شمار نیک لوگوں میں لکھ دیتا ہوں اگر میرا بندہ میری فرماں برداری کرنے کے باوجود اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہو تو اس کا شمار نافرمانوں میں کرتا ہوں، کیونکہ اس نے اپنے والدین کی بے ادبی کی ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے گھر تشریف لے آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے لئے ادبا استقبال کے لئے کھڑے نہیں ہوئے۔ یہ حرکت اللہ تعالیٰ کو ناگوار گزری تو اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی آئی کہ تم نے اپنے والد کے ادب میں کمی کردی ہے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں آئندہ تمہاری سلب سے کسی نبی کو پیدا نہیں کروں گا آخر ایسا ہی ہوا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماں باپ کی بے ادبی کا اثر ان کے آنے والی نسل پر ہوتا ہے۔

دنیا میں وہ اولاد جن کے والدین زندہ ہیں وہ بہت ہی خوش قسمت ہیں کہ ان کی خدمت کر کے آرام پہنچا کر دعائیں حاصل کرتی ہیں اور خود کو جنت کے حقدار کہلاتے ہیں۔ اس کے برخلاف خدمت نہیں کرتے انہیں اذیت دیتے ستاتے ہیں وہ بد دعا میں ہیں یقیناً وہ دوزخ کے مستحق ہوں گے، یہ سراسر بے ادبی میں شمار ہے۔ ادب اولیاء کرام سے سیکھیں۔

حضرت سید نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ بہت باادب تھے اپنے دوستوں اور مریدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کھڑے ہوگئے اور کچھ دیر کے بعد بیٹھ گئے حاضرین مجلس کو تعجب لگا وجہ دریافت کئے تو آپؒ نے فرمایا میرے پیرومرشد کی خانقاہ میں ایک کتا رہا کرتا تھا آج اسی کتے کی صورت جیسا کتا نظر آیا جو میرے سامنے گلی سے گزرا میں اسی کتے کی تعظیم وادب کے لئے کھڑے ہوگیا جب میری نظر سے وہ غائب ہوگیا تو میں بیٹھ گیا۔

یہ صرف خانقاہ کے کتے کے جیسا رہا اس پر آپ نے یہ تعظیم فرمائی اگر خانقاہ کا کتا ہی آجاتا تو اللہ ہی بہتر جانے کہ اس کا ادب اور تعظیم کس قدر فرماتے تھے۔

حضرت کے خاص وچہیتے مرید وخلیفہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ جن کو مرشد پاک ترک کہہ کر بہت پیار سے پکارا کرتے تھے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دکھی انسان حاضر ہو کے اپنا دکھ درد و مفلسی کا اظہار کیا کہ میں غریب ولاچار ہوں گھر میں جوان لڑکی ہے جس کی شادی کرنا میری طاقت سے باہر ہے، بہت امید لے کر حاضر ہوا ہوں آپ میری امداد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا خانقاہ میں رہو جو تحفہ آئے گا دیدوں گا۔ حسن اتفاق وقت گزر رہا تھا کچھ ہاتھ نہ آیا اس فقیر کی پریشانی بڑھ گئی، آپ سے عرض گزار ہوا کہ حضور کچھ نہ سہی آپ کی جوتیاں ہی اٹھالے جاتا ہوں یہ کہہ کر لے گیا۔

ادھر سے حضرت امیر خسروؒ جو مرشد پر دل و جان سے قربان تھے، راستے میں اس فقیر سے ملاقات ہوتی ہے اور حالات معلوم کرتے ہیں آپ شاہی دربار کے شاہی شاعر تھے بادشاہ سے ہزاروں کا انعام لے آئے تھے وہ تمام کا تمام روپیہ دے دیتے ہیں وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا من کی مراد پوری ہوگئی اسکے عوض آپ اس فقیر سے جوتیاں حاصل کر کے سر پر رکھے ہوئے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے ترک تم نے بہت سستے داموں میں ہماری جوتیوں کو خرید لئے ہو جواباً عرض گزار ہوتے ہیں کہ حضور اگر وہ میری جان بھی طلب کرتا تو دے دیتا۔ ادب اور تعظیم کا کتنا بہترین عملی مظاہر کیا ہے۔

اسی لئے تو آج بھی ان نفوس قدسیہ کا نام بھی ادب سے لیا جاتا ہے، مریدین راہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لئے مرشدان کامل بہت سے ہدایات دئے ہیں تصوف کے درجنوں کتب موجود ہیں، جو اس کے طالب ہیں وہ اپنے شیخ کامل سے جو متبع شریعت ہو ان کی مجالس مبارکہ میں مودب بیٹھ کر تعلیم حاصل کرے بطور تمثیل مختصراً صرف چند ہدایات لکھے جارہے ہیں جو کتب میں موجود ہیں۔

۱۔ مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی ہر چیز کو افضل جانے اور اس کا ادب کرے۔

۲۔ شیخ اپنے مرید سے ناراض ہو تو ہر ممکن طور سے شیخ کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔

۳۔ شیخ کی بیوی کو اپنی والدہ کا درجہ دے۔

۴۔ مرید کو چاہئے کہ اپنے مرشد کی اجازت کے بغیر کوئی وظیفہ پر عمل نہ کرے۔

۵۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید و خلیفہ حضرت شبلی علیہ الرحمہ کو اپنا مسواک فرحمت فرمائے، اس کو لوگوں نے آپ سے ہزار درہم کے بدلے خریدنا چاہے تو بھی آپ اس کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ میرے مرشد کی عطا ہے۔ انہیں خوبیوں اور ادب کا نتیجہ کہ یہ بندگان خدا محبوبان الٰہی کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔

مرید کا اپنے مرشد کے لئے اور چھوٹوں کا بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کرنا ان کے لئے کھڑے ہونا اور بڑوں کا چھوٹوں پر شفقت ومہربانی کرنا یہ امور شرعیہ ہیں۔

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لیس منامن لم یرحم صغیرنا و لم یوقر کبیرنا** ،وہ شخص ہم سے نہیں جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی عزت نہ کی۔

شیطان جب جنت میں رہا معلم الملکوت فرشتوں کا استاذ کہلاتا تھا۔توحید کا قائل موحدین کے رہا۔اللہ کا حکم ہوا ملائکہ کو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا شیطان انکار کر دیا۔تفصیل میں جانا نہیں بس ایک نکتہ کی نشاندہی کرنی ہے،اللہ نے انکار کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ آدم مٹی سے بنائے گئے جبکہ میں آگ سے بنا ہوں،مٹی کے مقابل آگ کا مقام بڑھ کر ہے۔

اس طرح نبی کی توہین وگستاخی وبے ادبی کی بنیاد پر لعنتی دوزخی ہو گیا اس کی ساری عبادتیں اکارت ہوگئیں اور جنت سے نکال دیا گیا،یہاں یہ بات سمجھنے کی غور طلب ہے کہ جنت میں رہ کر گستاخی کرنے سے جنت سے باہر آ گیا جو دنیا میں رہ کر اپنے نبی ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی وبے ادبی چاہے تحریر سے ہو تقریر کے ذریعہ کرنے پر جنت کے حقدار و مستحق کسی طرح سے ہو جائیں گے۔

یہاں پر ایک سوال ذہن کی سطح پر ابھر سکتا ہے کیوں کہ بے چارے عوام کیا جانیں بس تحریر و تقریر علماء کا کام سمجھتے ہیں آخر یہ عالم ہو کر کس طرح بہک سکتے ہیں تو انہیں شیطان مردود نے جواب دیا کہ میں جھسا بہک گیا،جبکہ وہ فرشتوں کا استاذ تھا۔حق کو حق کہیں اور باطل کو باطل سمجھیں،جب تک فرق مراتب کو نہیں جانتے گمراہی کے دلدل میں پھنستے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آج کے بے ادبی کے دور میں اللہ پاک اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ طفیل میں ہم تمام کو ادب کرنے والوں کی جماعت میں داخل فرمادے اور حشر بھی انہیں کے ساتھ ہو کیونکہ ساری نجات بس ادب ہی میں ہے۔ایک شاعر نے کہا۔

ادب ہی سے انسان انسان ہے ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

مثل مشہور ہے کہ باادب بانصیب،بےادب بدنصیب۔

محمد کی ثناء خوانی میں یہ ساری خدائی ہے　　خدا رکھے خدائی فی الحقیقت مصطفائی ہے

مطالعہ سیرت النبی ﷺ

از: سید محمود بخاری محل (ضلع چتور، آندھرا پردیش)

تمام حمد ہے بہر خدائے عز و جل　　برائے سید عالی نسب درود شریف

اللہ جل شانہٗ نے اشرف المخلوقات انسان ضعیف البیان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے حضرت ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام سے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء و رسل اور صحائف و کتب کے ارسال و ترسیل کا نظام جاری فرمایا، جسکا اختتام حضرت خاتم النبین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات پر ہوا، اور بابِ نبوت و رسالت بالکلیہ مسدود ہوگیا۔ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں ہے۔

کوئی ان کا سا نہ اعزاز و شرف پائیگا　　بعد حضرت کے رسول اور نہیں آئیگا

دین کے دعوت اور رشد و ہدایت کا سلسلہ متبعین و متبعین کے ذریعہ تا یوم القیام جاری رہیگا۔

انبیائے کرام علیہم السلام دعوتِ دین کے دوران جن مصائب و آلام اور اذیتوں سے دوچار ہوئے ان کو برداشت کیا اور استقلال و استقامت سے تبلیغ و اشاعت میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ **الیوم اکملت لکم دینکم** کی خوشخبری سنی، یہ سب واردات و صادرات تاریخ و سوانح اور سیرت کا سرمایہ اور ذخیرہ ہیں، لیکن حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کا ہر واقعہ مختلف اندازِ بیان اور گوناگوں طرز تقریر و تحریر میں اس وسعت و کثرت سے محفوظ ہے کہ اسکی مثال نہیں ملتی اور بلا شک و شبہ آفرینش عالم سے آج تک کسی ذاتِ واحد کا ذکر و تذکرہ اتنی تفصیل اور وضاحت سے محفوظ و موجود نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سیرتِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گوشہ تشریح طلب ہے، یا یہ رخ واضح نہیں ہے یا اس عنوان پر لکھا نہیں گیا، باوجود اس کے مختلف زاویوں اور نئے نئے عنوانات کے تحت نئے نئے دفتر نئی طرز تحریر و تقریر میں شائع اور نشر ہو رہے ہیں، اور ہوتے رہیں گے۔

سیرت فقط اسی کی مکمل ہے دہر میں　　بس اک یہی حدیث مفصل ہے دہر میں

یہ ورفعنا لك ذکرك کی تفسیر ہے،اور صاحبِ تاج لولاك وقاب قوسین کا اعجاز ہے۔

لاکھوں مضمون ہیں مداحِ محمدؐ کے لئے　　　خرچ کے واسطے اندازہ نہ آمد کے لئے

متعدد آیات قرآنی وصف محمدیؐ میں نازل ہوئیں، اگر تحقیق و تلخیص سے کلام الٰہی کا مطالعہ کیجئے تو واضح ہوگا کہ کلام الٰہی اوصاف محمدی ﷺ کا مجموعہ ہے۔نعتوں کا گلدستہ ہے۔

تعریف پیمبر کی قرآنِ مکرم ہے　　　یا اس کو پڑھا کرنا یا اس کو سنا کرنا

قرآن شریف کے علاوہ دیگر کتب وصحائف سماوی میں بھی امام المرسلینؐ کے اوصاف مشکو وکمالات نیکو کا ذکر خیر ہے، آپؐ کی تشریف آوری کی بشارتیں ہیں، اور خود انبیائے سابقین نے آپکی تعریف وتوصیف فرمائی ہے، اور آپؐ کے امتی ہونے کی تمنا کی ہے۔

قرآں کی جیتی جاگتی تصویر ہے یہی　　　ہر شعبۂ حیات کی تفسیر ہے یہی

خلاقِ عالم نے اپنی مخلوق اور خصوصاً امتِ محمدی ﷺ پر جو جو انعام واکرام فرمائے ہیں ان کا کسی عنوان احسان نہیں جتلایا۔احسان جتلایا تو یہ کہ مومنین پر احسان کیا جو یہ نعمتِ غیر مترقبہ (ذاتِ محمدیؐ) عطا فرمائی، اور حکم فرمایا کہ اس عطائے نعمتِ گرانمایہ وانعام بے بہا کے لئے فرحت ومسرت کا اظہار کریں، یہ سیرت نگاری نعت گوئی میلاد کی مجلسیں اور ثناء خوانی کی محفلیں وغیرہ گویا اسی حکم خداوندی کی تعمیل ہے۔

سیرت کی نگارشات کلامِ الٰہی وحدیثِ محمدی ﷺ کی تعلیم وتفسیر اور تفہیم وتشریح کے دفتر ہیں اور کم وبیش ہر زبان میں موجود ہیں، جنکا شمار مشکل ہے، اردو میں سیرتِ نبوی ﷺ پر لکھی گئی نظم ونثر کی چھوٹی بڑی بے شمار اور بہترین کتابیں دستیاب ہیں جو مرتبہ نبوت رسالتِ محمدی ﷺ کی دلیل محکم وبرہاں مبیں ہیں۔

مضمونِ کائنات کا عنواں رسول پاکؐ　　　ایسی کتاب جس کا کہیں خاتمہ نہیں

سیرت النبیؐ کا ایک معتبر ومشہور منظوم دفتر جنان السیر فی احوال سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو شاہ عبدالحیٔ صاحب واعظ المتخلص بہ احقر بنگلوری کا منظومہ ہے، یہ ایسا بلند و بالا مرصع ومجلیٰ مینار نور ہے، جسمیں سیرت حبیب رب العالمین ﷺ کے حروف والفاظ کے الماس ومرداریداور لعل ویاقوت کوادب واحترام اور عشق وعقیدت کے ہاتھوں ربط وتسلسل کے ساتھ جوڑا گیا ہے اور اس بابرکت اعظم وافضل کام کرنے کا عزم وارادہ ہمت وحوصلہ وہی فرد فریز کرسکتا ہے جس پر افضال الٰہی کا ابر گہربار برستا رہے اور رحمت عالم کی نظر عنایت وکرامت ضیابار وضوفگن رہے۔

اگر حضرت رومی کی مثنوی قرآن بہ زبان فارسی ہے تو حضرت بنگلوری کی جنان السیر فی احوال سید البشر قرآن بہ زبان اردو ہے، جسکی مقبولیت ومحبوبیت کا یہ عالم ہے کہ جنوبی ہند کے ہر گھر میں موجود ہے اور تلاوت کلام اللہ کے بعد اسکا پڑھنا معمول ومرغوب مومنین ہے، اور جہیز میں دینے جانے والے تحائف میں کلام الٰہی کے ساتھ سیرت نبوی کا یہ عظیم تحفہ ضروری ولازمی ہے۔

سیرت کا یہ سدابہار چمن بیسویں مرتبہ مختلف مقامات میں طبع ہو چکا ہے، جسکی گنتی لاکھوں تک پہنچتی ہے، اگر کسی نے اسکا مطالعہ نہ کیا ہو تو اسکی محرومی قابل افسوس ہے۔

ایک اور دفتر ''اختصار السیر'' ہے جو مولوی عبد المجید خان صاحب پنگنوری (محرک مدرسہ نسوان وانمباڑی) کی تالیف سیرت نبوی نثر بنام ''زیور ایمان'' منظوم مجموعہ ہے جس کے ناظم محمد یوسف صاحب منشر پنگنوری ہیں۔ بارہ گلدستہ کا یہ دفتر دوسو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے جو ۱۳۴۹ھ میں چھپا ہے۔ اور نایاب ہے۔

مبشر پنگنوری سید سلیمان صاحب بشیر بنگلوری کے شاگرد مولوی عبد المجید خان صاحب پنگنوری کے صحبت یافتہ اور شاہ نذر اللہ بخاری اجملؔ کرمایوی کے مرید تھے۔

اختصار السیر کے چند ابتدائی اشعار درج ذیل ہیں

کس طرح تحمید خلاق جہاد — ہو لساتی ونطق سے میرے عیاں
تھا وہ جب گنج احد میں ہونہاں — نہ کسی شئی کا رہا اصل نشان
عشق سے اپنے ہویدا کر دیا — نور احمد کے تئیں رب العلا
باعث اسکے ہے یہ دنیا کا ظہور — دو جہاں میں کر دیا رب غفور
ہے یہ پرتو سب اسی کی ذات کا — حق نے بخشا تاج انہیں لولاک کا
ہیں محمدؐ مظہر ذات ربی — اور خاتم آپؐ نبیوں کے سبھی
اشرفِ عالم و آدم آپؐ ہیں — حق کے محبوب معظم آپؐ ہیں
شکر اس نعمت کا ہو کیونکر ادا — نیست ہم تھے ہست کی صورت دیا
اشرف المخلوق اور انسان بنا — ہمکو امت میں نبی کے کر دیا
اس نبی پر اسکی آل وصحب پر — حق سے ہو صلوٰت بس شام وسحر

مولوی عبدالمجید خان صاحب پنکنوری منظومہ ''سیر مختصر'' باون صفحات پر ۱۳۵۱ھ میں مطبع کریمی مدراس نے چھاپی ہے۔ ''سیر مختصر'' کے کچھ شعر یہ ہیں۔

شکر اسکا ہم سے کب ہوگا ادا ۔۔۔ کہ ہمیں اللہ نے انسان کیا
ساری مخلوقات میں اشرف جو ہے ۔۔۔ صرف اک انسان ہے اے نیک پے
پھر ہمیں اک نعمت عظمیٰ دیا ۔۔۔ ہمکو ایماں سے مشرف وہ کیا
اور بھی وہ ہم پہ احسان یہ کیا ۔۔۔ امت احمد میں ہمکو ہے کیا
آرزو تھی انبیاء کو جان لیں ۔۔۔ امت احمد میں ہم داخل رہیں
جب تلک جانے نہیں کوئی بشر ۔۔۔ وہ فضائل مصطفیٰ کے خوبتر
تو اسے کامل محبت آپ کی ۔۔۔ کس طرح جانو میسر ہووےگی
جس طرح اللہ کے اوصاف کو ۔۔۔ جو نجانے کب محبت اللہ کا ہو
جو سیر جانے رسول اللہ کے ۔۔۔ اسکو معلوم ہوں فضائل آپکے
اس لئے اب یہ رسالہ درسیر ۔۔۔ ہیں روایات جسکے جانو معتبر
بندۂ عاصی نے اسکو ہے لکھا ۔۔۔ عفوکردیوے خدا اسکی خطا
جانو جس مجلس میں ہو ذکر سیر ۔۔۔ ہوگی واں رحمت کی بیشتر

مولوی سید بشیر الدین احمد بشیر فرزند حضرت سید امام الدین احمد گلشن آبادی (ناسک) کا منظومہ مسدن مقدس پیغمبر نامہ ایک سو ساٹھ صفحات پر مطبع رحیمی ممبئی میں چھپا تھا، سنہ طباعت (۱۳۵۰ھ) تین بند اسکے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

رسول عرب داعی کبریا تھے ۔۔۔ عرب اور عجم کے وہی مقتدا تھے
ابو طالب انکے مکرم چچا تھے ۔۔۔ نگہبان بھتیجے کے اپنے سدا تھے

محبت سے طفلی میں پالا نبی کو
بدوں کی بدی سے سنبھالا نبی کو
خدا کے پیمبر رسول یگانہ
ہوئے شہر مکہ سے جسدم روانہ
مدینہ تھا منتظر اک زمانہ
کہ اب منعقد ہو گا جشن شہانہ
یہ غل تھا ہر اک جا رسول آرہے ہیں
مدینہ میں مکہ کے پھول آرہے ہیں

وہ عالی نظر مخزن لطف واحسان وہ والا گہر رہبر جن وانسان
وہ قدسی اثر مہبط وحیٔ قرآں
وہ نیکو سید ماہر رمز سبحانی
ہمارا پیمبر ہمارا معلم
محمد ہے صلو علیہ وسلم

حضرت قاضی غلام علی مہری کی لکھی ''مصباح المجالس'' ایک قابل قدر و منزلت منظوم صحیفۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو حضرت عبدالحئی احقر بنگلوری کی ''جنان السیر فی احوال'' سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بارہ مجالس پر مشتمل ہے، سبب تالیف میں قاضی صاحب نے جنان السیر کی تعریف کی ہے اور صاحب کتاب کے لئے دعا بھی کی ہے۔

ہیں بارہ مجلسیں جو انکی تصنیف
کروں آں شعر کی کس منہ سے تعریف
ہے احوال اسمیں سلطان ہدیٰ کا
محمد مصطفیؐ بدر الدجیٰ کا
صفائی اور مٹھاس اس میں عجب ہے
سخن وہ سر بسر مقبول رب ہے
کرے پر نور حق مرقد کو انکی
منور تربت امجد کو انکی
نبی کی ذات سے وہ فیض پاویں
لے بارہ مجلسیں جنت میں جاویں

مصباح المجالس کی ہر مجلس اور ہر شعر جنان السیر کی طرح جب نبی کا آئینہ دار ہے، حمد و نعت کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

کروں پہلے ثناء جاں آفریں کی
دکھائی جس نے سب کو راہ دیں کی

ثناء اسکی نگار ہر مستحق ہے
بہار گلشن نور کہن ہے
ہے اس سے مہر دل کو تاب داری
زباں کی تیغ کو ہے آب داری
نہ جس میں جلوہ گر حق کی صفت ہے
سخن گر دُر ہے وہ بے کیفیت ہے
ہے نام اسکا چراغ خانۂ دل
منور اس سے ہے دردانۂ دل
تعالیٰ اللہ عجب ہے ذاتِ معبود
کیا ہے جس نے سب عالم کو موجود
مبرّا ذات اسکی ریب سے ہے
منزہ تر تمامی عیب سے ہے

نعت

زباں مدح ہے ہر دم نبی کی
ثناء ہے روح سے ہمدم نبی کی
ثناء قرآن میں جسکی عیاں ہے
ثناء گو خالقِ ہر دو جہاں ہے
وہ ہیں ختم الرسل سلار امت
شفیع المذنبین غمخوار امت
امام الانبیاء و مرسلین ہیں
مقرر رحمت للعالمین ہیں
ملا لولاک کا خوش تاج انکو
ہوئی ہے عرش پر معراج کو

مصباح المجالس ممبئی، بنگلور، حیدرآباد میں کئی بار چھپی ہے۔تاج بک ہاؤس حیدرآباد کا چھپوایا ہوا نسخہ پیش نظر ہے ۳۲۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، کاتب اور مطبع کا نام اور سنہ طباعت درج نہیں ہے، ایک اور نسخہ کریمی پریس ممبئی کا چھپا ہوا جسے قاضی محمد ابراہیم صاحب عزیز نے ۱۳۵۴ھ میں پانچویں بار چھپوایا تھا، بہت خوشخط ہے جس کی پیرزادہ محمد ناصر عطا صاحب ناصرؔ نے قطعۂ تاریخ میں تعریف کی ہے۔

ایڈیشن چار اول چھپ چکے ہیں
چھپا ہے پانچواں اب یہ ایڈیشن
منور ہر صفحہ ایسا کہ جیسے
کسی عارف کا ہووے قلب روشن
سطر ہر ایک مثل موج کوثر
ہر ایک نقطہ ہے اختر حضرتِ من
لکھو اس نسخۂ نادر کی تاریخ
جواہر بے بہا عرفاں کا مخزن

۱۳۵۴ھ

خود قاضی محمد ابراہیم صاحب عزیزؔ کے یہ دو شعر بھی خوب ہیں۔

کیوں نہ اے مطبۂ کریمی بول بالا ہوترا
خوب مصباح المجالس کو بنایا شمع طور

نسخۂ نادر کی تم تاریخ لکھوائے عزیزؔ
ہے یہ بیشک مرشد کونین شمع بزمِ طور

۱۳۵۴ھ

قطعات تاریخ لکھنے والے شعراء نے بہت اچھے اور مبنی بہ حقائق اشعار لکھے ہیں جو چار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، آخر میں سید عبدالباری صاحب، اخترؔ ٹونکی کا یہ قطعہ ملاحظہ کیجئے۔

کیوں نہ مصباح المجالس ہو مقبول
ہیں بصحت اسمیں حالاتِ رسولؐ

چھاپ کر مطبع کریمی نے اسے
کردیا سب پر عیاں حسبِ رسولؐ

مایۂ برکت ہے یہ نادر کتاب
اسکو پڑھ کر شاد ہوتا ہے ملول

دی ندا ہاتف نے اخترؔ کو رقم
حمدِ مولیٰ گلشن نعتِ رسولؐ

حضرت محشرؔ رسول نگری کا ایک مسدس ''فخر کونین خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوانات پر مشتمل ہے اور منظوم کتب تاریخ و سیرت میں ایک گرانمایہ اضافہ ہے۔ زبان و بیان کی خوبی و دلکشی قابل تعریف ہے، اسے پڑھتے ہوئے شاہنامہ اسلام حضرت حفیظؔ جالندھری کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، یہ مسدس ہدیٰ دہلی کے ''حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر'' بابت صفر امظفر ۱۴۱۰ھ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں صفحہ ۱۹۴ تا ۳۳۰ چھپا تھا، ظہور قدسی کے دو بند اور اسمائے رسولؐ سے اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بند ملاحظہ کیجئے۔

حمد و نعت

ہے نورِ حق کا مظہر اول نبی کا نور
جس سے ہوا ہے انفس و آفاق کا ظہور

انسان کو بندگی کا اسی سے ملا شعور
مومن اسی کے عشق میں رہتا ہے ناصبور

روزِ ازل یہ نور ہی مقصود کل ہوا
خیر البشر ہوا یہی ختم الرسل ہوا

اس نور سے سجائی گئی بزم کائنات
اس نور سے بپا ہوا ہنگامۂ حیات

نور محمدیؐ تھا اک آئینہ صفات
دیکھا جب اس میں حق نے خود اپنا جمالِ پاک

ہر پردۂ غیاب میں موجود ہوگیا
خود آپ اپنا شاہد و مشہود ہوگیا

اسم محمد صلی اللہ و سلم ۔

جملہ صفاتِ حق کا یہ آئینہ دار ہے
اس نام سے خدا کا جلال آشکار ہے
قائم اسی سے اہل رضا کا وقار ہے
یہ راز دارِ قدرت پروردگار ہے

اٹھتا ہے شور اس پہ درود و سلام کا
یہ نام اک بہانہ ہے الطاف عام کا

آقائے نامدار کے ہیں نام اور بھی
فیضاں عام کے ہیں کئی جام اور بھی
سر شار ہوگی محفلِ ایام اور بھی
ہوگی نمود صبح سرِ بام اور بھی

سوتی رہے گی بارش انوار حشر تک
لٹتی رہیگی دولت بیدار حشر تک

کوئی حسب میں آپؐ سے بڑھ کر نہیں ہوا
کوئی نسب میں آپؐ سے بہتر نہیں ہوا
تبلیغ حق میں آپکا ہمسر نہیں ہوا
عیسیٰؑ کا اور کوئی مبشر نہیں ہوا

روزِ ازل سے پہلے بھی مولائے کل تھے آپؐ
آدمؑ تھے ماؤطیں میں کہ ختم الرسل تھے آپؐ

حضرت ابوالمعانی شیخ محمد عثمان صاحب شاد بونویؒ کی منظوم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو ۲۲ صفحات پر ۱۹۵۰ء میں چھپی ہے، پیش نظر ہے، حمد و نعت ولادت ہجرت، عمر شریف اور اخلاق مبارک کے زیرعنواں اشعار کا مختصر انتخاب درج ذیل ہے۔

حمدِ خدا کے بعد ہے مدحت رسولؐ کی
ہے الفتِ خدا ہی میں الفت رسولؐ کی
زیبا ہے مصطفےٰؐ ہی کو اللہ کی ثنا
معلوم ہے خدا ہی کو عظمت رسولؐ کی

یہ حامدِ خدا ہیں وہ مداح مصطفیٰ ﷺ پنہاں ہے شانِ حق ہی میں شوکت رسولؐ کی
نور خدا سے نور محمدؐ کا ہے ظہور خالق سے اپنے ملتی ہے صورت رسولؐ کی
ہر قوم کے لئے انہیں رحمت بنادیا
قرآن میں رقم ہے یہ عظمت رسولؐ کی

ولادت.......

روز دو شنبہ بارہ ربیع الاول کی صبح مکے میں ہی ہوئی ہے ولادت رسولؐ کی
ہیبت سے سارے بت ہوئے اسوقت سرنگوں
کیا خوب دے رہے تھے شہادت رسولؐ کی

اسمائے مبارک والدووالدہ ۔

عبداللہ تھے حضورؐ کے والد بزرگوار ظاہر جبیں سے انکے تھی عظمت رسولؐ کی
تھا والدہ مکرمہ کا نام آمنہ
اللہ نے دی تھی انکو امانت رسولؐ کی

ہجرت ۔

ماہِ صفر کی آخری تاریخ وقت شب یوم الخمیس کو ہوئی ہجرت رسولؐ کی

عمر شریف ۔

ترسٹھ برس پہ اور زیادہ تھے پانچ دن عمرِ شریف تھی یہی حضرت رسولؐ کی

اخلاقِ کریمانہ ۔

برتاؤ ملنے والے سے کرتے تھے بہترین مشہور ہے جہان میں سیرت رسولؐ کی
شاہ جہاں تھے رہتے تھے غربا میں رات دن کیسا تھا خلق کیسی تھی خصلت رسولؐ کی
بچوں کو پیا اور کیا کرتے تھے سلام تھی عہد طفلی سے یہی عادت رسولؐ کی
یہ کچھ بھی ہوتا کرتے عنایت غریب کو تقسیم ہوتی رہتی تھی دولت رسولؐ کی
کھاتے تھے کم بہت ہی وہ سوتے تھے کم بہت فاقہ کشی سے خوش تھی طبیعت رسولؐ کی
مانباپ کے حقوق کا ہر دم رہے خیال سب کے لئے یہی تھی نصیحت رسولؐ کی

پورا خیال رکھا اسیران جنگ کا	بے چین ہر گھڑی تھی محبت رسولؐ کی
ہر فرد لے رسولؐ کے اخلاق سے سبق	دل میں اگر ہے اسکے محبت رسولؐ کی
سیرت اسی امید پہ لکھی ہے شآد نے	حاصل ہوتا کہ اسکو شفاعت رسولؐ کی

حضور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے لحاظ سے ترسٹھ اشعار ہیں۔لکھا گیا سیرت کا یہ شہ پارہ بخاری بک ڈپو محل ۵۱۷/۳۵، (ضلع چتور، آندھرا پردیش سے مل سکتا ہے)

زبان تابودور دہاں جائے گیر	ثنائے محمد بود دلپذیر

قمر نامۂ اسلام ، حضرت عبدالرزاق صاحب، حافظ باقوی کی لکھی منظوم سیرت نبوی ﷺ جو (۳۸) اڑتیس عنوانات پر مشتمل ہے اور ۱۲۸ رصفحات پر ۱۹۹۰ء میں چھپی ہے جس میں حضرت نیر ربانی صاحب کا مقدمہ حضرت اشرف سعودی صاحب کا پیش لفظ اور حضرت مختار الدین احمد صاحب کا حرفِ چند شامل ہے، یہاں حضرت اشرف سعودی صاحب کے پیش لفظ کا کچھ حصہ جو نزرانۂ عقیدت نہیں بلکہ نزرانۂ عشق و محبت ہے۔

نقل کیا جارہا ہے جس سے اس گنجینۂ سعادت کے گرانقدر و منزلت ہونے کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

> "العظمہ للہ !یہ کیسی سرکار والاتبار اور کس کا دربار گوہر بار ہے!؟ کتنے اسکے گن گانے والے اور کتنے اس پر سردھنّے والے! کتنے اس کی مدح سرائی میں رطب اللسان اور کتنے اس پر گوش بر آواز کتنے ادب عالیہ کا نزرانۂ حسین پیش کرنے والے اور کتنے گلہائے شعر و سخن کی خوبصورت لڑیوں اور خوشبودار مالاؤں کے ساتھ حاضری دینے والے! اللہ اکبر لاکھوں کروڑوں مجلسیں اسی سرکار کی نسبت سے سجیں، سجتی رہتی ہیں اور سجتی رہینگی کہ یہ قطارِ انور لامتناہی ہے، ہزار ہا کتب خانے اسی دربار سے متعلق آباد ہوگئے اور اس سلسلہ الذہب

کی سنہری کڑیوں میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے، مختصر یہ کہ جسے بولنا آیا اس نے اپنی سعادت اسی میں سمجھی کہ وہ آپکی شان میں بولے اور جسے لکھنا آیا اسے اپنی خوش بختی اس میں نظر آئی کہ وہ آپکے اوصاف وکمالات پر لکھے، خطیب ہوں کہ ادیب نثر نگار ہوں کہ شاعر سب اپنی صلاحیتیں آقائے دو عالم تاجدارِ مدینہ سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ﷺ کے ذکرِ پاک میں صرف کرنیکو حاصل زندگی سمجھتے رہے، کیا نام نامی اور اسم گرامی ہے آپکا کہ بولئے تو زبان حلاوت وشیرینی محسوس کرے، سنئے تو سماعت میں رس گھلے دیکھئے تو نگاہوں میں بصیرت آئے لکھئے تو قرطاس و قلم لو دینے لگیں اور تصور کیجئے تو دل و دماغ اور قلب و روح سرور ونشاط کی بے مثال و لازوال کیفیات سے سرشار ومخمور ہوجائیں۔''

آیئے اب قمر نامہ اسلام کے چند متفرق اشعار کے مطالعہ سے اپنے ذخیرۂ آخرت میں اضافہ کیجئے۔

ہے اللہ کا نام پیارا ہمیں
مسلمان اس نے بنایا ہمیں

ہوا تھا نہ اول کسی کا ظہور
کیا حق نے پیدا محمد کا نور

ربیع الاول بارہ دن پیر کا
فضاؤں میں عالم تھا تنویر کا

رسولوں کے سردار پیدا ہوئے
دو عالم کے سرکار پیدا ہوئے

سلام آپ پر شاہِ جن و بشر
سلام آمنہ کے اے لختِ جگر

سلام آپ پر سرورِ انبیا
سلام آپ پر رحمتِ دوسرا

نبوت کے دسویں برس ایک رات
گئے عرش اعظم شہ کائنات
ہے معراج شہ کا بڑا معجزہ
عجب اسکی شوکت عجب مرتبہ

تھے کیسے محمد ﷺ یہ پوچھا گیا
جواب اسکا یوں عائشہؓ نے دیا
ہیں قرآن میں جتنی اچھائیاں
وہ تھیں سبکی سب آپ میں بے گماں
بہت ہی تھے پیارے رسولؐ کریم
تھے آراستہ بہ خلقِ عظیم
تھی پیاری سی پرنور شکلِ نبی
زباں میٹھی میٹھی تھی سرکار کی
بہت خوبصورت تھے شاہِ ہدیٰ
تھا گالوں میں گویا قمر تیرتا

تھا رخ سے نمایاں عجب دبدبہ
تھے مہتاب صورت نبی جلوہ زا
یوں لگتا تھا جب بات کرتے رسولؐ
دہانِ مبارک سے جھڑتے ہیں پھول
تھے سرکار گالی سے نا آشنا
کبھی بھی برائی سے نا آشنا
سدا پاک رہتے تھے پیارے نبی ﷺ
نجاست سے نفرت تھے کرتے نبی ﷺ
بہت صاف رہتا لباس آپکا
مہکتا ہمیشہ لباس آپکا
پسند آپکو تھی بہت سادگی
تکلف نہ کاموں میں ہوتا کبھی
تھے کر لیتے سرکار کام اپنا آپ
سہارا بھی تھے بلکہ غیروں کا آپ
صداقت امانت شعار آپکا
رہے آپ وعدے کے پکّے صدا
رہے قول کے فعل کے آپ صاف
سدا دشمنوں کو تھے کرتے معاف
بزرگوں کی عزت کیا کرتے آپؐ
صغیروں پہ شفقت کیا کرتے آپؐ
سہا ظلمِ اعدا سدا آپؐ نے
کسی سے نہ بدلہ لیا آپؐ نے
تھے محبوب بچوں کے پیارے نبی ﷺ
تھے مسرور بچوں سے پیارے نبی ﷺ
خود اطفال کو بڑھ کے کرتے سلام
اٹھا لیتے گودی میں شاہِ انام

یہ بے حد دلار اور پیارا آپؐ کا — مسلمان بچوں سے تنہا نہ تھا
محبت یہی بلکہ ہر اک سے تھی — وہ اولاد کیوں ہو نہ کفّار کی

رقم کیوں نہ باتیں نبی کی کروں — نہ کیوں پیش انمول موتی کروں
کہا شہ نے میں ہوں نبی آخری — مرے بعد آئے نہ کوئی نبی
ادا ہوں نمازیں سبھی وقت پر — ہوں سیدھی صفیں پھر نہ پائے نظر
ہے خلدِ بریں ماں کے قدموں تلے — جو ہو باپ خوش تو خدا خوش رہے
جو بچے نہیں گھر میں برکت نہیں — نہ ہوں گل چمن میں تو زینت نہیں
صفائی ضرور آدھا ایمان ہے — پسندیدہ ربِ رحمٰن ہے
نہ سو دن چڑھے تک یہ نقصان ہے — تباہی کا اپنی یہ سامان ہے
ہو علمی طلب گود سے گور تک — سبو پر کرو تہ سے تم کور تک
کرو بڑھ کے ہر آدمی کو سلام — بڑھے گی بہم اس سے الفت مدام
نہ کھاؤ کبھی کچھ بھی بازار میں — نہ شرکت کرو بزمِ اشرار میں

ہے معدہ مکان سارے امراض کا — ملے تندرستی جو کم لو غذا
جو استاد ہوں انکی عزت کرو — جو محتاج ہوں انکی نصرت کرو
مسلماں کو گالی نہ دینا کبھی — کہ اس میں ہے معبود کی ناخوشی
کسی جانور کو نہ تکلیف دو — نہ جھڑکو کبھی اپنے ماں باپ کو
پڑھو شادین پر سلام و درود — ہو ہم سب پہ انعامِ ربِ ودود
بنے جو محمد کا ادنیٰ غلام — زمانے میں پائے وہ اونچا مقام

ایک اور سیرت مبارک ''یا صاحب الجمال ﷺ'' حضرت راہیؔ فدائی صاحب کی نظم کردہ پیشِ نظر ہے جو بقول پروفیسر محمد علی صاحب اثرؔ یہ دریائے رحمت مختصر منظوم سیرت طیبہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ راہیؔ فدائی صاحب کے

عشق ومحبت رسول ﷺ اورفنی پختگی کا حامل یہ شہ پارہ اسلام سے پہلے، ولادت باسعادت، نبوت ورسالت ہجرت امہات المومنین، خلفائے راشدین حجۃ الوداع، شمائل واخلاق النبی ﷺ وغیرہ کل بارہ ابواب پر مشتمل ہے، آیئے انوارِ رحمت سے بصارت وبصیرت کومنور کریں اورفوز وفلاح دارین کے مستحق بنیں۔

اسی کی ذات کا مطلع ہے روئے حسنِ آب
اسی کے نور کے سکّے یہ مہر یہ مہتاب

اسی کے حرف ونوا نقش بھی اسی کے ہیں
اسی کے نام سے کھلتی ہے جسم وجان کی کتاب

یہ تاج وتخت یہ علم و ہنر یہ حسن و جمال
اسی کے اذان سے ڈالا ہے ہم نے رخ پہ نقاب

اسی کے قبضہ میں قلب مرید وجلب مراد مراد
وہ کار سازِ حقیقی وہ خالقِ اسباب

یہ دل کی جھولی توکل سے بھر گئی راہیؔ
وہی ہے باسط و کشاف و فاتحِ ابواب

پابوس سنن جب ہوئے کردار ہمارے
کونین بنے حاشیہ بردار ہمارے

اک چشم کرم آپ کی سرکار ہمارے
ہوجائینگے اشرار بھی ابراب ہمارے

آقا نے غلامی کی سند ہمکو جو دیدی
حیران ہیں عاجز ہیں خریدار ہمارے

ادنیٰ ہیں مگر چونکہ غلامِ شہ دین ہیں
لوح و قلم وعرش پرستار ہمارے

راہی یہ یقین جانئے فیضان نبی سے
فکر رہ طیبہ میں ہیں اشعار ہمارے

حمد لائق ہے یقیناً ہر طرح رحمٰن کو
جس نے راہِ حق دکھائی بے گمان انسان کو

سرورِ کونین وشاہِ دیں پہ ہوں لاکھوں درود
جنکی سیرت نے عطا کی زندگی ایمان کو

آلِ اطہر اور اصحاب پیمبر کو سلام
یاد رکھینگے مسلمان انکے ہر احسان کو

تھا ظہور آقا کا آخر اولاً نورِ وجود
آپکی آمد سے تھے کونین بھی محوِ درود

خوبتر اسمِ گرامی ہے محمد ﷺ آپکا
رب نے احمد بھی کہا ہے آپ ہی کو جابجا

آپؐ ہادی آپؐ مہدی آپؐ روحِ کائنات
آپؐ کی طاعت حیاتؐ اورآپؐ سے غفلت ممات

جوں ہی شجر عمر پر چالیسویں چھائی بہار
رب نے بخشی آپکو بے شک نبوت پر وقار
لفظ اقرا سے ہوئی تھی وحی رب کی ابتدا
جس کا مطلب ہے پیمبر پڑھ بنامِ کبریا

گیارہ ازواج نبی ہیں قابلِ صد احرام
سب کی سب امت کی مائیں ہیں ادب سے ہوکلام

آخری خطبہ قیامت تک رہیگا یادگار
جس نے روحِ آدمیت کو کیا ہے باوقار
آپؐ تنویر دوعالم آپ وجہ کن فکاں
آپؐ شمع بزم امکان و چراغ لامکاں
نورتن پر خوبصورت ہے یہ پوشاک بشر
کچھ تقاضے خلعتِ شاہی کے ہوں حیرت نہ کر
آپ فضلِ رب سے زندہ ہیں یقیناً قبر میں
دیکھتے سنتے ہیں مومن کو بایں تن قبر میں

معتبر ہیں علم وحکمت آپؐ کے ارشاد سے
آپؐ کی اک ذات والا باعثِ حق الیقیں
اے امید قلب عاصی اے تمنائے دلی
اک نظر راہیؔ کی جانب یا شفیع المذنبیں

جہاں ہوتا ہے ذکرِ پاکِ حضرت
برستا ہے وہاں بارانِ رحمت

حضرت ضیاء الدین احمد صاحب، امانیؔ پلی کنڈوی کی منظوم سیرت النبی ﷺ گلشن سیرت منظوماتِ سیرت میں ایک اہم اضافہ ہے جو ستاون سال بعد غالباً دوسری بار چھپی ہے۔

مقدمہ میں حضرت امانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

مختصر اور عام فہم سیرت لکھنے کا شوق مدت سے دامنگیر تھا تاکہ شایقین اگر چاہیں تو چار پانچ جلسوں میں ختم کرسکیں اس طرح سیرتِ نبوی ﷺ کے پڑھنے سنے کی برکات سے ہر مسلمان باآسانی مالا مال ہوسکتا ہے۔ ص ۳

جس زمانے میں (ستاون سال پہلے) یہ سیرت مبارکہ چھپی تھی چار پانچ مجالس میں پڑھنے سننے کی سعادت کا حصول آسان تھا جیسے کہ راقم الحروف کے بچپن میں ''جنان السیر فی احوال سید البشر ﷺ'' ربیع الاول کی بارہ راتوں میں عشاء کے بعد سے ایک یا سوا بجے تک پڑھنے کا دستور تھا اور سامعین بھی کافی تعداد میں شوق وعقیدت سے جمع ہوتے تھے

اورادب سے بیٹھ کرسماعت فرماتے تھےلیکن آج کے حالات میں جن سے آپ بخوبی واقف ہیں ایسی مجلسوں کا اہتمام و انتظام بہت کم ہوتا ہے اور ہوتا بھی ہے تو شایقین کا جمع ہونا اور عدیم الفرستی کی وجہ دیر تک بیٹھنا جبکہ گلشن سیرت میں دوسو پچاس عنوانات کے تحت بیسیوں اشعار ہیں اور اکثر واقعات کے ربط و تعلق کوفوری طور پر سمجھنا (جبکہ ایسی مجلسوں میں روانی بلکہ تیزی سے پڑھنے کارواج ہےجسکی مثال تراویح میں حفاظ کرام کی تلاوت کلام الٰہی ہے) مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں ہےاور یہ خلافِ ادب ہے کہ مشاعروں کہ طرح دوبارہ سنانے کی درخواست کی جائے۔

لیجئے انتخاب گلشنِ سیرت اور تقاریظ ملاحظہ فرمایئے:

حضرت محمد المعروف بہ اسمٰعیل صاحبؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام عمرآباد:

مولفِ ''الثریٰ''

گلشن سیرت ایک بے نظیر سہل و سلیس نظم ہے جس کو مولف نے کمال عرق ریزی سے منظوم فرمایا ہے۔

> کتاب کیا ہے گویا سیرتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہترین آئینہ ہے جس میں سیرت کے خط وخال کو نہایت صحیح طور پر نمایاں فرمایا ہے یہ کتاب حشو روز وائد اور ضعیف و موضوع روایات سے پاک ہے اور اسکی یہ خوبی اہل علم کی نگاہ میں نہایت قابل قدر ہے۔ ص ۱۲۸

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ دہلوی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> جناب مولانا امانی صاحب نے گلشن سیرت کے نام سے جو کتاب لکھی ہے وہ میں نے ان سے سنی اور مجھے بہت خوشی ہوئی کہ وہ نہایت عمدہ اور بہت مفید کتاب ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کے پڑھنے سے مسلمانوں کو بھی فائدہ ہوگا اور غیر مسلم قوموں کو بھی رسولِ خدا کی سیرت سے آگاہی اور فائدہ ہوگا۔
>
> ص ۱۳۳

حضرت جوشؔ ملیح آبادی نے گلشن سیرت کی اس طرح تعریف فرمائی ہے:

حضرت امانی صاحب نے زبان کی سادگی وسلاست ومعقول اجمال کا اسمیں بہت خیال رکھا ہے اور بڑی کامیابی کے ساتھ حضرت پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیرتِ اعظم کے پہلوؤں اجاگر کیا ہے۔

امید کہ اس منظوم سیرت کو اربابِ ایمان ویقین بڑی گہری دلچسپی کے ساتھ پڑھینگے اور فائدہ اٹھالینگے۔

ص ۱۳۳

بہر حال حضرت امانی صاحبؒ کی اکیس اردو، فارسی، عربی اور مکمل تصانیف وتالیفات میں سے اردو کی تین کتابوں میں یہ صحیفہ سیرت بھی ہے جسمیں تاریخ عرب واسلام اور سیرت نبوی ﷺ کے واقعات وواردات مثلاً قبل اسلام عرب کے حالت حضور ﷺ کی ولادت بابرکت رضاعت بچپن جوانی تجارت مشاغل ومصروفیات اور تعلیمات وغیرہ کا بحسن وخوبی احاطہ کیا گیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ سمندر کو کوزے میں سمونے کی ایک سعی مشکور ہے اسکا مطالعہ تاریخ اسلام و سیرت رسالت مآب ﷺ کے شائقین کے ایمان ویقین کی پختگی کا باعث ہوگا۔

خلقتِ نور محمدی

کیا خالق نے سب سے پہلے پیدا رسولِ پاکؐ کا نورِ مصطفیٰ
پھر اس نورِ مبیں سے آشکارا کیا ہے عالمِ ایجاد سارا
مقدم آپ تھے سب سے وجوداً مگر تھا سب سے آخر ظاہری تن

ولادت باسعادت

جہاں میں مژدۂ جاں بخش لایا بہاروں پر ربیع الاول آیا
دوشنبہ بارہویں تاریخ جب تھی یہی تاریخ سب میں منتخب تھی

اکہتر پانسو سال مسیحی
مہ اپریل تھا اور بیسویں تھی
ہوا پیدا شہنشاہ دو عالم
سرورِ آدم و اولادِ آدم

حلیہ:

بدن تھا معتدل سالادریں کا
تو چہرہ چاند ہی تھا چودھویں کا
میانہ قد سفید سرخ تھا رنگ
رہا کچھ فصل شانوں کا یہ تھا ڈھنگ
بڑا سر بال تھے کچھ پیچ والے
ملائم مانگ والے خوب کالے
گھنی تھی ریش اقدس اور بھلی تھی
ہتھیلی چوڑی پر بھی نرم بھی تھی
بڑا تھا حسنِ ظاہر میں بھی پایہ
نہیں تھا سرورِ عالم کا سایہ

اخلاق عظیمہ:

کبھی غصے نہ ہوتے اپنی خاطر
مبارک خلق سے قرآن تھا ظاہر
بڑے تھے راست گو اور نرم خصلت
یوں ہی پابند عہد اور نیک خصلت
عوض احسان کا کرتے زیادہ
غذا سرکار کی بالکل تھی سادہ
خبر ہمسایہ کی لیتے ہمیشہ
رہی تکریم مہماں شہ کا پیشہ
جو آیا پیش بے طوری سے کوئی
تو کرتے در گذر ہی شاہِ امی
اماتی کیا ہو پورا وصفِ ساقی
زبان گنگ اور مدحت ہے باقی

معجزات:

ملاتھا معجزہ اک ہر نبیؑ کو
ملے وہ سب نبی ہاشمی کو
نبی کا معجزہ قرآں ہے پہلا
جواب اسکا نہیں بندے کے بس کا

خدا کا فضل تھی وہ سینہ چاکی
تو تھی معراج شب دعوت خدا کی

نکلتا بچ کے گھر سے وقتِ ہجرت
وہ مشتِ خاک تھی اعجاز حضرت

نبی نے کافروں کے چاہنے سے
دکھایا چاند کو دو ٹکڑے کرکے

لعاب شاہ بہرِ چشم حیدر
شفا تھا ہوگئی پھر فتح خیبر

نہیں ممکن اماؔنی سب کی تحریر
مناسب ہے کہ کرلوں ختم تقریر

خدا کا ہو درودِ پاک تم پر
سلام اے صاحبِ لو لاک تم پر

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

محمد شفاعت احمد سلیمؔ، نیلور (اے، پی)

ہادی ورہنما امام حسینؓ
دین کے پیشوا امام حُسینؓ

جان خیر النساء امام حُسینؓ
جگرِ مُرتضیٰؓ امام حُسینؓ

تُم جوانانِ خُلد کے بے شک
صدر ہو صدر یا امام حُسینؓ

جستجوئے نظر امام حُسینؓ
قلب کا مُدّعا امام حُسینؓ

جو یقیناً شہید اعظم ہے
وہ تمھیں تم ہو یا امام حُسینؓ

بحرِ جُود عطا سخاوت کے!
گوہر بے بہا امام حُسینؓ

ظُلم کی ابتدا یزیدِ لعیں
صبر کی انتہا امام حُسینؓ

تُم پہ توڑا ہے کوفیوں نے ستم
تم تھے معصوم یا امام حُسینؓ

اک جہاں کو لہو رُلاتا ہے
آپ کا ذکر یا امام حُسینؓ

پیش کش:

محمد باقر حُسین و محمد سجاد حُسین فرزندانِ محمد شفاعت احمد سلیمؔ

مختصر سوانح حیات اور کرامات
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از: سعادت اللہ خان، یم، اے، بی، ایڈ
اردو ٹیچر گورنمنٹ، پی، یو، کالج، فار گیلس، بنگار پیٹ۔

نام و القاب

امیر المومنین حضرت سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا شیرِ خدا مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کے والد ماجد کا نام ابو طالبؓ اور والدہ کا نام حضرت سیدتنا فاطمہ بنتِ اسدؓ تھا۔ والدنے آپؓ کا نام "علی" رکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو "اسداللہ" کے لقب سے نوازا۔ اس کے علاوہ مرتضیٰ، کرّار، شیرِ خدا اور مولا مشکل کشا آپؓ کے مشہور القابات ہیں۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔

مولا علیؓ کا اخلاص

شیرِ خدا حضرت علیؓ اس قدر بہادر ہونے کے باوجود تکبّر، ریا کاری اور خودنمائی وغیرہ ہر طرح رذائل سے پاک اور پیکرِ عمل واخلاص تھے جیسا کہ حضرت علامہ علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا علیؓ نے جہاد میں ایک کافر کو پچھاڑا اور اسے قتل کے ارادے سے اُس کے سینے پر بیٹھے، اُس نے آپؓ پر تھوک دیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ تیری اس حرکت سے مجھے غصہ آ گیا۔ اب تیرا قتل نفسانی وجہ سے ہوتا نہ کہ ایمانی وجہ سے اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ وہ آپؓ کا یہ اخلاص دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

تم مجھ سے ہو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت مولیٰ علی شیر خدا حضرت علیؓ کے بارے میں فرمانِ فضیلت نشان ہے۔ انت منھی وانا منک، یعنی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

شیر خدا کا عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ سے کسی نے سوال کیا کہ آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت ہے؟ فرمایا: خدا کی قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک اپنے مال و آل، والدین اور سخت پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی بڑھ کر محبوب ہیں۔

اھل بیت سے محبت کی فضیلت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ''جو مجھے دوست رکھتا ہے اور ساتھ ہی ان کو اوران کے والدین کو بھی محبوب رکھتا ہے وہ بروز قیامت میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت علیؓ جیسا کوئی بهادر نهیں

امیر المومنین حضرت علیؓ المرتضیٰ شیرِ خدا کا ایک نمایاں ترین وصف، شجاعت و بہادری ہے اور اس بہادری کو غیبی تائید بھی حاصل ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے جب حضرت علیؓ ایک غزوہ میں کفار بداطوار کا گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے تو غیب سے آواز آئی۔ **لا سیف الا ذوالفقار و لا فتیٰ الا علی**، یعنی علی جیسا کوئی بہادر نہیں اور ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں۔

لعاب و دعائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں

حضرت سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لُعاب دہن لگنے کے بعد میری دونوں آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔ حضرت علیؓ گرمیوں میں گرم کپڑے اور سردیوں میں ٹھنڈے کپڑے پہنتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھوں میں اپنے منہ مبارک سے لُعاب لگایا تو ساتھ میں دعا بھی دی:

اللھم اذھب عنه الحر و البرد، یعنی اے اللہ علی سے گرمی اور سردو دور فرما۔ اس دن سے مجھے نہ گرمی لگتی ہے اور نہ ہی سردی۔ (ابن ماجہ)

کرامات شیر خدا حضرت علیؓ

درود شریف کی فضیلت، مولیٰ علی نے خالی ہتھیلی پر دم کیا اور.........

ایک بار کسی بھکاری نے کفار سے سوال کیا انہوں نے مذاقاً حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا جو کہ سامنے تشریف

فرماتھے۔اس نے حاضر ہوکر دستِ سوال دراز کیا۔آپؓ نے دس مرتبہ درود شریف پڑھ کراس کی ہتھیلی پر دم کردیا اور فرمایا مٹھی بند کرلو اور جن لوگوں نے بھیجا ہے ان کے سامنے جاکر کھول دو(کفار ہنس رہے تھے کہ خالی پھونک مارنے سے کیا ہوتا ہے)مگر جب سائل نے ان کے سامنے جاکر مٹھی کھولی تو اس میں ایک دینار تھا۔یہ کرامت دیکھ کر کئی کافر مسلمان ہو گئے۔

لمحے بھر میں قرآن ختم کرلیتے

حضرت سیدنا علی المرتضٰی،شیر خداؓ جب سواری کرتے وقت گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھتے تو تلاوتِ قرآن شروع کرتے اور دوسری رکاب میں پاؤں رکھنے سے پہلے پورا قرآنِ مجید ختم فرمالیتے۔(شواہد النبوۃ ص۲۱۲)

مولا علیؓ کی قرآن فہمی

ظاہری و باطنی علوم پر خبر دار،صاحب سینہ پر انوار مولیٰ علی حیدر کرارؓ فرماتے ہیں۔اللہ کی قسم!میں قرآن کریم کی ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کب اور کہاں نازل ہوئی۔بے شک میرے رب نے مجھے سمجھنے والا دل اور سوال کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔ (حلیہ الاولیاء ج ا۔ ص ۱۰۸)

سورۂ فاتحہ کی تفسیر

امیر المومنین،مولیٰ مشکل کشا حضرت سیدنا علیؓ نے ارشاد فرمایا،''اگر میں چاہوں تو سورۃ الفاتحہ کی تفسیر سے 70 اونٹ بھر دوں۔'' (یعنی اس کی تفسیر لکھتے ہوئے اتنے رجسٹر تیار ہوجائیں کہ 70 اونٹوں کا بوجھ بن جائے) قوت القلوب ج اص ۹۲)

شہرِ علم و حکمت کا دروازہ

دو فرامین مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

(۲) انا دار الحکمت وعلی بابھا۔یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

(ترمذی ج ۵ ص ۴۰۲ حدیث ۳۷۴۴)

ظاہر و باطن کے عالم

فقیہ امت حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ ایسے عالم ہیں جن کے پاس ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے۔ (ابن عساکر ج ۴۲ ص ۴۰۰)

شہادت کی رات

اس ماہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کا یہ دستور تھا کہ ایک شب سیدنا امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ ایک حضرت سیدنا امام حسنؓ اور ایک شب حضرت سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس افطار فرماتے اور تین لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے اور (کم کھانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرماتے: مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملتے وقت میرا پیٹ خالی ہو۔

شہادت کی رات تو یہ حالت رہی کہ بار بار مکان سے باہر تشریف لاتے اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرماتے، بخدا! مجھے کوئی خبر جھوٹی نہیں دی گئی، یہ وہی رات ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (گویا آپؓ کو اپنی شہادت کا پہلے ہی سے علم تھا۔)
(سوانح کربلا ص ۷۲)

قاتلانہ حملہ

شبِ جمعہ ۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک ۴۰ھ کو حسنین کریمینؓ کے والد بزرگوار، حیدر کرار صاحب ذوالفقار امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ سحر (یعنی صبح) کے وقت بیدار ہوئے۔ موذن نے آکر آواز دی اور کہا الصلوٰۃ! الصلوٰۃ! چنانچہ آپؓ نماز پڑھانے کے لئے گھر سے چلے، راستے میں لوگوں کو نماز کے لئے صدائیں دیتے اور جگاتے ہوئے مسجد کی طرف تشریف لے جارہے تھے، کہ اچانک ابن ملجم خارجی بد بخت نے آپؓ پر تلوار کا ایک ایسا ظالمانہ وار کیا کہ جس کی شدت سے آپؓ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر ٹھہری۔ اتنے میں چاروں طرف سے لوگ دوڑ کر آئے اور اُس خارجی بد بخت کو پکڑ لیا۔ اس الم ناک واقعہ کے دو دن بعد آپؓ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۹)

ابن ملجم کی لاش کے ٹکڑے نذر آتش کر دئے گئے

حضرت سیدنا امام حسنؓ، سیدنا امام حسینؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ نے حضرت علیؓ کو غسل دیا، حضرت سیدنا امام حسنؓ

نے نماز جنازہ پڑھائی اور دارالامات کوفہ میں رات کے وقت دفن کیا گیا۔ لوگوں نے ابن ملجم بدکردار و بداطوار کے جسم کے ٹکڑے کر کے ایک ٹوکرے میں رکھ کر آگ لگادی اور وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

بعد موت قاتل حضرت علیؓ کی سزا کی لرزہ خیز حکایت:

دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ کتاب ''فیضان سنت'' جلد دوم ۵۰۵ صفحات پر مشتمل باب ''عینیت کی تباہ کاریاں صفحہ ۱۹۹ پر ہے۔ عصمہ عبادانی کہتے ہیں: میں کسی جنگل میں گھوم رہا تھا کہ میں نے ایک گرجا دیکھا، گرجا میں ایک راہب کی خانقاہ تھی اس کے اندر موجود راہب سے میں نے کہا کہ تم نے اس (ویران) مقام پر جو سب سے عجیب و غریب چیز دیکھی ہو وہ مجھے بتاؤ اس نے بتایا: میں نے ایک روز شتر مرغ جیسا ایک دیو ہیکل سفید پرندہ دیکھا، اس نے اس پتھر پر بیٹھ کر قئے کی، اس میں سے ایک انسانی سر نکل پڑا، وہ برابر قئے کرتا رہا اور انسانی اعضاء نکلتے رہے اور بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ ایک دوسرے سے جُڑتے رہے یہاں تک کہ وہ مکمل آدمی بن گیا! اُس آدمی نے جوں ہی اُٹھنے کی کوشش کی اس دیو ہیکل پرندے نے اُس کے ٹھونگ ماری اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر نگل گیا، کئی روز تک میں یہ خوفناک منظر دیکھتا رہا۔ میرا یقین خدا کی قدرت پر بڑھ گیا کہ واقعی اللہ مار کر جلانے پر قادر ہے۔ ایک دن اس دیو ہیکل پرندے کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے دریافت کیا کہ اے پرندے! میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر کہتا ہوں جس نے تجھ کو پیدا کیا۔ اب کی بار جب وہ انسان مکمل ہو جائے تو اس کو باقی رہنے دینا تا کہ میں اس سے اُس کا عمل معلوم کر سکوں! تو اس پرندے نے فصیح عربی میں کہا ''میرے رب کے لئے ہی بادشاہت اور بقا ہے ہر چیز فانی ہے اور وہی باقی ہے، میں اس کا فرشتہ ہوں اور اس شخص پر مسلّط کیا گیا ہوں تا کہ اس کے گناہ کی سزا دیتا ہوں۔'' جب قئے میں وہ انسان نکلا تو میں نے اس سے پوچھا: اے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے انسان! تو کون ہے اور تیرا قصہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں حضرت علیؓ کا قاتل عبدالرحمٰن ابن ملجم ہوں، جب میں مر چکا تو اللہ کے سامنے میری روح حاضر ہوئی، اس نے میرا نامۂ اعمال مجھ کو دیا جس میں میری پیدائش سے لے کر حضرت علیؓ کو شہید کرنے تک کی نیکی اور بدی لکھی ہوئی تھی۔ پھر اللہ نے اس فرشتے کو حکم دیا کہ وہ قیامت تک مجھے عذاب دے۔'' یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اور دیو ہیکل پرندے نے اس پر ٹھونگیں ماریں اور اس کو نگل گیا اور چلا گیا۔ (شرح الصدور ص ۱۷۵)

موٹاپن کم کیجئے

ڈاکٹر محمد نعمان باشاہ قریشی بی،یو،یم،یس،

تنگدستی اگرچہ ہو غالبؔ
تندرستی ہزار نعمت ہے

تندرستی ایک نعمت ہونے میں دورائے نہیں ہے اسی سے دین اور دنیا دونوں جڑے ہیں، نماز، روزہ، حج، ذکر، تلاوت وغیرہ جتنے بھی دینی کام ہیں ان سب کا تعلق تندرستی سے بہت گہرا ہے۔ ایک مسلمان جو بیمار ہے وہ نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج کو جانے سے عاجز رہ جاتا ہے۔ تندرست مسلمان ہی نماز کھڑے ہوکر ادا کرتا ہے، روزہ رکھتا ہے، اور حج کو جاتا ہے، اگر وہ تندرست نہیں ہے تو نماز بیٹھ کر ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، روزہ کا فدیہ ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، بیت اللہ کے طواف سے محروم ہو جاتا ہے، اور اپنے عوض کسی تندرست آدمی کو حج بدل کرانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے آپ تمام دینی کاموں کے بارے میں غور وفکر کرتے چلے جائیے تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ آدمی کا صحت مند اور تندرست ہونا کسی قدر ضروری ہے اسی طرح دنیا کے جتنے بھی کام کاج ہیں وہ بھی مسلسل جدوجہد اور دوڑ دھوپ کے بغیر پورے ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ سب بھی تندرستی ہی سے جڑے ہوئے ہیں۔ جن کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور ہر سمجھدار آدمی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ دنیاوی ذمہ داریوں کو اچھی طرح اور صحیح ڈھنگ اور مکمل طریقہ سے ادا کرنے کے لئے صحت اور تندرستی ایک بنیادی چیز ہے، الغرض دین اور دنیا کا کوئی بھی عمل ہو وہ صحت اور تندرستی کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا اسی لئے اسلام نے مسلمانوں کو ہر ممکن طریقے سے صحت وتندرستی برقرار رکھنے کی تعلیم دی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسم کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اسے تھکنے اور نڈھال ہونے نہ دو۔ اور اسے اسکی طاقت کے مطابق کام لو، اسے آرام دو اور اسے اچھی طرح پاک وصاف اور صحت مند رکھو۔ ان لجسدك عليك حق۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کے نزدیک ضعیف اور بیمار مسلمان کے مقابلہ میں طاقت ور اور

تندرست مسلمان زیادہ محبوب ہے اور خیر و بھلائی، صحت منداور بیمار دونوں کے اندر موجود ہے۔

المومن القوی خیر واحب الی اللّٰہ من المومن الضعیف وفی کل خیر۔

صحت اور تندرستی کو قائم رکھنے کی کئی صورتیں ہوتی ہیں، ایک غذائی صورت ہے کہ آدمی اپنے کھانے پینے میں ایسی چیزوں کو شامل رکھے جن سے اسکی صحت برقرار رہے، کون کون سی غذائیں انسان کو صحت عطا کرتی ہیں اسکی تفصیلات ہیں اور اس پر اطباء نے بڑی بڑی کتابیں لکھ دی ہیں۔

دوسری صورت پرہیز ہے، آدمی کون کون سی غذاؤں کو اپنے کھانے پینے میں شامل نہ کرے، جن سے انسان کی صحت اور تندرستی برقرار رہتی ہے، یہ پہلو بھی بہت وسیع ہے اس پر ہمارے حکماء نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔

تیسری صورت دوائیں ہیں جو آج ہماری زندگی کا جز بن چکی ہیں، آدمی بیمار ہو جائے تو اسکی تندرستی کو لوٹانے اور اسکی صحت برقرار رکھنے کے لئے سینکڑوں دوائیں مارکیٹ میں آچکی ہیں اور آئے دن نئی نئی دوائیں آتی ہی جارہی ہیں۔ جس کا سلسلہ کبھی ختم ہی نہیں ہوگا جیسے جیسے نئی نئی طبی اور سائنسی تحقیقات آتی رہیں گی۔ نئی نئی دوائیں بھی مارکیٹ میں آتی رہیں گی جو انسان کی بیماریوں کو دور کرنے اور اسے صحت منداور تندرست رکھنے کے لئے کام کرتی ہیں۔

چوتھی اور سب سے اہم صورت، اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے، غذا و پرہیز اور دوا کے ساتھ دعا نہایت اہم اور ضروری ہے ہمارے عمل کے ساتھ اللہ کا فضل و کرم بھی شامل حال رہے تو اس وقت ہر چیز نفع دے سکتی ہے اس لئے ہر مسلمان کو بیماری سے نجات پانے کے لئے اور صحت برقرار رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے دعا سے بڑھ کر کوئی چیز ہی نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد اب میں اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہوں وہ ہے موٹا پن دور کرکے اپنی صحت کو کیسے برقرار رکھا جاسکتا ہے موٹا پن کوئی مستقل بیماری نہیں ہے لیکن وہ کئی ایک بیماریوں کو دعوت دینے والا ہے جس طرح ذیابطیس اپنی ذات سے کوئی بیماری نہیں ہے لیکن وہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔

موجودہ زمانے میں وزن کم کرنے اور موٹاپے کو دور کرنے کی کئی ایک صورتیں سامنے آگئی ہیں۔ ان میں سے بعض کمرشیل صورتیں ہیں، بعض طبی صورتیں ہیں، بعض غذائی صورتیں ہیں اور بعض ورزشی صورتیں ہیں۔

آج موٹا پن ایک قابل توجہ مسئلہ بن چکا ہے جن لوگوں کا وزن کافی بڑھ چکا ہے اگر وہ اس جانب توجہ دیں تو کوئی بات نہیں ہے لیکن وہ لوگ جو موٹے پن کا شکار نہیں ہیں وہ بھی دبلے پتلے رہنا چاہتے ہیں اور یہ خواہش خاص طور پر نوجوان

لڑکوں اور لڑکیوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے پروفیسر مسٹر فریڈرک جے سیٹر نے حال ہی میں اپنی تحقیقات اور تجربات کی روشنی میں وزن گھٹانے کی متعدد آسان تراکیب بیان کی ہیں جن کا خلاصہ دیسی طبوں کا ترجمان ''ہمدرد'' ۲۰۱۱ دہلی نے پیش کیا ہے ڈاکٹر موصوف کی بعض ترکیبیں یہاں پیش کی جارہی ہیں جوان لوگوں کے لئے مفید ہے جو موٹاپن دور کر کے صحت برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ عمدہ صحت اور مناسب وزن برقرار رکھنے کا اصلی گر خود آپ کی شخصیت میں چھپا ہوا ہے، سب سے پہلے آپ بے کم وکاست اپنا جائزہ لیں اچھی طرح اپنی جانچ پڑتال کریں، پھر اپنی غذا کا تعین کریں کہ آپ کے لئے کونسی غذا، کتنی مقدار میں مناسب اور مفید ہے، یہ ضرور جان لیجئے کہ جو کچھ آپ کھا رہے ہیں اس میں وہ تمام عناصر موجود ہونی چاہیئے جو آپ کی جسمانی توانائی کے لئے ضروری ہیں۔

اپنی پسندیدہ غذاؤں کو چار عنوانات میں تقسیم کیجئے۔

(۱) گوشت، مچھلی، مرغی اور انڈے وغیرہ

(۲) دودھ سے تیار شدہ غذائیں

(۳) پھل اور سبزیاں

(۴) آلو، غلوں پر بنی غذائیں اور آٹے کی بنی ہوئی خوردنی اشیاء غذائی۔ ماہرین کہتے ہیں کہ یہ چاروں نوعیت کی غذائیں صحت مند رہنے کے لئے بہت ضروری ہیں۔ آپ ان چاروں نوعیت کے گروپوں کی غذاؤں میں سے اپنی پسند کی غذائیں منتخب کر لیجئے اور اپنی پسند کی ایسی متبادل غذائیں کھایئے جو کم غذائیت کی حامل ہوں اور موٹاپے کا سبب نہ بنیں۔

غذائی خواص اور ان کے حرارے بتانے والے چھوٹے چارٹ عام بازار میں مل جاتے ہیں۔ یہ چارٹ خرید لیجئے اور ان کا اچھی طرح مطالعہ کیجئے تاکہ آپ تمام غذائی اجناس کے خواص اور ان کے حراروں کی تعداد جان جائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ اپنی پسندیدہ غذا کھاتے رہیئے، بس اس غذا کا طریقہ بدل دیجئے مثلاً آپ کو انڈوں سے بڑی رغبت ہے، ٹھیک ہے آپ انڈے کھاتے رہیئے لیکن انڈے کھانے کا اسلوب تبدیل کر دیجئے۔ یعنی اگر آپ تلا ہوا انڈہ کھاتے ہیں تو انڈا نہ تلئے یعنی ابالا ہوا انڈہ کھایئے، کیونکہ تلے ہوئے انڈے میں ایک سو دس حرارے جبکہ ابلے ہوئے انڈے میں 75 حرارے پائے جاتے ہیں۔ اگر آپ ناشتے میں پھل کھانے کے عادی ہیں تو پھل ضرور کھایئے مگر بھرپور حراروں والے پھلوں کی جگہ

تھوڑی حراروں والے پھل کھایئے۔ مثلاً ایک شخص ناشتے میں سنگترے کے رس کا ایک گلاس پیتا ہے جس میں نوے حرارے ہوتے ہیں، اگر یہ شخص وزن گھٹانے کا آرزومند ہے تو اسے چاہئے کہ ناشتے میں اس کی جگہ خربوزے کی قاش کھائے اس طرح اسے صرف 35 حرارے دستیاب ہوں گے۔

وزن گھٹانے کی ایک اور دلچسپ ترکیب یہ ہے کہ کھانا تھوڑا کھائیں اور آہستہ آہستہ کھایئے اور غذا چبانے کے عمل کو کچھ طول دے دیجئے، جب آدمی بیزار ہوتا ہے تو زیادہ خوراک کھاتا ہے اس لئے بیزاری سے بچئے، خوش رہنا ہماری طبعی ضرورت ہی نہیں طبی تقاضا بھی ہے بروقت کھانا کھایئے۔

غذا میں حراروں کے تناسب کے درمیان رکھنے کے بعد اپنا وزن تولتے رہئے تاکہ پتہ چلے کہ آپ نے کتنا وزن کم کیا ہے۔

پروفیسر فریڈرک زور دے کر کہتے ہیں کہ دبلے پتلے رہئے اس لئے کہ دبلے پتلے انسانوں کو موٹے افراد کی نسبت زیادہ طویل زندگی نصیب ہوتی ہے۔

ڈاکٹر موصوف کی زرین اور قابل عمل باتوں کے ساتھ ساتھ ایک دو یونانی دواؤں کی نشاندہی بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ موٹاپن دور کرنے کے لئے غذا میں پرہیز اور ورزش کے ساتھ دواؤں کا استعمال بھی نہایت ضروری ہے۔ یہاں ہمدرد کی دو تین دوائیں اور ان کا طریقہ استعمال پیش کیا جارہا ہے۔

ھو الشافی۔

(۱) سفوف مہزل　موٹاپے کو دور کرتا ہے، کچھ دنوں تک لگاتار استعمال کرتے رہنے سے آہستہ آہستہ وزن کم ہوجاتا ہے اور بدن صحیح حالت میں آجاتا ہے۔
صبح وشام عرق زیرہ ۶۰ ملی لیٹر یا پانی کے ساتھ استعمال کریں۔

(۲) عرق زیرہ　موٹاپے کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے، ریاح کو خارج کرتا ہے یہ عرق صبح وشام پئیں، اگر سفوف مہزل کھاکر اوپر سے یہ عرق پئیں تو زیادہ بہتر ہے۔

(۳) معجون مہزل　موٹاپے کو دور کرنے کے لئے نہایت مفید ہے کچھ دنوں تک لگاتار استعمال کرنے سے بدن صحیح حالت میں آجاتا ہے۔ یہ معجون کھاکر اوپر سے عرق زیرہ ۷۵ ملی لیٹر پئیں۔

نیز　(۱)　جوارش کمونی

(۲) جوارش کمونی مسہل

(۳) معجون فوتنجی

(۴) معجون نانخواہ بھی موٹاپے کو دور کرنے کے لئے بہتر ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

برتراز شاہانِ عالم اک گدائے مصطفیٰ

عالم کُل آرزو دارد برائے مصطفیٰؐ ‏ ‏ ‏ من کہ خواہم پر تو نوری ردائے مصطفیٰؐ
طائرانِ خوش نوا بر نغمہ ہائے مصطفیٰؐ ‏ ‏ ‏ طلعت والشّمس ازروئے صفائے مصطفیٰؐ
لیل رخشندہ ز ظلمت گیسوئے خمدار تو ‏ ‏ ‏ مدوانجم کہکشاں حسن ضیائے مصطفیٰؐ
برزمیں رسمِ محمدؐ اسم احمدؐ در فلک ‏ ‏ ‏ با ادب صلّی علیٰ لطف صدائے مصطفیٰؐ
دروادی صحرابیاباں آمدہ بدرِ منیر ‏ ‏ ‏ موج دریا رقص کُن ان خوش ادائے مصطفیٰؐ
بوسۂ ہائے حبیبؐ از لمسِ چشم جبرئیلؑ ‏ ‏ ‏ لیل اسریٰ منتظر خود رب فدائے مصطفیٰؐ
بُوبکرؓ، فاروقؓ و عثمانؓ و علیؓ کل خسرواں ‏ ‏ ‏ چار یارانِ صفا ہر دم فدائے مصطفیٰؐ
درفلک دو قاش کردہ خود بدرِ منیر ‏ ‏ ‏ از جنبش انگشت آں معجز نمائے مصطفیٰؐ
پائے اقدس خوں چکاں از سنگ ہائے طائفاں ‏ ‏ ‏ از برائے ظالماں رحمت دعائے مصطفیٰؐ
تاختہ قالین قیصر نوک شمشیر غلام ‏ ‏ ‏ برتراز شاہان عالم اک گدائے مصطفیٰؐ
نیم شب از سوئے طیبہ آمدہ باد نسیم ‏ ‏ ‏ از برائے قلب و جاں راحت فضائے مصطفیٰؐ
گوشہ گوشہ برزمیں اخضر علَم رفعت نشاں ‏ ‏ ‏ دلنشیں آں گنبد خضریٰ قبائے مصطفیٰؐ
من ندارم آرزوئے حورِ فردوس و ارم ‏ ‏ ‏ من کہ دارم آرزوئے مہ لقائے مصطفیٰؐ

اے کہ تو آنِ کرم شانِ کرم جانِ کرم
پرِ اطہرِ شمّاسؔ رادست سخائے مصطفیٰؐ

یس، محمد یوسف شمّاسؔ، آدونی

مرثیہ بر وفات حسرت آیات

صدر نشین بزم عُرفاء وسرخیل محفلِ شرفاء سید السادات

صاحب مقامات مرجع شیخ وشاب

اعلیٰ حضرت فضیلت انتساب مولانا الحاج

ابوالفتح سلطان محی الدین

السید شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز۔

ریختہ کلک گُہر سلک

علامہ زماں شاعرِ نازک خیال وشیریں مقال مولانا مولوی الحاج

ضیاء الدین احمد صاحب المتخلص بہ امانی پلیگنڈوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق صدر المدرسین وناظر مدرسۂ منبع الانوار، لال پیٹ، جنوبی ہند۔

ریختہ کلک گہر سلک

عرشِ اعظم لرزہ براندام و حیراں آفتاب
بزم انجم منتشر ہر سو گریزاں شیخ و شاب

ساکن از ہیبت زمین و خونچکاں چشم شفق
سوئے ویلور آمدہ فوجِ ملک بااضطراب

حِلّ ایں مشکل شدہ، از حدِّ امکانم بُروں
گفت ہر کس علّتے واللہ اعلم بالصّواب

درتلاشِ امرِ حق گردِ جہاں گشتم بسے
فضلِ حق شد رہنموں آمد دعائیم مستجاب

یافتم برکوہِ لُبناں جمع اقطابِ زمَن
صدرِ محفل خواند ایں مرثیہ بر چشمِ پُر آب

حسرتا آں صدرِ بزم قطب ویلوری نماند
ایں مگر باشد نشانِ اکبرِ یوم الحساب

سیّدالسّادات شاہم عبد قادر قادری
محی دیں سلطان بو فتح و ظفر والا خطاب

صاحب تقویٰ حلیم و باوقار و زندہ دل
صرف گشتہ عمر پاکش جملہ درکارِ ثواب

یاد احمد تازہ بود از رُویتِ سبطِ رسولؐ
صادق است ایں قول بوئے گل بجویم از گلاب

رحمۃً للعالمین آں مہبط روح الامینؑ
مژدۂ عیسیٰ دُعائے حضرت خلّت مآب

برروانش باد از خالق درودِ بے عدد
ہم برآلِ پاک و اصحابِ سعادت اقتراب

حُب خالق لازم حب رسولؐ ہاشمی است
حُبِّ آلِ پاک حُبِّ سید عالی جناب

قطبِ ویلور آنکہ روشن گشت ملک ہند ازو
ذرھا از نور فیضش آفتاب وماہتاب

قطبِ تکویں چند از ان و قطب ارشاد است چند
چند ثابت چند چوں سیّار اندرانقلاب

چندچوں صدیقؓ چوں فاروقؓ یابی چند را
مثلِ ذوالنورینؓ چند و چند مثلِ بُوتراب

بود میرِ بزم دیں، میر قلم، میرِ سخن
بد ہمن ذاتش ز آفات و بلادر اجتناب

ہر نفس سلک جواہر ہر ادا سرِّ وجود
ہر قدم حُکمِ شریعت ہر نظر رفعِ حجاب

معہد علم و ادب روشن زنامِ پاکِ اُو
قطرۂ آب آید دریں بحروبر آید دُرِّ ناب

نیست جز صبر و توکّل اہلِ غم راچارۂ
انا للہ خواں وبرخواں سورۂ ام الکتاب

درندائے پاک رضواں ہیں اماتی سالِ وصال
برلبش یا اہل غفراں بودوکردہ فتح باب

۱۳۷۸ھ

سانحۂ ارتحال

ادارہ

خانوادۂ حضرت قطب ویلور اور دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور سے وابسطہ مریدین ومعتقدمین اور قدیم وجدید فارغین اور رشتہ داروں اور قارئین اللطیف کو یہ خبر انتہائی رنج وغم کے ساتھ گوش گذار کی جارہی ہے کہ اللطیف کے مؤسس وسابق مدیر اعلیٰ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادریؒ، سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی زوجۂ محترمہ حضرت سیدہ امۃ الماجد عرف صدیقہ بی بنت حضرت مولانا میران محی الدین قادری صاحب مرحوم ورنگل روز چہارشنبہ بوقت ظہر اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۶ مئی ۲۰۱۳ء مطابق ۵ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ روز جمعرات بعد نماز عصر مسجد حضرت مکان ویلور میں حضرت مولانا ڈاکٹر سید عثمان قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور نے اپنی خوش دامن صاحبہ مرحومہ کی نماز جنازہ پڑھائی، احاطہ حضرت مکان میں واقع قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

نماز جنازہ اور تدفین میں رشتہ داروں کے علاوہ، مقامی اور بیرونی افراد خاصی تعداد میں شریک رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے تمام پس ماندگاں کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

آمین

اقوالِ زرین

حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ

سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ، ویلور

نیک فطرت اور شریف آدمی میں علم آجائے تو اس کی شرافت اور بزرگی میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن یہی علم کسی رزیل کے پاس چلا جائے، تو اس کی رذالت بڑھ جاتی ہے۔

کوئی حادثہ اور واقعہ کتنا ہی جانکاہ اور ہوش ربا کیوں نہ ہو، اور کیسی ہی خوشی کیوں نہ حاصل ہو، آدمی کو ہر حال میں اپنے دل ودماغ اور زبان پر قابو رکھنا چاہئے اور جوش میں ہوش نہیں کھونا چاہئے۔

لوگوں کی مذمت اور برائی سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو مٹا رہا ہے۔

اگر کسی آدمی کے اندر ننانوے برائیاں اور خامیاں ہوں، اور ایک بھلائی اور اچھائی ہو تو ہمیں اسکی بھلائی اور اچھائی کی طرف نظر کرنی چاہئے۔

کسی شخص کی تعریف کرنے پر خوش اور خوش گمان نہیں ہونا چاہئے وہی شخص جب اسے تمہاری ذات سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو تمہاری مذمت اور برائی بیان کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑے گا۔

سالنامہ اللطیف ویلور



دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور۔